اللہ جمیل و یحب الجمال

خدا بروئے در رحمت کشاید | گر از ہر عقدۂ مشکل کشودم
کمالم از جمال ہم نشین ست | وگرنہ من ہمان خاکم کہ بودم

جمالِ امجد

نوشتۂ

سید احمد حسین امجد صاحبِ رباعیات

مطبوعہ

اعظم جاہی برقی پریس حیدرآباد دکن

بار دوم وسط ذوالقعدہ ۱۳۶۵ھ قیمت للعہ علاوہ محصول

پانچ روپیے

نقشِ ثانی

یہ جمال امجد کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ابتدائً ہم نے جب یہ کتاب لکھی تھی ہم خود اس کے محاسن سے بے خبر تھے۔ دل میں غم تھا، ہاتھ میں قلم۔ سمجھے نہ بوجھے لکھتے چلے گئے۔ کتاب کی اشاعت کے بعد معلوم ہوا کہ اس کو کسی نے ایک دفعہ پڑھا ہے، کسی نے دو دفعہ، کسی نے دس دفعہ، کسی نے بیس دفعہ کسی نے بلا تعداد، کسی نے اس کو سرہانے کا تکیہ بنا لیا جب آنکھ کھلی پڑھنے لگے۔ کسی نے زادِ راہ یا رفیق سفر سمجھ لیا۔ شمالی ہند میں بعض اصحاب سے صفحے کے صفحے زبانی سُنے گئے۔ والحمد للہ رب العالمین

(۲) بعض مضامین جو بار اول میں یاد نہیں آئے تھے، اب بار دوم میں شریک کر دئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ پڑھنے والے کسی پسندیدہ چیز پر ہم کو اور جمال سلمیٰ کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔ وہ جمال سلمیٰ جس نے اپنے مسیحا دم انفاس سے ہماری خوابیدہ اور غفلت زدہ روح کو بیدار کر دیا سنتے ہیں کہ حضرت آدم حوا کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے لیکن اس فرشتہ صفت خاتون نے اپنے سچے مشاہدات اور اپنے اعلیٰ خیال اور بلند افکار کے اثر سے کچھ دنو کے لئے ہم کو جہنم سے نکال کر تقریباً جنت کے قریب پہنچا دیا تھا۔

میرے دوستو! جب جمال امجد پڑھ کر تم کو جمال سلمیٰ کے مزار کی زیارت[1]

---

[1] بنگلور کے ایک صاحب نے جمال امجد پڑھ کر لکھا تھا کہ جمال سلمیٰ کی قبر کی مٹی چاٹنے کے لئے حیدرآباد

کا شوق ہو اور اس زندہ جاوید ہستی کی قبر پر جاؤ جو حیدرآباد دکن میں حضرت شاہ خاموش علیہ الرحمۃ کی درگاہ کے احاطے میں مشرقی رُخ واقع ہے۔ جس کے سرہانے مرمر کی تختی پر حسب ذیل قطعہ کندہ ہے۔

متحد بود جان و تن یک چند — تن بہ نقصاں رسید جاں بکمال
امجد خستہ پائے در گل ماند — پیش ربِّ جمیل رفت جمال
۱۳۴۷ھ

تو اس گنہ گار کا سلام پہنچا کر اتنا کہہ دینا کہ تمہارا وہ نصف، جس کو تم جہنم سے نکال کر جنت تک کھینچ لے گئے تھے، اب تمہارے بعد اپنے شر نفس اور اپنے شامت اعمال سے پھر جہنم کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔ دعا کرو۔

کہ یہ برگشتہ نصیب پھر سے جنت نصیب ہو جائے۔

ربّنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار

امجد ۶ رجب ۱۳۶۵ھ

حیدرآباد دکن۔ آغا پورہ نمبر مکان ۱۰۷۷

تو ہے کہ ہمیشہ رحم فرماتا ہے
امجد ہے کہ راہ پر نہیں آتا ہے
ہے خوگر جرم یہ تو وہ کرم کا عادی
پھر دونوں میں دیکھیں کون اَڑ جاتا ہے

جمال امجد

دو نصف = ایک

جمال امجد کیا ہے؟ جمال اور امجد دو مختلف القوالب، متحد الروح، یا
دو نصف، مساوی ایک، ہستیوں یا ہستی کی حیات بخش زندگی کا کارنامہ ہے
اس میں گیارہ نوشتے ہیں۔ ہر نوشتہ اپنی طرز میں دلکش اور ہر نوشتہ
کا ذیلی مضمون عبرت انگیز اور معنی خیز ہے۔ کہیں آہ ہے۔ کہیں واہ
ہر قصہ کسی خاص لطیف اشارے اور پُر تاثیر کنائے پر ختم کیا گیا ہے۔ اس
کا آٹھواں نوشتہ تو دوسرے نوشتوں کے مقابل میں نوشتۂ قدرت
معلوم ہوتا ہے۔ ایک آئینہ ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ایمان کی تازگی
یقین کی زیادتی، روح کی راحت، لازوال مسرت کی طلعت جہاں افروز
نظر آتی ہے۔ وہ سکون ملتا ہے جو بے چینی سے قطعاً نا آشنا ہے۔ اس
نوشتہ کو پڑھ کر معلوم ہو سکتا ہے کہ ناقص العقل عورتیں بھی کس قدر
کامل الایمان والیقین ہوتی ہیں۔ صدق اللہ مولٰنا العظیم مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِن ذَکَرٍ اَوْ اُنثٰی وَھُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً الخ

میں اس کتاب کے ناظرین سے نہایت پُرزور الفاظ میں کہتا ہوں کہ اس آٹھویں نوشتہ کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھیں۔

مجھ سے امجد صاحب پوچھتے ہیں کہ تجھے اس کتاب میں کیا چیز پسند آئی۔ جس کی ہر چیز مجھے پسند ہو میں اس کی کسی ایک چیز کے متعلق کیا کہوں کہ وہی مجھے پسند ہے۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

میں نے امجد صاحب کی شاعری کے متعلق پہلے لکھا ہے کہ "حضرت امجد ہندوستان کے ان شعرا میں ہیں جن کو زمانہ صدیوں کے بعد پیدا کرتا ہے"۔ میری اس رائے سے مولوی وحید الدین سلیم ابتدا میں اختلاف کرتے رہے لیکن آخر کار حضرت امجد کی سحر کار شعریت نے سلیم صاحب کو بھی سلامت نہ چھوڑا۔ سر تسلیم خم کر کے لکھتے ہی بنی کہ "حضرت امجد زندہ ہنر مند اور قدرتی شاعر ہیں۔ آج ہندوستان بھر میں ان کی ٹکر کا رباعی کہنے والا کوئی شاعر نہیں ہے"۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مُرغ قبلہ نما آشیانے میں

اب ان کی دلکش نثر کے متعلق اپنی آزادانہ رائے کو پابند کر کے صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ

مولانا عبدالباری ندوی لکھنوی جیسے نقاد اور نکتہ چیں بزرگ بھی حضرت امجد کی نثاریت پر دیر تک جھومتے رہے۔ میں نے شاید دو

ایک مرتبہ پہلو بدلے بھی نہوں گے مگر مولانائے ممدوح القدر نے دو سو
صفحے کی کتاب ایک ہی بیٹھک میں ختم کردی۔ کتاب ختم کرنے سے پیشتر
اس کا مطالعہ ختم نہ ہوسکا وہ امجد جواب تک شاعر مشہور تھا دیکھو کہ اب
انشا کے ایک جدید اسلوب اور قالب میں کس طرح کامیاب ہوکر نمایاں
ہوتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

مناظر احسن گیلانی
پروفیسر اسلامیات کلیۂ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ

سو نقش ہے تمام تر اپنی ثنا تیرے لئے
کیا کیا نہ ہیں ایک ایک جفا نقش تیرے لئے
ایک ایک سو پیمانہ جا تیرے لئے
ہستی کے سب ہیں نمائش تیرے لئے

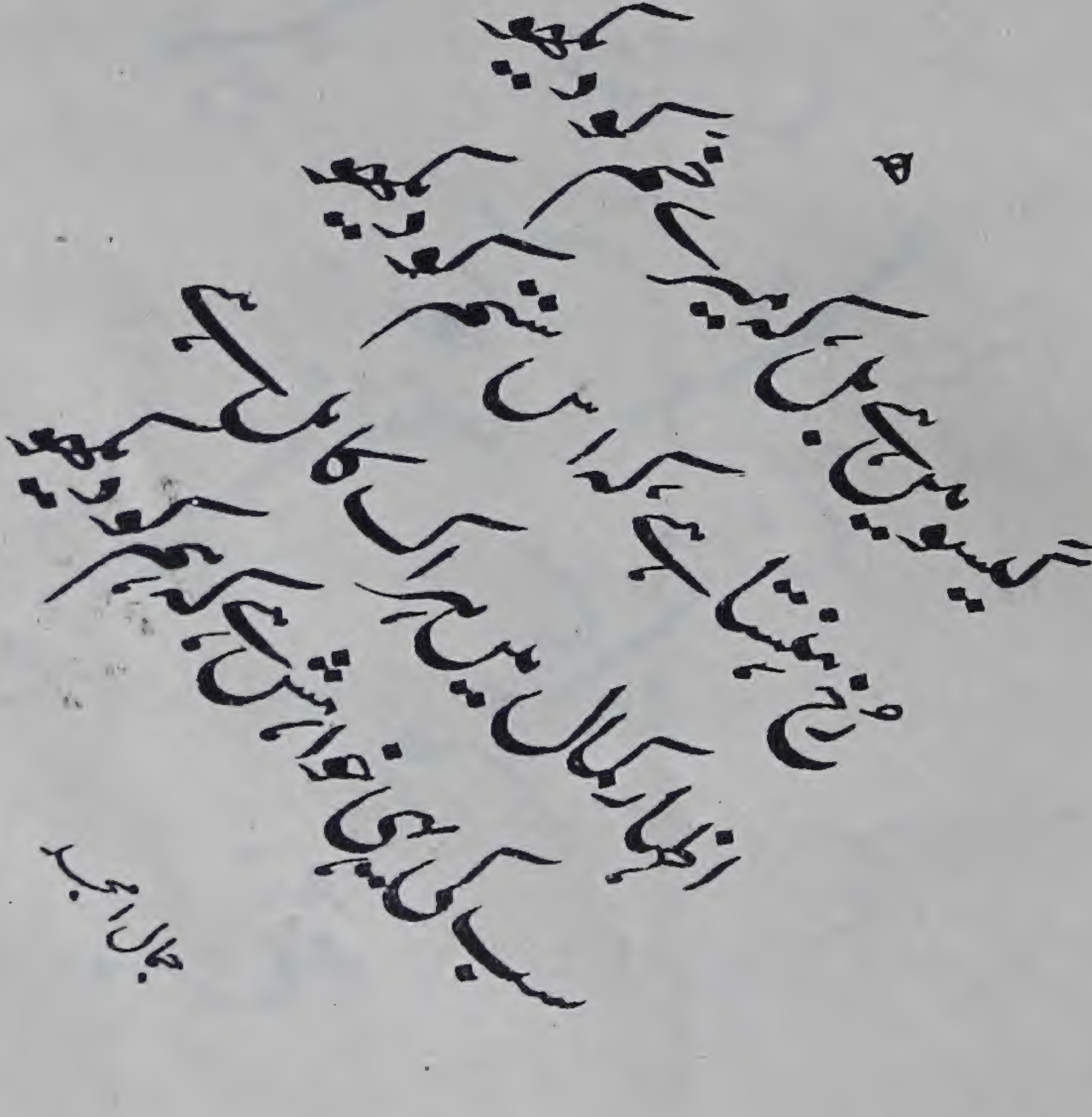
جمال امجد

جمال امجد پر

رسالہ معارف اعظم گڈھ کی رائے

حضرت امجد حیدر آبادی اپنی رباعیات سے اردو علم و ادب میں شہرت رکھتے ہیں۔ جمال امجد موصوف کی خود نوشت سرگذشت کا ایک دلاویز مرقع ہے۔ حضرت امجد کے کلام میں فلسفہ و تصوف کی لطیف آمیزش کے ساتھ مسرت و انبساط اور حیرت و غم دونوں تاثرات کی ایسی جھلک ہوتی ہے کہ پڑھنے میں دونوں اثرات پیدا ہوتے ہیں، کلام امجد کی اس خصوصیت کا راز ابھی تک سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جمال امجد نے یہ پردہ چاک کیا امجد ایک برباد گھرانے کا جو دریائے موسیٰ کی طغیانی کی نذر ہوا، خانماں برباد یادگار تھا جو اپنی ماں، بیوی اور اکیلی بچّی کو سیلاب کی منجدھار میں ڈوبتے دیکھتا رہا اور خود حسرت نصیب ایک درخت سے سہارا لئے کھڑا رہا اور پھر اسی خانہ ویرانی کی یاد میں دن کاٹ رہا تھا کہ سلمیٰ کا جمال نظر آیا، اور غم و الم سے بیٹھے ہوئے دل پر حُسن و عشق کی ایک نئی عمارت کھڑی ہو گئی۔ سلمیٰ نے امجد کی زندگی میں ایک نیا انقلاب پیدا کیا سلمیٰ صرف سلمیٰ نہ تھی بلکہ اُسے تصوف کا

اعلیٰ مذاق تھا۔ ادب کا بہترین ذوق تھا اور فہم وادراک، غور و فکر اور دقیقہ رسی ذوربینی کا ایسا ملکہ عطا ہوا تھا کہ بقول امجد، اکثر ایسا ہوتا کہ انھوں نے کوئی بات کہی اور ہم نے حیرت سے مُنھ کھول دیا۔ وہ تقریر کرنے لگیں ہم مبہوت سنتے رہے۔ کبھی کبھی ان ہی بحثوں میں آدھی آدھی رات گذر جاتی۔ امجد و سلمیٰ کے مکالمے ساتواں نوشتہ کے تحت میں ہیں۔ دریائے موسیٰ کی طغیانی کے حالات کتاب کے چھٹے باب میں ہیں۔ یہ دونوں کتاب کے اہم حصے ہیں۔ ورنہ یوں تو پوری کتاب امجد کے دلچسپ طرزِ بیان سے مطالعہ کے لائق ہے کہ جس سے ذوقِ ادب کی تشفی ہوتی ہے اور کاہشِ دل کی تسکین۔



هوالقاهر فوق عباده

بر پیرهن و ردای من صد بند است
در هستیٔ من قبای من صد بند است
از خود به خدا نمی‌توانم رستن
من بنده‌ام و بپای من صد بند است

رباعیات امجد

پہلا نوشتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغاز وہ کیا کہ جس کا انجام نہ ہو وہ حج کیسا کہ جس میں احرام نہ ہو
ہر کام میں تیرا نام لے لیتا ہوں وہ کام ہی کیا جس میں ترا نام نہ ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جز شُرب شراب غم مرا مشرب نیست جز مرضی او ز مطلبم مطلب نیست
المنۃ للہ کہ بہ تسکین دلم نامش بہ زبان ست اگرچہ لب برلب نیست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاصاحب الجمال ! ویامن اظہر الجمیلَ وستر القبیح
بَسطت یدَکَ فَاَعْطیتَ فَلَکَ الحَمْدُ۔ ثمّ نورک فھدیت
فَلَکَ الحمد صلّ علےٰ جمیل الشیم شفیع الامم سیدنا محمد
سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین واصحابہ الطاہرین
مُتّبِعیھم باحسانٍ الیٰ یوم الدّین۔

جمالِ امجد

مانند نفس عمرِ رواں چلتی ہے
جس طرح سبنے رواں دواں چلتی ہے
جبتک جاری تھا دل زباں ساکت تھی
اب دل ساکت ہے اور زباں چلتی ہے

چاہتے کیا تھے لکھ گئے کیا؟ مقصود تو یہ تھا کہ صرف اپنی اہلیہ جمال سلمیٰ کے حالات قلمبند کریں اسی لئے ہم نے اس کا نام بھی جمال سلمیٰ تجویز کیا تھا۔ بظاہر قلم ہمارے ہاتھ میں تھا لیکن اپنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ تھا۔ تمہید کے سلسلے میں نقطۂ نظر سے قطع نظر کر کے اپنے حالات لکھتے چلے گئے۔ وہ بھی مختصر نہیں الف، بے سے والسلام تک، گڑھے مُردوں کی طرح ذہن، خیال حافظے وہم سے مٹے ہوئے واقعات کسی کے نفخِ صور پر انا، انا کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جوانی تو جوانی ہے بچپن کی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی کسی نظر نہ آنے والی کلاں بیں کی مدد سے بڑی سی بڑی نظر آنے لگی۔ لکھے اور پھر لکھے، بکو اس سے نکل کر لکھو اس پہ آپڑے

ہم سے ابتدا ہوئی غم پہ انتہا ہوئی

حاصل نہیں جس کا وہ تگ و تاز ہے یہ
کھلتا نہیں کھل کر بھی عجب راز ہے یہ
ملتا نہیں کوئی انتہائی نقطہ
کہتا ہے ہر انجام کہ آغاز ہے یہ

بالآخر جمال و امجد کے شدّتِ اتصال اور دو ہستیوں کے ایک ہونے کی وجہ سے جمال سلمیٰ کو بدل کر جمال امجد نام رکھنا پڑا جس کو لیلیٰ مجنوں کی ترکیب سے بغیر اضافت بھی پڑھ سکتے ہیں۔

جمال اور امجد کے اعتبار سے جمال امجد نام رکھ لینا اگرچہ اس وقت ایک معمولی کام معلوم ہوتا ہے مگر ہم کو جو مشکلیں پیش آئیں وہ ہم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اپنی عادت کے خلاف ہر ایک سے مشورہ لیتے لیتے تھک گئے۔ زمین والوں سے کام نہ چلا تو آخر آسمان والے سے مخاطب ہو کر کہا کیا ہم کو ایک نام بھی نہ ملے گا؟ جملہ سوالیہ ختم نہ ہوا تھا کہ جمال امجد جواب مل گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ایسا کیوں ہے

یوں تو ہماری زندگی کے اکثر و بیشتر واقعات عامۃ النّاس کے حالات سے زیادہ نہیں تو کسی قدر عجیب ضرور ہیں لیکن آخری حصّہ عجیب تر ہے۔ کیوں عجیب ہے؟ ہم اس کا کوئی سبب نہیں بتا سکتے۔ قدرت سے سب کچھ ممکن ہے۔ صاحبان ذوق، مومنین بالغیب تو تائید غیبی کی تصدیق کریں گے اور ضرور کریں گے مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے دیکھا نہیں اور ایمان لے آئے۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض اپنے آپ کو عقلمند سمجھنے والے عقلمندوں کے دائرہ عقل میں نہ سما سکے۔ اور بجائے یقین کے اس کو شک کی نگاہوں سے دیکھیں۔ لیکن ہم کو ان کے انکار پر زیادہ اصرار کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے ہم کسی کو اپنا مقلد اور ہم آہنگ بھی نہیں بنانا چاہتے ایمان اور یقین کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ ضدی بچّوں کے دل میں حلق چیر کر دوا کی طرح اتاری جا سکے۔ تنگ کٹورے میں تیرنے والی مچھلی بحرِ ذخّار کی ماہیت

نہیں سمجھ سکتی۔ روحانیت کی سیدھی سادی باتیں، ناقص العقل عقل کی الٹی کھوپڑی نہیں اتاری جا سکتیں قاتلھم اللہ انی یوفکون بیدل ؒ نے بالکل ہمارے دل کی بات کہی ہے کہ" ساز حقیقت از مجاز پرستاں بے اصول، صد محشر فریاد است، و حسن معنی از نگاہ لفظ آشنایان بے ادراک غبار آلود و یک عالم بیدا قی

عندلیبے بہ ہم نوائے دِگر | شکوہ سر کرد کاے نوا پرور
شور زاغ سم دریں چمن باراست | گفت خامُش کہ زاغ بسیار است

دریا لہرا کے اک بھنور میں آیا | نور ارض و سما کا چشمِ تر میں آیا
جو عقل میں آج تک نہ آیا تھا کبھی | اللہ اللہ میرے گھر میں آیا

ہم اگرچہ اس بات کو ثابت نہیں کر سکتے کہ ایسا کیوں ہے؟ یا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ مگر اس میں تو شک نہیں کہ ہو رہا ہے اور برابر ہو رہا ہے قدرت کو اپنے کام سے اتنی فرصت کہاں کہ وہ کسی کی کیوں اور کیا کا جواب دیتی رہے۔ عمر بھر یہ کیوں وہ کیوں کہا کیجئے۔ مگر کوئی یہ یوں وہ یوں کہنے والا نظر نہیں آتا۔

یہ نافۂ مشک ہے کہ خوں ہے کیا ہے | اعجاز ہے، سحر ہے، فسوں ہے کیا ہے
مُنھ موت نے بند کر دیا آخر کار | ہم کہتے ہی رہ گئے یہ کیوں ہے کیا ہے

صرف وہی چیزیں قطعی اور یقینی ہو سکتی ہیں جن کو بغیر کسی دلیل و حجت کے فطرت قبول کر لے نہ یہ کہ سامع سے بزور و ظلم اس طرح منوائی جائے کہ دعویٰ کا انکار دو حال سے خالی نہیں۔ یا یہ ہوگا یا وہ ہوگا۔ یہ ہوگا تو یہ محال لازم آئے گا۔ وہ ہوگا تو وہ محال لازم آئے گا۔ غریب مخاطب بوکھلاہٹ

میں ایک باطل اور فرضی دعوے کو بھی ہاں ہاں کہہ کر مان لیتا ہے۔ لیکن جب فلسفی کے مقابل سے ہٹ کر اس مسئلہ میں غور کرتا اور دل کو ٹٹولتا ہے تو یقین تو درکنار ظن کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اور بجائے گرہ کشائی کے ایک گرہ اور زیادہ نظر آتی ہے۔

اس دشت میں سینکڑوں کے جی چھوٹ گئے   پھر بھی حباب کی طرح پھوٹ گئے
اس دام کا ایک عقدہ بھی کھل نہ سکا   بیجا کوشش میں بال و پر ٹوٹ گئے

سیّد احمد حسین امجدؔ

قطعہ

میری کوشش میں نہیں سستی
تیری بخشش میں نہیں سستی
میرے بنائے سے کچھ نہیں بنتا
اللہ اللہ ارزانیت

ہم

ہم محفل عیش میں بھی مغموم رہے — ہم رنگ وجود میں بھی معدوم رہے
”ہم“ کیا ہے خدا کا ایک حکم محکم — لیکن اسے حکم ہے کہ محکوم رہے

ہم اور غم جس طرح ہم قافیہ ہیں اسی طرح ہم معنی بھی ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس اپنے دو حرفی ہم کی تفصیل کریں۔ ہم کو اپنی دونوں اصلیتیں یعنی والدین کے مختصر صفات بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے

ہمارے والد	ہماری والدہ
نمبر (۱) جسیم طویل القامت گورے چٹے۔ شکم سے بھی کسی قدر بزرگی کا اظہار ہوتا تھا۔	سانولا رنگ۔ دُبلی پتلی۔ کسی قدر پستہ قامت۔ پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا
نمبر (۲) قدیم وضع کے مولوی (۱)	محض امی

(۱) حضرت کی دقیانوسی مولویت کی وجہ سے آئے دن بیسیوں جھگڑے پیدا ہوا کرتے تھے۔ راستہ میں جہاں کسی مسلمان کی ڈاڑھی منڈھی دیکھی ہاں نہ ہاں میں تیرا مہمان۔ آپ گلے

نمبر(۳) نماز کے سختی سے پابند بکثرت گنڈے دار نمازی۔ صرف رمضان کی روزہ دار۔ حد درجہ سادہ مزاج صائم

(بسلسلہ گذشتہ) کے ماہر ہو گئے۔ قریب جا کر یا بلا کر پوچھا۔ بھائی صاحب آپ کا کیا نام ہے اس نے کہا (مثلاً) عبدالرحمٰن پھر پوچھا باپ کا کیا نام ہے کہا (مثلاً) عبدالرحیم۔ آپ فرمانے لگے تمہارے باپ بھی مسلمان ہی معلوم ہوتے ہیں تمہارا نام بھی مسلمانوں کا سا ہے پھر ارخار لحیہ کے حکم کی خلاف ورزی کے کیا معنی۔ اور ڈاڑھی منڈھا کر بال بال گنہ گار ہونے سے کیا حاصل۔ اب اگر کسی نے شرافت سے کہا کہ بے شک قصور تو ہوا آئندہ ڈاڑھی نہ منڈاوں گا تو آپ بہت خوش ہو گئے۔ گویا کسی بڑی مہم میں کامیابی ہوئی۔ پیٹھ ٹھونک کر توفیق نیک کی ہزاروں دعائیں کر دیں۔ اگر اس نے پوچھا کہ حضرت آپ ہیں کون؟ آپ کو پوچھنے کا حق ہی کیا ہے۔ بس سمجھ لیجئے آفت آگئی۔ غصہ چڑھ گیا۔ غضب ناک ہو کر فرمانے لگے ہم تم پر تمہارے باپ سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ ہم عالم ہیں۔ ہم وارث رسول ہیں۔ نہ مانو گے تو ڈنڈے سے بھی خبر لے سکتے ہیں۔ اسی طرح بے نمازیوں کے بھی پیچھے پڑے رہتے۔ آئے دن جھگڑے فساد۔ ہر روز کسی نہ کسی سے تو تو میں میں رہا کرتی۔ علمیت کا خیال زندگی کا وبال تھا۔ ہماری والدہ ہر چند سمجھایا کرتیں۔ ہمیشہ ان نصائح، فضائح سے روکا کرتیں مگر حضرت پر تو علمیت کا جن سوار تھا۔ غریب اور جاہل عورت کے اتارے سے کیا اتر سکتا لاکھ سمجھائے مگر پھر وہی ہم ہیں اور وہی جنگ کی تیاری ہے۔

نمبر(۴) بے حد نازک مزاج	حد درجہ سادہ مزاج۔
نمبر(۵) بے[1] حد سست اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہ کرتے۔	صبح[2] سے شام تک کام کرنے والی۔
نمبر(۶) خوش خوراک۔ خوش پوش	روکھا سوکھا کھا کر، موٹا جھوٹا پہن کر زندگی گذارنے والی
نمبر(۷) بہت بولنے والے۔	بہت خاموش۔

اب جنہوں نے ہم کو دیکھا ہے وہ تو سمجھ سکتے ہیں کہ والدین کے ان صفات سبعہ سے قدرت نے ہم کو وراثتہً کیا کیا چیزیں دی ہیں جنہوں نے ہم کو نہیں دیکھا ہے ان کے لئے ہم کسی قدر تفصیل کرتے ہیں۔

نمبر(۱) صورتہً اور جسماً تو ہم، ماں اور باپ دونوں کے درمیان ہیں۔ کچھ اِدہر سے ملا ہے کچھ اُدہر سے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ بچہ ماں باپ دونوں کے بیچوں بیچ لیٹا ہوا ہے۔

نمبر ۲۔ نمبر(۳) علم وجہالت کی بھی درمیانی حالت ہے۔ صوم وصلوٰۃ بھی واجبی واجبی ہے مگر حضرت والد کی کثرت صیام کا اثر ہے کہ ہم کو دن بھر بھوک بہت کم لگتی ہے۔ مگر رات دو تین دفعہ بھی کھانے میں تامل نہیں ہوتا

---

[1] پاس کی پڑی ہوئی چیز بھی اٹھانی مشکل۔ بیوی مہمان ہی کیوں نہ گئی ہو مگر جب تک مہمانی سے واپس آکر حضرت کا بستر نہ بچھادے آپ بغیر بستر ہی کے آرام فرماتے۔ اتنا نہ ہوتا کہ اپنے ہاتھ سے بچھا لیتے۔

[2] ہزاروں صلواتیں سنا کر پھر بلا لیجئے آپ بغیر کسی انکار کے چلی آئیں گی۔

نمبر (۴) نازک مزاجی میں بالکل باپ ہی کے بیٹے ہیں۔

نمبر (۵)، (کام کاج)، نمبر (۶) لباس و خوراک کے تکلفات سے بے حسی، نمبر (۷)، (کم گوئی) میں بالکل اپنی ماں کے قدم بہ قدم ہیں۔ ان تینوں نمبروں میں باپ سے کچھ حصّہ نہیں لیا۔

اب ہم ان دونوں کی صورت و سیرت کی یادگار سیّد احمد حسین امجدؔ کے نام سے اس عدم خیز عالم میں بظاہر موجود ہیں۔ دیکھئے کب تک رہیں۔

ہم نے اپنی والدہ صوفیہ مرحومہ سے سنا تھا کہ نواب سالار جنگ اول کی وفات سنہ ۱۳۰۰ھ کے پانچ یا چھ سال بعد حیدرآباد دکن میں، رجب کو قریب صبح روز دوشنبہ ہماری نحوست کا ستارہ طلوع ہوا۔ یعنی ہم بمعنی غم پیدا ہوئے۔ صحیح تاریخ و سنہ ہم کو بھی معلوم نہیں۔

ہمارے والد حضرت صوفی سید رحیم علی مرحوم کا ہماری والدہ سے عقد کے تین سال بعد عین ہمارے چلّہ کے دن مرض فالج سے آناً فاناً انتقال ہو گیا۔ چلّہ کی رسم میں مہمانوں سے بھرا ہوا گھر دم بھر میں ماتم کدہ ہو گیا جو پانی زچا بچّہ کے نہلانے کے لئے گرم کیا گیا تھا غسل میّت کے کام آیا۔ بلند اقبال کی بلند اقبالی کا یہ پہلا کرشمہ تھا۔ ابھی اور دیکھتے جایئے

یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت مرحوم نے اس واقعہ سے دو روز قبل تندرستی ہی میں اپنی قبر تیار کروالی تھی۔ اس وقت بیماری یا موت کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ قبر بننے کے تیسرے ہی دن نماز فجر سے واپس آتے

؎ ہماری والدہ نے ہماری درازی عمر کے لئے ہم کو ایک طویل العمر بزرگ کی گود میں ڈال دیا تھا جنھوں نے درازی عمر کے لئے ہمارا نام خیرات علی بھی رکھ دیا تھا۔

ہوئے دل پر فالج کا اثر ہوا گھر آنے آنے تک گور نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ بچّے کے شوق میں کھلی ہوئی آنکھیں قبر کی مٹّی سے بند ہو گئیں۔ بندگی بیچارگی

ڈھونڈتے کیا ہو موت کے اسباب　　مر گئے مرگِ ناگہانی سے

دور جانے کی کیا ضرورت ہے　　موت پیدا ہے زندگانی سے

دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے ہماری والدہ سے کہتے گئے۔ ہمارا غم نہ کرنا۔ بچّے سے جی لگا لینا۔ تمھارا یہ بچّہ جئے گا اور کچھ ہو کر جئے گا۔

ہماری والدہ قصبۂ حسن آباد مضافات حیدر آباد کی رہنے والی تھیں ہمارے والد کا مولد کسی سے اورنگ آباد سُنا گیا ہے۔ کسی نے میرٹھ بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ مولدہ۔

اسی طرح نام بھی بعض نے رحیم حسین ابن کریم حسین کہا ہے اور بعض نے رحیم علی۔ لیکن آخر الذکر نام چونکہ ہم نے اپنی ماں سے سُنا ہے اس لئے ہمارے پاس یہی زیادہ قابل وثوق ہے۔

والد کے کسب معاش کے ابتدائی حالات سے ہم تو کیا ہماری والدہ بھی بے خبر ہیں مگر آخری زندگی میں کسی مسجد کی امامت کرتے تھے۔ ان کی اذاں میں بھی خاص اثر تھا۔

ہمارے والد کو یکے بعد دیگرے چار بیویوں سے اکیس بچّے ہوئے بیس مر کر اکیسویں ہم پیدا ہوئے۔ ایک کے اکیس ہو کر پھر ایک کا ایک ہی رہ گیا۔ واہ جی واہ۔

دوسرا نوشتہ

کمالاتِ امجد

قول و فعلِ مرداں ۔ قلبِ ماہیت ۔ خط اور خط کشی ۔ چار شادیاں
فتنۂ محشر ۔ بے محل ہمدردی ۔ ہماری پیشین گوئی ۔ پیٹ کی لپیٹ
بالائی چور ۔ لذت بخش تکلیف ۔ ننھا بہادر، خونخوار غم خوار ۔ راستی
فتنہ انگیز ۔ نقل کی اصل ۔ حماقت میں کرامت ۔ اقرارِ گناہ ۔ آدھا میں
آدھا میں۔

فرشتۂ محشر سے کہہ دو
اس ننھی سی تلوار سے کیا ہوتا ہے
یہ ایک ایک برشتۂ ایک
یہ ... ایک
سیپارۂ ...
محشر سے قیمتی ...

رباعیات امجد

کمالاتِ امجد

اب دنیا کے اسٹیج پر ننھے منے اکڑ کے پُر لطف تماشے، نئے نئے کمالات بغیر کسی ٹکٹ کے ہنسی ضبط کر کے ملاحظہ کرتے جائیے۔

قول و فعلِ مرداں

جب کہ ہم ماں کی گود میں آنے سے پہلے، ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے محرم کا مہینہ آگیا۔ بیوی (ہماری والدہ) نے اپنے شوہر (ہمارے والد) سے محرّم کے تعزیے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

نیکی کے دَم میں نتھے ہاں کہہ دیا، بیوی تماشہ دیکھنے کی خوشی میں گھر کا تمام کام کاج جلد جلد ختم کر پہن اوڑھ کر مغرب تک بالکل تیار ہو گئیں، شوہر روزانہ کی عادت کے خلاف، مغرب کے بعد آنے کی جگہ نماز عشا کے بعد تشریف لائے تماشہ کی دیوانی بیوی نے جھٹ پٹ دسترخوان بچھا، ہاتھ دُھلا کھانا لا کر سامنے رکھ دیا۔ آپ کھا پی اننده ہو کر باہر تشریف لے چلے۔

بیوی نے کہا، کیا تعزیے دیکھنے نہ لے چلوگے؟ جس زبان سے دن کی روشنی میں ہاں کہا تھا، اب رات کی تاریکی میں نا کہہ دیا اور باہر تشریف لے چلے۔ باہر جا کر ادھر دروازے کو قفل لگا رہے تھے۔ اِدھر بیوی تعزیے نہ دیکھنے کے غم میں اندر ہی اندر عزاداری کر رہی تھیں۔ شوہر کے گھر سے باہر نکلتے ہی کہنے لگیں۔ ..... خاک پڑے تمام دن ٹھگا ٹھگا کر کیا صاف مکر گیا“

مولانا ابھی دروازے ہی پر ٹھیرے ہوئے تھے یہ سنتے ہی فوراً پلٹ پڑے قرآن میں واضح ہوا تھن تو پڑھا ہی تھا۔ اب اس کے عمل کا بھی وقت آگیا، لکڑی لے حق شوہری کے تحت دو، چار ضربیں رسید ہی کر دیں، پھر یہ کہہ کر کہ تم حاملہ ہو اس لئے معاف کر دیتا ہوں لکڑی ہاتھ سے پھینک دی۔ اللہ اللہ حمل نے کیا برمحل دستگیری کی، ہم نے ابھی پیٹ سے پاؤں باہر نہیں نکالے تھے کہ باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ممکن ہے کہ باپ کے مقابل میں اپنی بیکس ماں کی اس حمایت پر ہم نے ماں کے پیٹ ہی میں اپنی پیٹھ ٹھونکی ہو۔ واہ جی واہ

مرجائے درد دل کی بیماری میں
رہیئے بے چارگوں کی غمخواری میں
پھر کیوں نہ رہیں حق کی طرفداری میں
حق کو اک روز منہ دکھانا ہے ضرور

قلب ماہیت

ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہماری والدہ کی ایک لڑکی مر چکی تھی جس کا غم ہماری والدہ کے دل و جگر میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا۔ اس لئے والد صاحب کے انتقال کے بعد اپنی لڑکی کی یادگار میں کچھ دنوں کے لئے ہم بھی لڑکی بنا دئے گئے۔ ہمارے کانوں میں بالیاں گلے میں مالا ڈالی گئی۔ روزانہ ہمارے بالوں میں کنگھی کر کے چوٹی ڈالی جاتی آنکھوں میں کاجل ہوتا۔ ہونٹوں پر مستی ہوتی۔ ہم ننھی سی عمر میں سولہ سنگھار کئے نین مٹکاتے لہنگا پھڑکاتے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر اٹھلایا کرتے۔

ہمارے اس لباس اور اس انداز پر ہماری والدہ قربان ہو ہو جاتیں

جب ادھر نکل گئے، چٹ چٹ بلائیں لے لیں، اُدھر نکل گئے، لپٹا کر منھ چوم لیا، ہر وقت کی کچل اور مسل سے ہم کبھی کبھی اَدھ موے ہو جاتے، ہم کو کسی کا آنکھ بھر کر دیکھنا بھی ہماری والدہ کو گوارا نہ ہوتا۔ کیونکہ جب کوئی بھی ہم کو محبّت کی نگاہ سے دیکھتا یا پیار کرتا تو ہم کو علی العموم بخار چڑھ جاتا تھا۔ والدہ ہمیشہ نظریں اتارا کرتیں، دیکھنے والوں کا نام لے کر سینکڑوں دھجیاں پھاڑ پھاڑ کر ہم پر سے اُتار اُتار کر جلائی جاتیں۔

کچھ دنوں ہم اسی طرح زنانہ لباس میں نسوانی انداز میں ہاتھ پاؤں مارتے رہے،

اب ہم بھولتے ہیں کہ کسی کے توجہ دلانے پر یا کسی کے اپنے لڑکے کے لئے نسبت کی تحریک پر ہمارا زنانہ لباس اتار دیا گیا اور زنانہ پن کا زمانہ طہر متخلل کی طرح ساقط الاعتبار ہو کر پھر کینچلی بدلتے ہوئے ہم لڑکی سے لڑکے، یا عورت سے مرد ہو گئے واہ جی واہ یقلب کیف یشاء

گر ذرا اور ترقی کرتے سارے جھگڑوں سے جدا ہو جاتے
جس طرح مرد ہوئے عورت سے مرد سے، مردِ خدا ہو جاتے

خط اور خط کشی

ہم تین برس کی عمر میں دیوار پر، کاغذ پر، تختے پر کوئلے سے آڑی سیدھی لکیریں کھینچا کرتے اور پھر مٹاتے بھی جاتے۔

ماں پوچھتیں بیٹا کیا کر رہے ہو؟

ہم اپنے معصومانہ زبان میں کہتے "لکھ لے لکھ لے پوچھ لے، پوچھ لے" یعنی لکھتے جاؤ اور پوچھتے جاؤ۔

نئے شگوفے کھلاتے جانا　　کھلے ہوؤں کو ہوا کھلانا
ہمارا کیا کام پوچھتے ہو　　بناتے جانا مٹاتے جانا

چار شادیاں

تقریباً اسی عمر میں ماں ہم سے پوچھتیں بیٹا کتنی شادیاں کروگے ہم کہتے تال (چار) نہیں معلوم تعداد ازدواج اور اس کی انتہائی تعداد کا مسئلہ کہاں سے معلوم ہو گیا تھا۔ ماں کہتیں بھلا چار شادیاں کر کے کیا کروگے؟

ہم لمبے لمبے لیٹ جاتے اور اپنے دائیں، بائیں سرہانے پائنتی اشارہ کر کے کہتے ایک اِدھل (اِدھر) ایک اُدھل (اُدھر) ایک اَدھل ایک اُدھل

قصر تن ہے چار ہی دیوار سے　　چاروں سمتیں بھر گئی ہیں چار سے
چار سے زائد کی گنجائش نہیں　　پانچویں کی اب کوئی خواہش نہیں

فتنۂ محشر

ہم کو سلیقہ سے رکھا ہوا سامان اُلٹ پلٹ کرنے، چیزوں کو کچلنے، توڑنے پھوڑنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ اتنی بات ضرور تھی کہ اب کی طرح مزاج میں تعین پسندی نہ تھی ایک چیز ہاتھ سے چھین لی گئی دوسری پر جا پڑے ایک کام سے روکا گیا، دوسرا شروع کر دیا دم بھر دم لینا محال، نہ ہاتھ کو چین نہ پاؤں کو سکون، نہ معلوم کس مشن کا پُرزہ ہے کہ رو کنے پر بھی برابر چل رہا ہے، کبھی قینچی لے کر نئے سِلے ہوئے کپڑوں کی کتر بیونت کر دیتے کبھی بازار سے ابھی آئی ہوئی جوتی چاقو سے کاٹ کر چپکے سے رکھ دیتے کبھی برتن توڑ توڑ کر تماشہ دیکھتے۔ ٹوٹنے کی آواز سے کانوں کو لذت، دل کو مسرّت حاصل ہوتی۔

کبھی سالن میں راکھ، کبھی راکھ میں سالن جھونک دیتے۔

پانی کے بھرے بھرے برتن میں کیچڑ بھرے ہاتھ ڈال دیتے

گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈے پانی کی صراحیاں اُلٹ اُلٹ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے۔

اپنی صورت پہ آپ پردہ ہوں میں ۔۔۔ ابتک نہ کھلا کون ہوں میں کیا ہوں میں
چلتا ہوں بغیر قصد و منشا دن رات ۔۔۔ کیا جانے کس مشن کا پرزہ ہوں میں

والدہ ہمارے ان پُر لطف کرشموں سے تنگ آکر توبہ، توبہ کہا کرتیں۔ اللہ اللہ یہ بھی عجیب تماشا تھا، گناہ ہم کرتے، توبہ ماں کیا کرتیں۔ ایک

بچے نے ماں کا یہ حال کر رکھا تھا دو چار اور ہوتے تو نہ معلوم کیا ہوتا۔

جب دیکھئے کہرام رہا کرتا ہے سمجھے کوئی مجلس عزا برپا ہے
اولاد جسے کہتے ہیں دنیا والے دنیا کی مصیبتوں کا مجموعہ ہے

جب والدہ لکڑی لیکر مارنے دوڑتیں ہم بھاگے بھاگے پھرتے جب پکڑ لئے جاتے اب مالو (مارو) کہہ کر جھٹ قدموں میں سر رکھدیتے ماں مارنے کی جگہ لکڑی پھینک قدموں سے اٹھا کر گلے لگا لیتیں۔

حیلہ ملتا ہے رنگ لانے کیلئے ہو کچھ تو سبب ان کو منانے کیلئے
موقع ملتا ہے پاؤں پر گرنے کا کرتا ہوں قصور بخشوانے کیلئے

بے محل ہمدردی

گھر میں بھینس کا ایک بچھڑا کھونٹے سے بندھا ہوا گھانس نہ ہونے سے کھڑا چلا رہا تھا۔ ہم جنس نہ سہی مگر اپنا ہم سن سمجھ کر ہمدردی کے خیال سے، کھیلتے کھیلتے ننگے مادرزاد، ہم گھاس کا پولہ لئے بچھڑے کے پاس جا پہنچے۔ گھاس سامنے ڈالی، اس نے پہلے تو ہم کو خوب گھور کر دیکھا، پھر سر جھکا کر سینگوں پر اُٹھا کر اپنی پچھلی طرف پھینک دیا، ہم نے دور جا کر، دھم سے زمین پر پٹخنی کھائی، سر میں چوٹ آئی منہ ہاتھ لہولہان ہوگئے۔

بے وقوف بچے میں کچھ بھی سمجھ ہوتی تو یہ واقعہ عمر بھر سبق لینے اور بے محل ہمدردی نہ کرنے کے لئے کافی تھا، مگر پھر ایک دفعہ، کسی گھوڑے کو تھان پہ ہنہناتا دیکھ کر ہمدردی کا جوش ہوا سمجھے غریب بے زبان گھوڑا بھوک سے

بیتاب ہو کر ہماری طرح چلا رہا ہو گا گھر سے مٹھی بھر چنے لے، جھٹ گھوڑے کے سامنے پہنچ گئے۔

چنے ہاتھ میں دیکھ کر گھوڑا ہماری طرف بڑھا ہم نے ننھا سا ہاتھ سامنے کر دیا، اس نے ایک ہی منھ مار کر کچھ چبا لیا کچھ زمین پر گرا دیا، ہم اس وقت سر سے پاؤں تک جامۂ عریانی زیب تن کئے ہوئے تھے نہ معلوم گھوڑے کو کیا گدھا پن سوجھا، دانتوں سے ہماری بائیں طرف (قلب سُرخ ؟) کی چھاتی پکڑ کر زمین سے دو تین فیٹ اونچا اُٹھا کر پھر زور سے زمین پر دے پٹکا۔ ہم عالم بیہوشی میں زمین سے اُٹھا کر گھر میں لائے گئے بے محل جوش ہمدردی سے بچھڑے کو گھاس، گھوڑے کو دانہ کھلا کر ہم خود کئی دن کے لئے بے آب و دانہ ہو گئے۔

نکوئی با بداں کردن چنان است
گہے زاری گہے بر لب فغان است

ہماری پیشین گوئی

ہمارے ہمسایہ کی ایک خاتون جو حاملہ تھیں کبھی کبھی ہمارے گھر میں بھی آیا کرتی تھیں، ان کے تمام اعضاء کے تناسب سے، پیٹ کو بڑا پاکر ہم تعجب کرتے پھر اُن کے قریب جا پیٹ کو ہاتھ لگا کر پوچھتے" اچھیا تا ہے (اس میں کیا ہے) وہ کہتیں بچہ ہے، ہم کہتے، نیں اچھیں ہیں ہمالی دو ہن ہے (بچہ نہیں بلکہ اس میں ہماری دولھن ہے) قدرت کی موج، جدھر آئی، آئی۔ ننھے بچے کی زبان کا اس قدر پاس ہوا کہ مدت معینہ کے بعد ان کو

لڑکی ہی پیدا ہوئی اور تیرہ سال بعد ہمیں سے بیاہی گئیں - واہ جی واہ

ہوتی تھی کبھی ہماری خاطر داری بنتا تھا یقین، اپنا ہر اک خطرہ
یا وہ عزت تھی، یا ہے اب یہ ذلت قطرے سے گھر بنے، گھر سے قطرہ

پیٹ کی لپیٹ

ایک دفعہ ہم دعوت میں چلے، ماں نے کہا بیٹا دعوت میں جا کر اکیلے اکیلے تم ہی کھاتے ہو ہمارے لئے کچھ نہیں لاتے ہم نے کہا جی اچھا اب کے لیتے آئیں گے۔

دعوت میں گئے دستر خوان پہ بیٹھے صرف پلاؤ کھا لیا اور اپنے حصہ کا باقی لوازمہ کباب، مزعفر، سموسہ، آم اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا شاید بچہ سمجھ کر کسی نے ٹوکا بھی نہیں، گھر آکر ماں سے کہا، ماں یہ لو اپنے حصے سے تمہارے لئے بھی لایا ہوں۔ یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈال شیر و شکر کی طرح باہم ملی ہوئی کھاری میٹھی چیزیں نکال نکال کر ماں کے آگے رکھ دیں، انہوں نے متحیر ہو کر کہا، ارے مورکھ میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا تو تو سچ مچ اٹھا لایا، خبردار پھر کبھی ایسا نہ کرنا، ہم نے کہا، اچھا نہ سہی اور اپنی لائی ہوئی تمام چیزیں خود ہی بیٹھ کر کھا گئے۔ اگرچہ ابھی ابھی دعوت میں پیٹ بھر کر آئے تھے پیٹ بھرنے سے کیا ہوتا ہے۔ چھوٹے بچوں کا ننھا سا جی تو کسی طرح نہیں بھرتا، شریر بچوں کو شیطان کہتے ہیں، اس لئے ان کے پیٹ میں بھی شیطان گھس جاتا ہے۔

دیکھا جو کہیں کھانے کا برتن کوئی
ہٹتی ہی نہیں کسی طرح پھر آنکھیں
بچپن میں ملا ہوا ہے چورن کوئی
بڑھتی جاتی ہے حرص، جتنا کھاؤ

ہماری والدہ جب کوئی اچھی چیز میوہ مٹھائی وغیرہ ہم کو دیا کرتیں، ہم ان کی طرف سے منھ موڑ کر بیٹھ کر کے کھایا کرتے، لوگ ہماری یہ حرکت دیکھ کر بہت ہنستے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معلوم نہ تھا کہ دنیا کی ہر نعمت آج دے کر کل چھین لی جاتی ہے اگر ہم نے ماں سے ایسی بدظنی کی تو کیا برا کیا،

تم لاکھ پکارا کرو، لینا لینا،
ہاتھ آ کے ہر اک چیز نکل جاتی ہے
دنیا میں چلا جاتا ہے دینا لینا
کل تک سب کچھ تھا آج کچھ بھی تو نہیں

بالائی چور

ایک دفعہ گھر میں دودھ کی کڑھائی آگ پر چڑھی ہوئی تھی، کھول کھول کر دودھ کا بہت سا حصہ بالائی بن چکا تھا، دیکھتے ہی رال ٹپک پڑی بے صبرے میں اتنا صبر کہاں کہ ماں آئے اور نکال کر دے اور پھر یہ کیسے یقین کہ ضرور دینگی، دیں یا نہ دیں آؤ دیکھا نہ تاؤ بالائی کے لئے گرم گرم دودھ میں ہاتھ ڈال دیا۔

بالائی نکال تو لی مگر ہاتھ جل اٹھا، جلدی سے منھ میں ڈال لی، منھ میں آگ پڑگئی گرم چیز نگلی نہیں جاتی، بالائی جیسی چیز اگلی نہیں جاتی۔ بلبلا کر چیخ اٹھے آواز کے ساتھ ہی والدہ دوڑی ہوئی آئیں۔ صاحبزادے کو دیکھا اور عجب شان میں دیکھا، منھ میں بالائی بھرے، منھ کھول کھول کر

پہ چلّا رہے ہیں، چور کی چوری اور خود ہی اطلاع دہی پر کھل کھلا کر ہنس پڑیں!
ضحک اللہ سنھا فی الآخرۃ

راحت، زحمت فزا ہے معلوم نہ تھا
اس قند میں سم ہلا ہے معلوم نہ تھا

ہے گنج میں یہ رنج خبر تھی کس کو
بالائی میں یہ بلا ہے معلوم نہ تھا

لذّت بخش تکلیف

ایک دفعہ کسی عزیز کی شادی میں گاؤں کو گئے تھے۔ واپسی کے وقت ایک بیل گاڑی خربزوں سے بھر کر حفاظت کے لیے ہم سے نیک نیت محافظ کو بٹھا دیا گیا۔ ہمارے بیل، دوسرے بیلوں کی بہ نسبت فی نفسہٖ بیل تھے اسم کی مناسبت کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے چلے جاتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام گاڑیاں آگے نکل گئیں۔ ہماری ماں بھی انھیں تیز رفتار گاڑیوں میں سے کسی ایک میں روانہ ہو گئیں ہم پھسڈی ٹٹروں ٹوں کرتے سب سے پیچھے رہ گئے۔ خربزوں کے دھیان میں ہم کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ کون آگے ہے کون پیچھے، ہمارے آگے پیچھے تو خربزے تھے۔

للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ کر رہ جاتے، کچھ بس نہ چلتا، گاڑی والے کی غمازی کا خوف کچھ کرنے دھرنے نہ دیتا ہر وقت ہاتھ بڑھاتے اور رہ جاتے۔

آخر ہماری حرصی نظر کام کر ہی گئی۔ سنتے ہیں نظر سے پتھر بھی ٹوٹ جاتا ہے یہ تو خربزے تھے گاڑی کا چاک ایک بڑے پتھر پر چڑھ گیا، اڑاڑا

دھم گاڑی اُلٹ گئی، ہم خربزوں کے بیچ میں دب کر رہ گئے۔ خدا کی قسم لذت کے ساتھ جان دینا بھی کتنی لذت کی بات ہے۔

دبے بھی تو خربزوں میں، گاڑی والے نے خربزوں کی طرح ہم کو بھی پچکا ہوا تصور کر لیا، گاڑی اسی طرح چھوڑ سامنے والی گاڑیوں کی طرف بھاگا۔ ڈیڑھ دو میل چل کر گاڑیاں ملیں۔ گاڑی والے نے واقعہ کی اطلاع دی۔ ہماری ماں پر گویا بجلی گر گئی، جسم کا خون خشک ہو گیا عالم وحشت میں گاڑی سے کود کر وحشی ہرن کی طرح اڑتی ہوئی جنگل میں چلی جا رہی تھیں، نشیب و فراز ان کے لئے سب برابر تھا۔ کھائی کی خبر نہ خندق کی، جھاڑی کی حس نہ کانٹوں کی۔ تلوؤں میں کانٹے ٹوٹ گئے۔ راستے کے ناہموار نکیلے پتھروں نے دونوں پاؤں لہولہان کر دئے۔ ان کو تو اپنے عزیز از جان بچے کے لئے صرف دوڑنا معلوم تھا، جان رہے کہ جائے، بہر حال گھنٹوں کا راستہ منٹوں میں طے کر کے ہم تک پہنچ گئیں، صاحبزادے کو دیکھا، اچھے خاصے موٹے تازے، خربزوں کی ڈھیر میں بیٹھے ہوئے ٹوٹے پچکے خربزوں سے شغل فرما رہے ہیں، ماں کو دیکھ کر، خربزہ ہاتھ سے پھینک سر جھکا، گربہ مسکین بن بیٹھے۔ واہ جی واہ

ہر ایک مصیبت میں سو طرح کی راحت ہے — تکلیف کا ہر پہلو، تمہید مسرت ہے
گو پیٹھ میں چوٹ آئی، پر پیٹ کی بن آئی — معلوم نہ تھا ہم کو، زحمت میں بھی رحمت ہے

ننھا بہادر

ایک دفعہ ہماری ماں کو ان کی ایک عزیزہ سہیلی تفریح کے لئے اپنے مقطعہ لے گئیں، جہاں ایک عمیق تالاب بھی واقع تھا۔ چار دیواری کی محبوس شہری عورتیں، کھلا اور ہرا بھرا جنگل۔ لہلہاتے کھیت دیکھ کر وحشی ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھرنے لگیں۔ تالاب کے جھنبوٹوں نے تو بالکل ہی آپے سے باہر کر دیا، لگیں ایک دوسرے پر پانی اچھالنے۔ تفریح سے انبساط انبساط سے ہنسی، ہنسی سے جنون تک نوبت پہنچ گئی۔ اسی مجنونانہ ہنسی ہنسی میں کسی عورت نے ہماری ماں کو تالاب میں ڈھکیل دیا۔ وہ ڈوبنے لگیں، سب کھِل کھِلا کر ہنسنے لگیں۔ ہم چار برس کی جان کنارے کھڑے ہوئے تھے، ماں کو ڈوبتے دیکھ کر، اماں اماں پکارتے پانی میں کود پڑے بچّے اور اپنے بچّے کی آواز، غریقِ رحمت ماں کے کان میں پڑی، پانی سے اُبھر کر اٹھیں بند آنکھیں کھُل گئیں، سامنے ہی پتھّر پر نظر پڑی۔ ساتھ ہی ایک ہاتھ سے اس کو پکڑ لیا، ہم بھی ان کے قریب ڈوب ہی رہے تھے، دوسرے ہاتھ سے ہم کو بھی پانی سے نکال پتھر پر بٹھا دیا، یہ صحیح ہے کہ انہوں نے ہم کو نکالا مگر ہم نے بھی تو اُن کو سنبھالا۔

بچپن میں ہوئی بڑی شجاعت ہم سے
ماں کے لئے تالاب میں کودے دھم سے
وہ دَم سے ہمارے تو ہم ان کے دَم سے
دیکھو کس طرح بچ گئے ماں بچّے

جمال احمد

خونخوار غمخوار

ہم ایک دفعہ پانچ چھ برس کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ کسی گاؤں میں گئے تھے، جس گھر میں اُترے تھے وہاں شکاری وضع کا دُبلا پتلا ایک کتا بھی پلا ہوا تھا۔ ہم کو دیکھتے ہی ہماری طرف جھپٹا۔ گھر والوں نے فوراً بیچ بچاؤ کر کے ہماری جان بچا دی۔ ہم پر کتے کا خوف اس قدر غالب ہو گیا کہ گہری نیند میں بھی اس کے خوف سے چونک اٹھتے، رہنا اسی گھر میں تھا۔ کتا اسی گھر کا تھا چاہے ہم نکال دئے جاتے مگر کتا کس طرح نکالا جا سکتا تھا۔ ہم بہت دیر تک اس سے جان بچانے کی تدبیریں سوچتے رہے۔ یکایک ایک تدبیر سوجھی اور خوب سوجھی گو گلستاں پڑھی نہ تھی، دہنِ سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کا علم نہ ہوا تھا مگر عمل شروع کر دیا۔ وہ یہ کہ جو دودھ پینے کے لئے ہم کو ملا کرتا تھا، اس کے نصف کا کتے کو حصہ دار بنا دیا، صبح شام آدھا دودھ کتے کے سامنے رکھ دیا کرتے انسان تو تھا نہیں مردم خوار کتا تھا، صرف دو چار روز کی شیر خواری میں ہمارا غم خوار دوست بن گیا میٹھے دودھ نے وحشی درندے کے دانت کھٹے کر دیئے ہم جہاں جاتے احسان شناس وحشی دُم ہلاتا ہمارے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح چلا آتا۔

تعویذ سے شیطان بھی جھک جاتا ہے　　　احسان سے حیوان بھی جھک جاتا ہے

ہم اس سابق دشمن، حالیہ دوست کے بھروسہ پر یکہ و تنہا جنگلوں میں

دور دور نکل جاتے۔

ایک روز حسبِ عادت اپنے وحشی رفیق کے ساتھ مغرب کے قریب جنگل سے گھر واپس آرہے تھے کہ ٹیلے کی آڑ سے خرگوش نکل کر بھاگا طفلانہ عقلمندی سے ہم بھی خرگوش کے پیچھے دوڑے ہم کو دیکھ کر کتّا بھی ٹوٹ پڑا۔ ہم تو تھوڑی دور دوڑ کر رہ گئے مگر کتے نے پیچھا نہ چھوڑا، ہمارے دیکھتے دیکھتے خرگوش اور کتا دونوں ہماری نگاہوں سے غائب ہو گئے ہم کتے کے انتظار میں وہیں ٹھیر گئے۔ کتّا اب آتا ہے نہ جب۔ آفتاب بھی مغرب کی طرف کتے اور خرگوش کی جھڑپ دیکھنے کے لئے بچّوں کی طرح جلد جلد بھاگا چلا جا رہا تھا، ادھر تاریکی سے پہلے پریشانی بڑھ رہی تھی۔ گھر کا راستہ بھی معلوم نہیں۔ کہیں آدم نہ آدم زاد، رفیقِ راہ کا پتہ نہیں، جاڑے کا موسم گلے میں بار یک جھلنگا کرتہ، سردی سے کپکپاتے، تنہائی سے گھبراتے، سنسان بیابان میں ہوا کی سائیں سائیں سے خوف کھاتے جنگل میں بیٹھ گئے تقریباً آدھ گھنٹہ بعد اُدھر آفتاب ڈوبا اُدھر ہمارا شکاری رفیق خون سے لت پت سرخرو بنا ہوا ہمارے پاس آپہنچا، معلوم نہیں خرگوش کا کیا حشر ہوا کتے کو دیکھ کر جان میں جان آئی اس کو ساتھ لئے گھر کی طرف پلٹے پہنچتے پہنچتے تک کسی قدر رات ہو گئی۔

اِدھر ہمارے نہ آنے سے والدہ پریشان ہو کر ہر طرف دوڑی دوڑی پھر رہی تھیں۔ ایک ایک سے ہم کو پوچھ رہی تھیں کہ ہم جا پہنچے، ہم کو دیکھ کر پہلے تو خوش ہوئیں پھر بگڑ کر مارنے کے لئے ہم پر لکڑی اٹھائی۔

لکڑی اٹھانا غضب ہو گیا، کُتّا غرّا کر لپکا۔ ابھی خرگوش کا خون منھ کو لگا ہوا تھا نہ معلوم کیا ہو جاتا خدا نے بڑی خیر کی کہ ہم نے انتہائی تیزی اور اپنی پوری طاقت سے کتّے کے گلے میں دونوں ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ والدہ کے ہاتھ سے گھبرا کر لکڑی چھوٹ گئی۔ ہم اس وقت پٹنے سے بچ گئے۔

اس واقعے کے بعد گاؤں میں رہنے تک جب کبھی ہماری شرارت پر والدہ ہم کو مارنا چاہتیں تو پہلے ادھر اُدھر کُتّے کو بھی دیکھ لیا کرتیں واہ جی واہ۔ خدائی انتظام اس کو کہتے ہیں۔ سچ ہے اللہ میاں اپنے بندوں پر ماں سے زیادہ مہربان ہیں۔

جس کے جوشِ محبت نے آج ماں کی مار سے بچا لیا امید ہے کہ کل سفر کی نار سے بھی بچا لے گا۔

او چارۂ جاں زار کرنے والے　　او رحم ہزار بار کرنے والے
تجھ پر قربان لاکھ مائیں میری　　او ماں سے زیادہ پیار کرنے والے

چند روز کے بعد جب ہم گاؤں سے واپس چلے۔ بغیر کہے سنے یہ کتا بھی ساتھ ہو گیا۔ جب تک بیل گاڑیوں میں چلتے رہے ہمارا رفیق بھی ہماری گاڑی کے ساتھ ساتھ برابر چلا آتا۔ رات ہم جہاں ٹھہر جاتے یہ وفادار جانور بھی ہم سے قریب پڑ جاتا۔ مسافرت میں جو سوکھا روکھا ٹکڑا ہم کو ملتا وہی اس کے آگے ڈال دیتے بغیر کسی حکایت و شکایت کے چُپ چاپ کھا لیتا۔ ہماری طرح کبھی یہ نہیں کہا کہ کل تک تو لذیذ اور شیریں

دودھ دیا جاتا تھا آج یہ سوکھا ٹکڑا کیوں ہے۔

غرض دو چار منزلوں میں بیل گاڑی کا سفر ختم ہو گیا۔ ریلوے اسٹیشن پہنچ کر ہم ریل میں سوار ہو گئے۔ غریب کُتا ہمارا منہ تکتا باہر ہی رہ گیا، ہم کھڑکی سے سر نکالے اس کا منہ تک رہے تھے۔ جب ریل آہستہ آہستہ چلی کُتے نے بھی قدم بڑھایا۔ جب ریل فراٹے بھرنے لگی۔ یہ بھی چاروں پاؤں پھینکتا اُڑتا چلا آتا تھا۔ آخر کہاں تک اور کب تک۔ کتے اور ریل کا کیا میل؟ غریب تھک کر رہ گیا اور منہ پھاڑ پھاڑ کر اس درد سے چیخنے لگا کہ ہم بھی رونے لگے مگر کیا کرتے، کس سے کہتے کہ ہمارے رونے والے کُتے کو بھی ریل میں بٹھالو۔

نہ معلوم پھر کتے پر کیا گزری رفتار رہا چپ ہو گیا مگر ہم تو کئی دن اس کے لئے برابر روتے رہے۔

یاد آتا ہے اب بھی غم کا مارا کُتا
کر دیتا ہے دل کو پارہ پارہ کُتا
برسوں میں بھی جا کے ہم خدا کرے نہ ہو
دور و زبیں ہو گیا ہمارا کُتا

راستی فتنہ انگیز

ہمارے مکان میں کوئی صاحب کرایہ سے رہا کرتے تھے۔ دس مرتبہ تقاضوں کے بعد ایک مہینے کا کرایہ بمشکل دیا کرتے۔ اکثر دفعہ ماں کے حکم سے ہم کرایہ مانگنے جاتے وہ کبھی پیسہ دے کر ٹال دیتے کبھی مٹھائی سے منہ بند کر دیتے کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر نکال دیتے ایک دفعہ چھ مہینے کا کرایہ

چڑھ گیا تقاضے کے لئے جاتے آتے ہمارے پاؤں ٹوٹ گئے آخر والدہ نے کہا کہ کسی طرح کرایہ دار صاحب کو یہاں تک بلا لاؤ۔ ہم ننھے سے آدمی بڑے آدمی پر کیا زور چلا سکتے، جاتے اور پھر اپنا سا منہ لئے واپس آتے۔ آخر ایک دن تنگ آکر ان کو بُری طرح لپٹ گئے انہوں نے لاکھ ڈانٹا مگر ہم نے کسی طرح نہ مانا۔ ہاتھ پکڑ کر گھر تک لے ہی آئے، گھر میں جا کر والدہ کو اطلاع کی۔ والدہ نے پردے کی آڑ سے کہا کہ ہم کو خرچ کی بہت تکلیف ہو رہی ہے اگر آپ کرایہ ادا کر دیں تو ہم غریبوں پر بڑا احسان ہوگا۔ ابھی کرایہ دار صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ ہم بیچ میں بول اٹھے۔ ماں! کل ہی تو تم نے ہمارے سامنے صندوق میں روپے رکھے ہیں۔ والدہ نے شرما کر آہستہ سے ہم کو چٹکی لے لی۔

ہم تلملا کر چلا اٹھے۔ لو چٹکیاں بھی لیتی ہیں۔

خیر کرایہ دار صاحب تو کل پرسوں کا وعدہ کر کے چلتے ہوئے ادھر ہماری اس احمقانہ راست گوئی اور دخل درمعقولات پر خوب ہی مرمت کی گئی۔

ہر دم ہدف رنج و محن رہتی ہے ... بچاری ہزاروں ہی ستم سہتی ہے
ظالم بچوں کی فتنہ پردازی سے ... ماں بھی اک بار الاماں کہتی ہے

نقل کی اصل

ہم نے جب ابتدائً اس دنیا میں منہ کھول کر، ممم، ہپّیا، امّاں ابّا کہنا شروع کیا ہماری زبان "نہایت صاف"، لکنت وغیرہ کے داغ دھبّے سے بالکل پاک تھی، لیکن تسمیہ خوانی سے کچھ روز پہلے ایک فقیر ہمارے دروازہ پر آیا کرتا تھا جس کی زبان میں لکنت تھی۔ اس کے اٹک اٹک اور رُک رُک کر مانگنے پر ہم ہنستے ہنستے لوٹ جاتے اور تہایت شدومد سے اس کی نقل اتارا کرتے۔ آخر مَن ضحِک ضُحک۔ مذاق، واقعہ ہوگیا۔ دو چار مہینے فقیر کی لکیر پیٹتے پیٹتے، بیانی نہ سہی لیکن ہم بھی زبانی فقیر بن گئے۔ جو کام تکلّف سے کیا کرتے تھے اب بلا قصد و ارادہ ہونے لگا۔ آخر عمر بھر کے لئے الکن ہو گئے، معلوم ہوتا ہے کہ نقل میں بھی کچھ نہ کچھ اصلیت ہوا کرتی ہے۔

خونِ دل مشق روانی کر کے پانی ہوگیا ٭ خاطر جمع اپنی الجھن سے پریشاں ہوگئی
نقش باطل سے ہوا آخر حقیقت کا ظہور ٭ نقل کرتے کرتے اصلیت نمایاں ہوگئی

حماقت میں کرامت

ایک دفعہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گرمی کے موسم میں ہم باؤلی پر پہنچے۔ باؤلی میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ بیسیوں آدمی چھوٹے بڑے کود رہے تھے، تیر رہے تھے، نہا رہے تھے، غوطے لگا رہے

تھے۔ یہ تماشہ دیکھتے دیکھتے ہم کو بھی جوش آگیا۔ آپے سے باہر ہو کر کپڑے اتار دیئے۔ ہم سے قریب ایک صاحب بیراکی کے استاد بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے ان سے پوچھا کیا ہم بھی کود جائیں، انہوں نے یہ سمجھ کر کہ ہم تیرنا جانتے ہیں، اچھا کہہ دیا۔ ہم ماہر فن کی طرح دھم سے پانی میں کود گئے۔ کود کر ڈوب گئے، ڈوب کر پھر اُبھرے اُبھر کر پھر ڈوب گئے، پھر اُبھرے، پھر ڈوبنے ہی کو تھے کہ اُستاد صاحب نے دیکھ لیا۔ اتنا وقت کہاں تھا کہ کپڑے اتار سکتے۔ کپڑوں سمیت پانی میں کود کر ہم کو سنبھال لیا اور کنارے لاکر چھوڑ دیا۔ اور ہماری اس حماقت پر بہت لعنت ملامت کی۔ اس میں شک نہیں کہ حماقت ضرور ہوئی مگر اس تاریخ سے ہم کو تیرنا آگیا۔

رک نہیں سکتی کبھی چڑھنے سے یہ وہ بیل ہے

کھیل جانا جان پر بچوں کا ادنیٰ کھیل ہے

اقرارِ گناہ

ایک دفعہ ہم نے ماں کے گلے کا کوئی زیور، ماں سے چھپا کر ایک ساتھ کھیلنے والے دوست کو دے دیا۔ بزرگوار دوست لئے اور چلتے ہوئے۔ وہ گئے اور ہم کو عقل آئی۔ دینے کو دے تو دیا مگر ماں کے ڈر سے کانپ گئے۔ مار کے خوف سے شدّت سے بخار چڑھ گیا ماں گھبرا اٹھیں۔ ہم کو گلے لگا لگا کر رونے لگیں۔ ہمارے دھڑکتے ہوئے

دل نے فوراً آواز دی میاں امجد! معافی کا یہی وقت ہے، اقرارِ گناہ کا یہی بہترین موقع ہے۔ ہم نے فوراً ماں کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور مجرمانہ مایوس نگاہی کا اثر ڈالتے ہوئے آہستہ سے کہا... ماں تمہاری ایک چیز ہم نے فلاں دوست کو دے دی ہے۔ اب تم ہم سے خفا تو نہ ہوں گی؟...... اس وقت تو ان کی جان ہم سے لڑی ہوئی تھی۔ ہماری محبت کے آگے ہر چیز ناچیز تھی...... گلے لپٹا کر فرمانے لگیں"

میں واری، صدقے گئی چیز، قربان گیا زیور، دیدیا اچھا کیا، بس تم اچھے ہو جاؤ۔ بس تم اچھے ہو جاؤ۔ تم ہی میرے لئے بڑی دولت ہو"

نہ معلوم ماں کے یہ محبت بھرے فقرے تھے یا کوئی سریع الاثر دوا، دفعتہً سینے کا بوجھ اُتر گیا۔ بخار بھی آہستہ آہستہ ہلکا ہو گیا، تھوڑی ہی دیر میں اچھے خاصے ہو کر کھیلنے لگے۔

ماں اور اپنی ماں سے قصور معاف کرا لینا بچے کے لئے کتنی آسان بات ہے۔

پائیں گے نئی حیات مرنے والے ہو جائیں گے مطمئن یہ ڈرنے والے
امید ہے تو بھی بخش دیگا ہر جرم او ماں سے زیادہ پیار کرنے والے

آدھا ئیں آدھا ئیں

ہماری والدہ کو جو چیز بھی کھانے پینے کی کہیں مل جاتی ، ہمارے لئے اٹھا رکھتیں۔ ہم کو تو یاد نہیں کہ ہمارے وجود میں کوئی میوہ یا مٹھائی انہوں نے اپنی زبان پر رکھی ہو، جو کچھ بھی کہیں سے آتا یا خود خریدتیں سب ہماری نذر ہوتا۔ پیٹ تھا یا جہنم کی لپیٹ ، ہزار ایندھن جھونکتے جاؤ، ہل امتلئت پوچھنے پر ؟ ہل من مزید ہی پکارا کرتا ہے اگر ماں کبھی کبھی اپنے دئے ہوئے میوے یا مٹھائی سے کچھ طلب کرتیں تو صاف انکار کر جاتے اور اپنے دینے والے کو بھول کر مالکانہ قبضہ جما بیٹھتے۔ اگر والدہ بہت ہی تنگ کرتیں تو مجبوراً تقسیم پر آمادہ ہو جاتے مگر وہ بھی عجیب طریقے سے ماں سے کہتے اچھا تھیلو (ٹھیرو) آدھا ئیں آدھا ئیں۔ مقصود تو یہ تھا کہ آدھا تم لو اور آدھا میں لوں ، لیکن چونکہ عالم وحدت میں غیر کا وجود نہیں ہو سکتا۔ بزم یکتائی میں دوئی نہیں سما سکتی۔ لا الہ الا اللہ

یا اس لئے کہ اس دوسرے نصف کا فائدہ بھی اپنی ہی طرف عائد ہوتا ہے ان احسنتم احسنتم لانفسکم

ہم اپنے مخاطب تم کو بھی ئیں ہی تعبیر کرکے، آدھا ئیں آدھا ئیں کہا کرتے

ماں کہتیں آدھا ئیں آدھا ئیں کیا کہتے ہو، سارا ئیں ہی کیوں

نہ کھولے لو، دونوں حصّے تم ہی لے لو۔ تمہارے حصّے تمہیں کو مبارک ہوں، اللہ اللہ یہ تماشا بھی قابل غور ہے کہ جب ہم اپنے سینے پر پتھر کی سل رکھ کر اپنی مرغوب ترین چیز بجبر و اکراہ دینے پر راضی ہو جاتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے لے لو تمہارے حصّے تمہیں کو مبارک ہوں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر فلما اسلما وتله للجبین ناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرويا انا كذلك نجزي المحسنين

اجمال کی پھر بعد کو ہو گی تفصیل
گردن تو جھکا دے صورت اسمٰعیل

تیسرا نوشتہ

تعلیمِ امجد

عالم نما امی ، شریر جمعہ ، سپوت بیٹا ، دراز رسّی
شرِ قلیل خیر کثیر ، ہم سبق بکری ، رہنما مکّھی ، وقت کی بات ،

علم انسانی

یارب رہِ مستقیم معلوم نہیں
حادث کو ادائے قدیم معلوم نہیں
سبحانک لاعلم لنا پڑھتا ہوں
کچھ بھی مجھے اے علیم معلوم نہیں

رباعیات امجد

تعلیم امجد

چالیس دن کے یتیم بچے کو پالنے پوسنے تعلیم دلانے میں ایک بے کس، بے یار و مددگار بیوہ نے جو مصیبتیں اُٹھائیں ناقابل بیان ہیں۔

بارہا ایسا ہوا کہ بچے کو تمام تمام دن کھانا نہ ملا بھوکا ہی مدرسے چلا گیا۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ اُستاد صاحب نے مار مار کر لکڑی کے ساتھ بچے کی ہڈیاں تک توڑ دیں۔ سر پھٹ گیا۔ چہرے پر خون کی چادر اُتر آئی ماں اپنے اکلوتے لال کا یہ حال آنکھوں سے دیکھ رہی ہے، اندر ہی اندر خون کے گھونٹ پی رہی ہے مگر کیا مجال، اُف تو کر لے، کہے بھی تو کس سے؟ اُستاد حسبۃً للہ پڑھاتے ہیں اُنہوں نے کچھ کہا نہیں اُنہوں نے جھڑک دیا نہیں، مجبور ہر طرح مجبور۔

اونٹنی کا بچہ اپنی تیز رو ماں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک کر پکارتا ہے، اے ماں ذرا تو آہستہ چل۔

ماں کہتی ہے، بیٹا کیا کروں، میں خود بھی مجبور ہوں۔

دل من گرچہ بہ تو مہربان است　　زمام من بدست ساربان است

ایک دفعہ دونوں پاؤں میں رسی باندھ کر چھت کی کڑیوں میں اُلٹے لٹکائے گئے۔ موٹی موٹی رسیوں سے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ ہمارے مُنہ سے کف جاری ہو گیا۔ اُلٹا لٹکا ہُوا جسم بے حس ہو کر بالکل ہی

لٹک گیا۔

مارنے والوں کو مرنے والے کی کیا خبر لا یعصُون من امر اللہ برابر اپنے کام میں لگے ہوئے لگاتار مارے جاتے تھے۔

مزہ تو یہ ہے کہ دار و رسن کا یہ پُرلطف تماشا ہماری والدہ کے سامنے ہی ہو رہا تھا۔ ہم تو پہلے ہی حملے میں آنکھیں بند کر کے عالم بیخودی میں خدا تک پہنچ چکے تھے۔

اب جو کچھ بھی رحمت برس رہی تھی وہ اسی کھلی آنکھوں سے دیکھنے والی کا حِصّہ تھی۔

یک دیدہ بصیر بود و یک دیدۂ کور   یک مُردہ بگور بود و زندہ بگور

اگرچہ ہماری والدہ کے عزیز و اقارب سب مَر چکے تھے، شوہر کا سایہ بھی سر پر باقی نہ رہا تھا، سب بچے جا کر ہم اکیلے رہ گئے تھے مگر نہ معلوم، ہماری اس امّی ماں میں تعلیم کا شوق کہاں سے اور کس طرح پیدا ہو گیا تھا کہ ہم سے بارہا فرماتیں،

"بیٹا اگر جینا ہو تو کچھ ہو کر جیو، ورنہ بہتر یہی ہے کہ مر جاؤ"۔

ماں علم کی دلدادہ، ہم کھیل پر آمادہ۔ اُن کو علم سے محبّت ہم کو پڑھنے سے وحشت۔ ہم دو حرف بھی پڑھ لیتے تو ماں یہ سمجھتیں کہ بڑی دولت حاصل ہو گئی۔ ہم جس قدر کھیل لیتے سمجھتے کہ زندگی کا مقصود حاصل ہو گیا۔

کسی پر سایۂ شیطاں کسی پر ظلِّ رحماں تھا   کوئی عاجل کا دلدادہ کوئی آجل کا خواہاں تھا

ہماری اعلیٰ قابلیت

ایک دفعہ محرم کے مہینے میں ہم اپنی والدہ کو شہادت نامۂ امام حسین رضؓ پڑھ کر سنا رہے تھے، پڑھتے پڑھتے یہ شعر بھی آگیا۔

وہ جان اپنی دے کے رہ حق میں جی گئے
ندی پہ جا کے جام شہادت کا پی گئے

ماں نے پوچھا بیٹا! ندی پہ جا کے جام شہادت پینے کا کیا مطلب ہے؟
ہم نے بلا تکلف اپنی اعلیٰ قابلیت کے تحت اس طرح تشریح کر دی کہ
حضرت حسین رضؓ تین دن کے پیاسے تھے۔ ظالموں نے ان کو ندی کا پانی لینے اور پینے سے روک دیا۔ ندی کے کنارے ایک جام (امرود) کا درخت لگا تھا، جس کے تھالے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ امام نے پیاس کی شدت میں اُسی تھالے کا پانی پی لیا۔۔۔ واہ رے ہم اور ہماری قابلیت۔

واہ ری تفہیم، کیوں کیسی کہی
لیجئے تسلیم کیوں کیسی کہی

گر چنین ست روشنیٔ خرد — صبح ما ہمچو شام خواہد شُد
گر ہمیں مکتب ست و ایں مُلّا — کار طفلاں تمام خواہد شد

عالِم نما امّی

رات جب کبھی ہم پڑھنے کے لیئے بٹھائے جاتے دو چار منٹ کچھ منھ ہی منھ میں بڑبڑا کر کتاب بند کر جھٹ پٹ اُٹھ کھڑے ہوتے والدہ نے روزانہ یہی کیفیت دیکھ کر کہا، یوں نہیں، تم میرے سامنے پڑھا کرو، کتاب کی ہر سطر پر اُنگلی رکھتی جاتی تھیں۔ جب ہم ایک سطر ختم کر لیتے تو نہ معلوم کس طرح دوسری سطر پر اُنگلی رکھ دیتیں، ہم سمجھتے کہ یہ پڑھنا جانتی ہیں۔ اس خوف سے بغیر کسی تغلّب و تصرّف کے ایمانداری کے ساتھ برابر پڑھا کرتے۔ بہت دنوں میں جا کر جب یہ راز کھلا ماں پڑھنا لکھنا کچھ بھی نہیں جانتی ہیں محض امی ہیں تو ہم کو اپنی اوقات ضائع ہونے پر بہت افسوس ہوا۔ لکھنے پڑھنے کی جگہ اتنا وقت بھی کھیل کود میں صرف ہو جاتا تو دنیوی زندگی کے معنی صحیح ہو جاتے

انما الحیوۃ الدّنیا لعبٌ و لھو

جو کفر سے شرمائے وہ ایماں نہیں ہم
جو وقت کے بعد ہو وہ عرفاں نہیں ہم

پچھتاتے نہیں لوگ، برائی کر کے
حیرت ہے کہ نیکی سے پشیماں ہیں ہم

شرِ جُمعہ

ہم کو خوب یاد ہے کہ جمعہ کے دن بارہ بجے تک ہم بہت ہنسی خوشی سے کھیلتے رہتے۔ لیکن جوں جوں دن ڈھلتا جاتا تھا، ہفتہ کے

خوف سے ہمارا دل دہلتا جاتا تھا۔ ہم ماں سے کہتے۔ دیکھو، ماں! جمعہ چلا جا رہا ہے۔ ماں کہتیں، بیٹا! اس کو چکی کے کھونٹے سے باندھ رکھو کہ بھاگ نہ سکے۔ ہم عقلمند رسی سے کھونٹے کو اس زور سے کستے کہ ہتیلیاں چھل جاتیں مگر ہماری طرح پڑھنے سے بھاگنے والا شریر جمعہ ہماری رسی توڑ کر بھی نکل جاتا تھا۔

پھر ہم مایوسی سے کہتے۔ . . . . . ماں جمعہ تو چلا ہی جا رہا ہے،

ہنس کر فرماتیں تم نے مضبوط نہ باندھا ہوگا۔

جو پیڑ کہ خشک ہو گیا جھک نہ سکا ۔۔۔ بے درد کا دل آگ میں بھی پھٹ نہ سکا
جانے والا کسی طرح رک نہ سکا ۔۔۔ اپنی سی ہزار کوششیں کیں لیکن

سپوت بیٹا

ہماری تسمیہ خوانی میں ہمارے لئے لال مخمل کی ایک شیروانی بنائی گئی مگر والدہ اس کے پہننے کی بہت کم اجازت دیا کرتیں۔

ہم جب کہیں باہر جاتے شیروانی پہننے کا تقاضہ کرتے، ماں کہتیں اب نہیں پھر کبھی۔

ایک دن سپوت بیٹے نے جل کر کہہ دیا۔ . . . . ماں! تم مرجاؤ

"بیٹا! کیوں؟

تاکہ ہم مخمل کی شیروانی جی بھر پہن سکیں۔

ماں: "میرے لال، شیروانی پہننے والے لال! میں آج نہ سہی کل مرجاؤں گی

خدا کرے تم زندہ اور آباد رہو۔

ہم کھینچتے ہیں وہ گلے لگا لیتے ہیں ہم روٹھتے ہیں تو وہ منا لیتے ہیں

اچھا ردّ عمل ہے سبحان اللہ گالی دیتے ہیں اور دعا لیتے ہیں

ایک دن یہی یاد ! ور کوئی شیروانی پہنے ہم بازار گئے کسی بدمعاش نے بازار سے الگ لے جاکر مٹھائی ہاتھ میں رکھ شیروانی اُتار لی، ہم اسی طرح مٹھائی لئے گھر پہنچے۔

ماں پوچھتی ہیں، بیٹا ! شیروانی کیا کی ؟

ہم کہتے ہیں دیکھو ماں، میں مٹھائی لایا ہوں مگر تم کو دونگا نہیں، یہ سنکر ماں غصّے کی جگہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں اضحك الله سنها في الآخرة

کل بکھرینگی پتیاں بکھر جائیں اس وقت کلی تو کھل گئی ہے

ایمان اگر گیا، بلا سے ہم کو دنیا تو مل گئی ہے

درازرسّی

فقیر دروازے پر آتا ہم کو پیسہ دیا جاتا کہ جاؤ دے آو، ہم پیسہ سمیت رفو چکر ہو جاتے آخر کئی پیسے کھو کر یہ بات ہاتھ آئی کہ ہمارے پاؤں میں ایک لمبی رسّی باندھ دی گئی، جہاں جاؤ اسی رسی کے ساتھ جاؤ جہاں بھی رہو اسی حبل المتین کے ساتھ رہو۔

رشتۂ درپائے من افگندہ دوست چوں رسد از دوست، ہر چیز نکوست

شرِّ قلیل خیرِ کثیر

ایک مرتبہ سردی کے موسم میں اُستاد صاحب اپنے گھر کے کوٹھے پر دھوپ سینکتے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے ہم بھی کوٹھے پر جا پہنچے، اُستاد صاحب نے صورت دیکھتے ہی اپنی استادانہ شفقت سے ارشاد فرمایا، کمبخت پڑھنے کے لئے تو دم نکلا جاتا ہے مگر کوٹھے پر بہت شوق سے چڑھتا ہے۔ یہ سُننا تھا کہ ہم دَھم سے کوٹھے سے نیچے کود پڑے۔

این دیوانہ سنگ ہزار من بردارد وطاقتِ یک سخن نمی آرد،

کودنے کو تو کود گئے مگر گرتے ہی غش آگیا، پُتلیاں پھر گئیں، ہماری طرح تھوڑی دیر کے لئے اُستاد صاحب کے حواس بھی غائب ہو گئے ہماری بیہوشی سے مولانا کو ہوش آگیا، اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ آئندہ مارپیٹ میں کسی قدر کمی ہو گئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک، شرِّ قلیل خیرِ کثیر کا سبب ہو گیا۔

جب تک ہے خودی خدا نہیں مل سکتا — خود کو گُم کر دو، کچھ اگر پانا ہے
اُٹھے ہوئے فتنے دم میں دب جاتے ہیں — اک مرتبہ بس جان سے اُٹھ جانا ہے

ہم سبق بکری

ہم ایک مرتبہ اُستاد صاحب کے گھر میں، کتاب کھلی چھوڑ کر پانی پینے اٹھے۔ نہ معلوم بندھی ہوئی بکری کس طرح کھُل گئی۔ کھلنے کے ساتھ ہی

ٹھیک ہماری کتاب پر آپڑی، تعویذ کی طرح دھو کر تو نہیں پیا مگر پوری کتاب چبا کر کھا گئی۔ اب بازار سے نئی کتاب آنے تک دو چار دن کے لیے پڑھنے سے چھٹی مل گئی۔ ہم کو بھی ڈھب ہاتھ آگیا۔ جب کتاب سے جی اُکتا جاتا موقع پا کر بکری کو کھول دیتے جو کتاب ہم سے برسوں میں ختم نہ ہو سکتی وہ مُنہ اخفش کی خالہ رواں رواں دو منٹ میں چاٹ جاتی۔ عجیب نہیں کہ وہ بکری ہماری بہت سی کتابیں چاٹ کر معلم گوسفندان ہو گئی ہو۔

صد مرتبہ بر خواندم یک حرف نفہمیدم — ایں دفتر بے معنی خوراکِ غنم اولیٰ
بگذشت ہمہ عمرم حاصل نشدم حاصل — زیں طرز وجود امجد صد بار عدم اولیٰ

رہنما مکھی

پڑھنے سے بچنے کے لئے ہم کبھی بخار کا بہانہ کرتے، کبھی درد سر کا، کبھی پیٹ کے درد کا۔ مگر ہماری کٹھن ماں کے آگے یہ تمام غیر مادی حیلے بہانے ناقابلِ قبول ٹھہرتے، کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر کبھی سمجھا منا کر کسی نہ کسی طرح پڑھنے کے لئے بھیج ہی دیا کرتیں، ہم بھی اس مادے میں کوئی مادی شہادت تلاش کیا کرتے مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی آخر ایک دن ہم سے اشرف المخلوقات کی ایک ذلیل مکھی نے رہنمائی کی، یعنی نوالے کے ساتھ پیٹ میں چلی گئی، فوراً قے ہو گئی، والدہ نے اس دن جانے سے خود ہی روک دیا، اللہ اللہ پتھر بھی پسیج گیا۔

ہم کو بھی ایک بات ہاتھ آگئی، جس دن جانے کو جی نہ چاہتا تیس مار رحاں ایک آدھ مکھی مار کھا جاتے، ساتھ ہی قے ہو جاتی، پڑھنے سے چھٹی مل جاتی۔

گو اشرف کائنات تھے ہم — پر ایک مکھی نے وُہ دکھائی
حق تو یہ ہے کہ میرے رب نے — باطل کوئی شئے نہیں بنائی

غرض اسی طرح جان چُرا چُرا کر مار کھا کھا کر، خانگی طور پر قرآن مجید اور اردو کی دو ایک کتابیں اُلٹی سیدھی ختم کر لیں۔

یہ تو خانگی تعلیم کے افسانے تھے، جب مدرسے میں شریک ہوئے ان حیلے بہانوں کی چنداں ضرورت نہ پڑی۔ کتابوں کا بستہ بغل میں دبا کر شوقین بچے کی طرح وقت سے پہلے گھر سے نکل جاتے، بستہ کسی گڑھے یا پہاڑ کے کھوہ میں چھپا کر اطمینان سے باغوں اور جنگلوں کی سیر کیا کرتے اور پھر عصر کے وقت تک اسی طرح بستہ بغل میں لئے ہوئے گھر واپس آجاتے چہرہ اُترا ہوا گردیں آٹے ہوئے، ماں سمجھتیں بچہ پڑھ کر محنت کر کے مدرسہ سے آرہا ہے۔ ایک مرتبہ دیر سے گھر آنے پر ماں نے پوچھا بھی کہ اب تک کہاں گئے تھے، ہم نے صفائی سے کہہ دیا کہ کھیلنے گئے تھے مگر اُنہوں نے ہماری جھوٹ بات کو سچ سمجھا۔ پھر بہت دنوں تک پوچھا بھی نہیں۔ کیوں کہ ہم اب بڑے آدمی ہو گئے تھے

وقت کی بات

آخر ایک دن ان کو ہماری آوارہ گردی کا پتہ چل ہی گیا۔ ہم کو تو کچھ کہا نہیں، خود ہی خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ مارپیٹ سے بھی ہاتھ اُٹھا لیا البتہ وہی ہاتھ دُعا کے لئے ہمیشہ اٹھے رہتے۔ ہم کو دیکھا کرتیں اور کُڑھا کرتیں۔ ایک روز ہمارے دروازے کے سامنے سے کہاروں کے کندھوں پر پالکی میں کوئی امیر سوار جا رہے تھے۔ پالکی پکڑے ہوئے ایک آدمی بھی ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ والدہ نے ہم کو بُلا کر دِکھایا اور کہا "دیکھو اور اچھی طرح دیکھو، ایک آدمی پالکی میں سوار ہے۔ ایک آدمی پیدل پاؤں پالکی کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا ہے۔ بتاؤ ان دونوں میں تم کو کس کی زندگی پسند ہے۔ ہم نے کہا پالکی سوار کی"...... کہا ایسی زندگی تو بغیر علم کے کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی، اگر نہ پڑھو گے تو تم کو بھی اس دوسرے آدمی کی طرح پالکی کے ساتھ ساتھ دوڑنا پڑے گا۔ اب جو صورت چاہو اختیار کر لو انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا وقت کی بات گفتگو کا اثر اس پیش پا مثال سے ہم بہت سہم گئے اور آئندہ کھیلنے سے تو؛ کر کے پڑھنے لکھنے کا عہد کر لیا۔

دل پہ لگی جا کے منتوڑے کی طرح
کہنے کو ظاہر میں وہ اک بات تھی

کر دیا دم بھر میں اِدھر سے اُدھر
بات تھی یا کوئی کرامات تھی

(۲)

کلمۂ توحید بھی اک بات تھی
خلق کو جو زیر و زبر کر گئی

رکھ دیا سرکش نے بھی سجدے میں سر
بات تھی سچ، دل میں اثر کر گئی

چوتھا نوشتہ

چند واقعات

مُردہ زندہ کُش ، شدّت احتیاج ، استعانت بالصبر والصلوٰۃ ، محبت مادری ، سرِ دوستاں سلامت ، گردشِ پرکار ، بھینس سے گاؤ زوری ، فراست المومن

مرقع عبرت

دیکھو کیا کیا نوشتۂ قدرت ہے
عالم ہے کہ اک عالم حیرت ہے
دیکھو نظرِ غور سے اے اہلِ نظر
ہر واقعہ اک مرقعِ عبرت ہے

رباعیات امجد

مردہ زندہ کُش

ہم ایک دفعہ نماز عشاء کے بعد اپنے ایک دوست کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ایک صاحب تشریف لائے۔ کچھ دیر تو اِدھر اُدھر مسجد میں منڈلاتے رہے، پھر ہمارے پاس آکر ہم سے کہا ہم کو حافظوں کی ضرورت ہے، اس وقت کوئی حافظ نہیں مل رہا ہے، اگر تم دونوں آدمی قرآن پڑھ سکتے ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔ رات بھر قرآن پڑھنا ہوگا۔ صبح کو فی کس ایک روپیہ دیا جائے گا۔ اللہ اکبر ایک روپیہ! پورا ایک روپیہ جو اس تیرہ سال کی عمر میں کبھی بھی ہمارا نہ ہوا تھا، صبح ہونے پر بلا شرکت احدے ہمارے ہاتھ میں آجانے کی امیدیں، ہم نے اچھا کہہ دیا اور ہم دونوں گھر سے قرآن لے کسی کو کہے سُنے بغیر اندھیری رات میں کالے مُنہ والے[1] بن کران کے ساتھ ہو گئے۔ دو چار لمبی پتلی پیچ در پیچ گلیاں ختم کرکے اپنے رہبر کے مکان تک پہنچ گئے۔ مکان ہنود کے مرگھٹ کی طرح ندی کے کنارے ایک سنسان حصے میں واقع تھا۔

ہم دونوں قرآن بغل میں دبائے ایک روپیہ کی خواہش دل میں لئے مکان میں داخل ہوئے۔ گھر میں قدم رکھتے ہی پہلے پہل دالان کے وسط

---

[1] میرے ایک حافظ دوست کہتے تھے کہ بعض عورتیں نحوست کی وجہ سے حافظوں کو جو مردے کے سرہانے قرآن پڑھتے ہیں کالے مُنہ والے کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ خود ان کو بھی اسی خطاب سے سرفراز فرمایا گیا تھا۔

میں سپید چادر اُڑھائے ہوئے مُردے پر نظر پڑی جس کے اِرد گرد دو چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے ہم بھی انہیں کے قریب بیٹھکر غالباً بغیر وضو کے قرآن پڑھنے لگے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا رفیقان مردہ بصورت زندہ ایک ایک کرکے اُٹھ گئے۔ آدھی رات تک میدان بالکل خالی ہوگیا دو ہم مصحف باغوش تھے۔ تیسرے مردۂ کفن پوش۔ مٹی کے تیل کا ایک چراغ بھی ہماری شمع زندگی کی طرح جھلملا رہا تھا، ہوا کے جھونکوں سے اب بجھا کہ جب بجھا۔

ہم دونوں جان مٹھی میں لئے ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے آنے والی صبح کی امید میں رات بسر کر رہے تھے ملنے والے روپے کی آس میں نقد جان سے ہاتھ دھو رہے تھے۔ یکایک ہمارے ساتھی دوست نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ہم کو ٹھوکا دیا، مردے پر نظر پڑی۔ سپید چادر میں کلبلاہٹ معلوم ہوئی۔ اب اُٹھ بیٹھنے کا یقین نہ ہونے میں کیا امر مانع تھا۔ بیوفا روح تن سے الگ ہوکر کھڑی ہوگئی نہ گلے میں چلانے کی سکت، نہ پاؤں میں بھاگنے کی طاقت آنکھیں ہیں کہ مُردے پر جمی ہوئی ہیں ہٹنے کا نام نہیں لیتیں۔ گویا کسی نے تارِ نظر کو فولادی تار سے کس دیا ہے۔ ہمارے ساتھی دوست تھرتھر کانپ رہے ہیں، پتھر کی مورتی کی طرح جمے ہوئے ہیں۔

لو شمع کی روشنی میں کالا نکلا ظلمت میں کفن پوش اُجالا نکلا
ہم مردہ سمجھ رہے تھے جس کو اب تک وہ زندوں کی جان لینے والا نکلا

حرص الدنیا عذاب الآخرہ۔ آخر یہ سکرات کی حالت کب تک قائم رہ سکتی، موت یا زندگی دونوں میں سے ایک صورت ضرور تھی، مردہ زندہ ہوکر کھڑا ہو جاتا یا ہم مردوں میں شریک ہو جاتے۔ ہم نے بڑی ہمت سے کام لے کر قرآن کو تو زمین پر رکھ دیا اور اسی طرح مردے پر ٹکٹکی جمائے بیٹھے ہی بیٹھے آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف کھسکنے لگے، اس عجب رفتار سے دالان کی مسافت طے کر کے سیڑھیوں تک پہنچ گئے اب کھڑے ہوئے بغیر چارہ نہ تھا مجبوراً لرزتے۔ کپکپاتے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی طرح پیچھے کی طرف ایک ایک قدم رکھتے سیڑھیوں کا ہفتخواں بھی سر کر کے کھلے صحن میں پہنچ گئے۔

پھر اسی طرح صحن کی دشوار گزار منزل طے کر کے دروازے تک پہنچ گئے۔

ہماری خوش قسمتی سے دروازے کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ اسی رجعت قہقہری کی شان میں باہر قدم رکھا، دروازے سے باہر ہوتے ہی پھر جو بھاگے سیدھے گھر پہنچکر ہی دم لیا اور کئی دن تک بخار میں پل ہلاتے پڑے رہے۔

دولت کی ہوس میں اے امجد — دریا میں لگائے تھے غوطے
خود پڑ گئی جان مصیبت میں — موتی بھی گیا مرجاں بھی گیا
قرآن پڑھے چھ گھنٹے تک — صرف ایک روپے کی خواہش میں
افسوس نہ پائی اک پائی — قرآن بھی گیا ایماں بھی گیا

شدّتِ احتیاج

ہم سے فقیر کا گھر ایک بڑے امیر کے جوار میں واقع تھا، امیر صاحب نے حقِ ہمسائگی کے تحت اپنے مکان کی توسیع میں ہمارا جھونپڑا بھی لے لیا تھا جس کے معاوضہ میں دو روپے مہینہ خیرات کی طرح دیا کرتے تھے ہر ختم ماہ کے بعد، دس پانچ مرتبہ در دولت پر حاضر ہو کر دس پانچ سلام جُھک جُھک کر بجا لانے پر دو روپے مِلا کرتے، ہم کو اپنی اس ذلّت اور ان کی بیجا تمکنت پر سخت رنج ہوتا تھا۔

کئی دفعہ ہم نے ماں سے کہا بھی کہ ماں! دو روپے کے لئے اس قدر ذلّت اور بے شرمی گوارا نہیں کی جا سکتی۔ ماں کہتیں بیٹا! تم کیا جانو اس تنگ دستی میں یہ دو روپے ہمارے لئے دو اشرفیاں ہیں۔ جب خدا تم کو کمانے کے قابل بنائے، چھوڑ دینا۔

یاد رکھو تم بھی جب کسی کو دینے کے قابل ہو جاؤ تو اس طرح پھرا پھرا کر نہ دینا۔

کسی نے لقمان سے پوچھا، تم نے ادب کس سے سیکھا۔ کہا بے ادبوں سے یعنی ان کی جو بات مجھے ناپسند معلوم ہوئی میں نے اسے ترک کر دیا۔

استعانت بالصبر والصلوٰۃ

ایک دفعہ برسات کی کثرت سے ہمارے جھونپڑے کی دیوار گر پڑی ہم نے اپنے علاقے کی افتادہ زمین سے مٹی کھدوا کر دیوار درست کر لی۔ ہماری اُفتادہ زمین اُنہیں امیر کی زمین سے ملحق تھی، کسی نے جا کر لگا دیا کہ رحیم علی کے لڑکے نے مٹی کھود کھود کر آپ کی زمین میں گڑھا ڈال دیا ہے۔ فوراً ہماری طلبی ہوئی۔ ہم گئے اور مجرم کی طرح پیش ہوئے۔

گڑھا کھودنے کی پاداش میں، امیر صاحب نے ہمارے باپ دادا کی گڑی ہوئی ہڈیاں اُکھاڑ کر رکھ دیں۔ لال پیلے ہو کر لگاتار گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

ہم آنکھیں نیچی کئے خاموشی سے کھڑے سنتے رہے کیا مجال کہ اُف تو کر لیں۔ سیدنا علیؓ کا وہ قول ہمارے مناسب حال تھا کہ جب کوئی اپنے حسن گویائی پر ناز کرے تو تم اپنے حسن خاموشی پر ناز کرو۔

گالیوں کے نشتر کانوں سے ہوتے ہوئے دِل میں اُتر گئے۔ پیمانۂ صبر چھلک گیا بے ساختہ جی بھر آیا آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپکنے لگے کان سُن رہے تھے آنکھیں سر دھن رہی تھیں آخری خطاب "جانا لایق" پر عتاب کا خاتمہ ہوا۔ رمضان کے مہینے میں روزہ دار، یتیم کمسن بچہ گالیوں سے پیٹ بھر کے واپس ہوا۔ واپس ہوتے ہی سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ راستہ میں

مسجد مل گئی۔ فوراً مسجد میں جا سجدے میں گر کر روئے اور خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے، جب دل کا بخار اچھی طرح نکل چکا اور رو دھو کر جی ہلکا ہو گیا، گھر واپس ہوئے، والدہ کو بھی اس واقعہ سے بے خبر ہی رکھا۔ دوسرے دن خبر سنی کہ ہم کو گالیاں دینے والے ممدوح الصدر اس وقت سے اب تک ہر ایک کو برابر گالیاں دے رہے ہیں۔ جسم کی مشین کا چلنا ہوا پرزہ (زبان) کسی طرح رکتا ہی نہیں۔ کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم کہتا ہوا چل رہا ہے اور بلا اختیار چل رہا ہے، ہوتے ہوتے دو چار دن میں جنون کی حد تک نوبت پہنچ گئی۔ اچھا خاصہ تندرست انسان یکایک مخبوط اور بالکل مجنوں ہو گیا۔

اے ستمگر از خدایت باک نیست — مردم آزاری کم از اشراک نیست
عرش و فرش از آہ مادر زار نیست — بندہ آزاری خدا آزار نیست
زانتقام ار دست تو بر بستہ اند — نیست غم گر بال و پر بشکستہ اند
قوت غیبی اعانت میکند — ذاتِ حق مارا حمایت می کند
شاد باش اے جان غمگیں شاد باش — اے اسیر بندِ غم آزاد باش

غم مخور اے امجد از غم خوارئے
یاری حق ست اندر زارئے

محبّتِ مادری

درایامِ جوانی چنانکہ افتد دانی۔ اس عمر میں دوست احباب بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ نئے نئے تماشے نئی نئی دلچسپیاں، انسان کو نہ گھر کا رکھتی ہیں نہ گھاٹ کا، پھر ہم سے بیوہ ماں کے یتیم لڑکے کو اس کلیے سے مستثنیٰ ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ دوستوں میں پھنسے اور بُرے پھنسے دن ہے تو دوست ہیں رات ہے تو دوست ہیں۔ رہنا دوستوں میں، سونا دوستوں میں۔ اس اثناء میں رمضان کا مہینہ آگیا، ہم کو اپنی آوارہ گردی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ گھر جاتے اور سحری کرتے۔ بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا کرتے۔ ماں ہماری اس حرکت سے کڑھا کرتیں۔ جب گھر میں آتے کہا کرتیں بیٹا سحری تو کر لیا کرو۔ دیکھو میری آنکھوں سے دیکھو۔ بے سحری کے روزوں سے تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے شریف بیٹے کے سر پہ تو دوانی جوانی کا بھوت سوار تھا۔ محبّت کی دیوانی کی کیا قدر کر سکتا، ڈانٹ ڈپٹ کر زمین پر پاؤں پٹکتا ہوا باہر چلا جاتا۔ غریب ماں منہ دیکھتی ہی رہ جاتی، ہماری اس حرکت پر آتشِ دوزخ کے شُعلے ہاتھ بڑھا بڑھا کر آفریں آفریں کہتے۔

ایک رات حسبِ عادت دوستوں کے ساتھ گلیوں سڑکوں کی خاک چھان کر، بارہ بجے رات کو سونے کے لئے دوست کے گھر پہنچے اور بستر پہ پڑتے ہی سو گئے۔ گہری نیند میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ خدا کی قدرت! سب میں ہم ہی گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ

کھولا، دروازہ کھول کر دیکھا کہ کوئی سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹا ہوا کھڑا ہے پہلے تو اس ہیئت کذائی سے ہم ڈر گئے، مگر پھر بڑی ہمت کر کے پوچھا، کون؟ .... آواز آئی بیٹا تمہارے لئے سحری کا کھانا لائی ہوں،" اندھیری رات، دو بجے کا وقت۔ ڈیڑھ دو فرلانگ سے یکہ و تنہا ماں کا کھانا لیکر آنا ایسا واقعہ تھا جس نے ہمارے سینے میں دو دھاری خنجر بھونک دیا، تڑپ کر قدموں پر گر پڑے، ماں نے اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا۔ ماں بیٹے ملکر روئے اور خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے، کھانا لے کر رکھ لیا۔ گھر تک جا کر ماں کو پہنچا آئے اور آئندہ سے بغیر کہنے سننے کے سحری کے وقت برابر جانے لگے بات تیری کی۔

مجھے تو کسی کی محبت نے مارا عداوت سے سب مرنا جانتے نہیں
کہ خود مجھ کو میری حماقت نے مارا کرو تم نہ تکلیف اے عقل والو

اے محبت و شفقت کی دیوی! اے رحمت و ربوبیت کی مظہر! اے مادر مبارک فال! اے زمیں پر آسمانی باپ کی مثال!

اے میری مرتبہ میں کیا دوں تجھکو؟ دل دوں، یا جان یا دعا دوں تجھکو؟

اگر کہوں کہ خدا تجھ پر رحمت نازل کرے تو تو خود مظہر رحمت ہے، اگر کہوں کہ خدا تجھے جنت نصیب کرے تو جنت تو تیرے قدموں میں ہے۔ اے میری دعاؤں سے ارفع و اعلیٰ ہیں خود تیری دعاؤں کا محتاج ہوں خدا کی قسم اس مادی دنیا میں تیری آغوش محبت، رحمت رب العزت کا بہترین نمونہ ہے اور تیرا دامن عاطفت تمام مسرتوں اور راحتوں کا خزینہ

مری پیار کرنے والی، میری غمگسار اماں
مری جاں نثار تجھ پہ، مری جاں نثار اماں

وہ ترا وظیفہ ہر دم، مرے لعل، میرے بچے
وہ پکارنا کسی کا تجھے بار بار اماں

نہ کے ظلِ عاطفت میں مری کس مزے سے گزری
تو رہی ہر ایک دکھ میں مری چارہ کار اماں

ترا دودھ دوڑتا ہے مرے تن میں خون بنکر
مری جان و زندگی ہے تری یادگار اماں

ترا ایک حق خدمت نہ کبھی ادا ہو مجھ سے
کروں گرچہ جان صدقے میں ہزار بار اماں

ترے قدموں کی قسم ہے کہ نہ جاؤنگا ارم میں
ترے قدموں کے تلے ہو جو مرا مزار اماں

تو وہی ہے میری مادر، میں وہی ہوں تیرا امجد
مجھے پھر گلے لگا کر کبھی کر لے پیار اماں

سرِ دوستاں سلامت

ایک دفعہ چاندنی رات میں ہم اپنے ایک محترم دوست کے ساتھ کسی غیر محلے میں، بیچ سڑک میں کھڑے ہوئے چاندنی کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ہم دونوں کے ساتھ ایک تیسرے صاحب بھی، ہماری تضمین کے ساتھ اپنی اونچی اور سُریلی آواز میں عراقی کا یہ شعر گا رہے تھے۔

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

رات کے سناٹے میں دور دور تک آواز پہنچ رہی تھی مصرعہ ثانی مکرر ہو ہو کر قندِ مکرر کا مزہ دے رہا تھا۔ سرِ دوستاں سلامت پر سر ہل رہے تھے۔ دلوں پر وجد و سرور کی کیفیت طاری تھی، عالمِ محویت میں کھڑے جھوم رہے تھے کہ . . . . اچانک ہماری بازو والی

گلی سے ایک شخص قوی ہیکل بدمست ، دو گز بلند قامت ، ڈیڑھ گز کی لمبی اور سیدھی ننگی تلوار علم کئے ہوئے نہایت غیظ و غضب میں بکتے جھکتے گالیاں دیتے برآمد ہوا اور برہنہ تلوار ٹھیک ہمارے سروں پر تول کر کھڑا ہو گیا

خیریت گزری کہ چاندنی اور کھلی چاندنی تھی جس کی روشنی میں صاعقہ کردار تلوار کی چمک کا برق الخاطف فوراً نظر آگئی ، تھوڑی دیر کے لئے تو آنکھیں جھپک گئیں ۔ سمجھ ہی میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے ؟ جب کسی قدر دماغ سنبھلا کچھ سمجھنے کی قابلیت پیدا ہوئی تو اب حیران ہو کر ایک دوسرے کا منھ تک رہے ہیں کہ ہم سب سے دور ، صرف سڑک پر کھڑے ہوئے ناکردہ گناہوں نے ایسا کونسا جرم عظیم کیا ہے جس کی پاداش میں تلوار کی دھار حبل الورید سے اقرب ہو کر گلے کا ہار ہو رہی ہے ۔ یہ نہ سمجھے . . . . کہ یہ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی کی کرامت ہے بطون کی خواہش ظہور میں اور عالم مثال کھنچکر شہادت میں آگیا ہے

یہ برہنہ شمشیر اسی متن کی تفسیر اور اسی خواب کی تعبیر ہے ۔

ابھی ابھی سنا ہوا مصرعہ اور سو مرتبہ پڑھا ہوا سبق تلوار کی ایک ذراسی چمک سے حرف غلط کی طرح اڑ گیا ۔ زبان بند ہو گئی اور کیوں نہ بند ہوتی ملک الموت کے آگے کون منھ کھول سکتا ہے ۔ اسی لئے تو مرنے والے کی زبان بند ہو جاتی ہے ۔ سہم کر رہ گئے ۔ پاؤں زمین میں گڑ گئے ۔ ہر ایک مرد خوف سے نامرد ہو گیا   تلوار کی سپیدی میں منھ زرد ہو گیا

آخر سکرات کی حالت کب تک رہ سکتی ، ادھر یا ادھر کچھ تو فیصلہ ہونا

چاہیے تھا۔ ہم نے جی کڑا کر کے کہا ،، اگر آپ خفا ہیں تو ہم چلے جاتے ہیں؛
شمشیر بکف ملک الموت نے اسی طرح تلوار تولتے ہوئے اپنی بھاری اور خوفناک آواز میں کہا "جاؤ بدمعاشو یہاں سے چلے جاؤ"!

ہم فوراً اپنے ساتھی دوست کو جن کے پاؤں زمین میں گڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے آہستہ آہستہ دھکیلتے ہوئے ایک ایک قدم آگے بڑھتے چلے۔ لیکن پیچھے سے سخت گالیوں کے ڈھیلے، تیروں کی طرح کانوں کو براتے ہوئے دل میں اُتر رہے تھے۔ کچھ دور جاکر تلوار کی دھاک اور گالیوں کی بھرمار سے نجات ملی، غرض ایک دفعہ تو کسی طرح جان بچالے گئے۔ دیکھئے کب تک بچے رہیں؟

اک روز یہ جان مبتلا جائے گی ‌‌ ‌ یہ شاخِ بقا تا بہ فنا جائے گی
تا چند کشاکش نفس اے امجد ‌ ‌ ‌ سکرات تو ہے موت بھی آجائے گی

گردشِ پرکار

قیام مدرسہ کے آخری زمانے میں ہم نے پڑھنا لکھنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ خفتن وخوردن دو ہی مصادر خوب از بر تھے۔ آخر مہتمم صاحب مدرسہ کو بھی ہماری بے مہاری کی خبر ہوگئی۔ اگرچہ مدرسے کے قاعدے کے اعتبار سے ہمارا حصّہ فوراً بند ہو جانا چاہئیے تھا۔ مگر مہتمم صاحب ہمارے رو براہ ہونے کی امید میں کچھ دنوں ٹلاتے رہے۔ آخر ایک دن مدرسے کے بڑے ہال کے سامنے ہم کو روک کر پوچھ ہی بیٹھے کہ تم نے پڑھنا کیوں

چھوڑ دیا؟

ہم نے کہا کس سے پڑھیں؟

مہتمم صاحب نے کہا! کیا تمہارے پڑھانے کے لئے استاد نہیں ہیں؟

ہم نے کہا ان معمولی اُستادوں سے تو ہم نہیں پڑھ سکتے۔

مہتمم صاحب نے کہا! پھر کس سے پڑھوگے؟

ہم نے کہا مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری سے۔

مہتمم صاحب نے کہا! تمہارے لئے اتنی بڑی ماہوار کا اُستاد تو نہیں رکھا جا سکتا۔

ہم نے کہا تو پھر ہم بھی نہیں پڑھ سکتے۔

ہمارے اس جواب سے مہتمم صاحب کو سخت غصہ آگیا اور جھلا کر ہم کو پکڑنے اور مارنے کے لئے لپکے۔ یہ واقعہ جس ہال کے سامنے ہو رہا تھا اس کے متعدد دروازے تھے ہم جھٹ سے ایک دروازے میں گھس گئے۔ مہتمم صاحب نے بھی ہمارا پیچھا کیا۔ ہم دوسرے دروازے سے نکل پڑے۔

اسی طرح تھوڑی دیر تک آنکھ مچولا کھیلتے ہوئے اپنے ساتھ مہتمم صاحب کو بھی دربدر پھراتے رہے۔

ہمارے دوست طلبہ کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ پھر جو سیدھے نکلے تیر کی طرح مدرسے سے باہر سڑک پر پہنچ گئے۔ حضرت صاحب نے بھی پیچھا نہ چھوڑا، شارع عام پر ایک طالب علم اور ایک مہتمم مدرسہ دوڑے

چلے جا رہے تھے۔ اسی بھاگ دوڑ میں مہتمم صاحب کی ایک جوتی پاؤں سے نکل کر بدر رَہ دیں جا پڑی۔ مگر حضرت نے اس کا بھی خیال نہ کیا ایک ہی جوتی پہنے برابر تعاقب میں مصروف رہے۔ ہمارا یہ حال تھا کہ دس قدم بھاگتے ہیں پھر مڑ کر دیکھتے ہیں۔ حضرت کو آتا دیکھ کر پھر دس قدم آگے نکل جاتے ہیں۔ ایک شریف بزرگ اور ایک شریر لڑکے کا کیا جوڑ آخر غریب ہار مان کر تھک گئے۔ اور ہم سے ہاتھ دھو کر براہ راست ایک ہی جوتی پہنے ہوئے قدیم مراسم کے اعتبار سے ہماری والدہ کے پاس جا پہنچے۔ ہمارے کانوں سے دور، ہماری والدہ کے سامنے ہم کو خوب ہی صلواتیں سُنائیں، والدہ نے کہا آپ نے اس کو پکڑ کر مارا کیوں نہیں؟ مہتمم صاحب نے کہا چھلاوے کو کون پکڑ سکتا، کمبخت جتنا ذہین ہے اتنا ہی شریر ہے۔

جب میں نے اس کو مدرسے میں شریک کیا تھا ایک صاحب . . .. نے مجھ سے .... اس کو مدرسے سے نکال دینے کے لئے بہت اصرار کیا مگر میں نے صرف اس کی ذہانت کی وجہ سے انکار کر دیا۔ آج لکھ پڑھ کر مجھ ہی سے سرکشی کر رہا ہے۔

اس اثنار میں (مولانا کی آمد سے بے خبر) ہم بھی گھر میں جا پہنچے، مولانا کو دیکھ کر دم ہی تو نکل گیا۔ نہ معلوم کیا بات تھی کہ پھر بھاگنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ بھیگی بلّی بنے ہوئے وہیں کھڑے رہ گئے، ادھر شفیق ماں اُدھر مشفق مہربان۔ سر جھکائے آنکھیں نیچی کئے سُنے اور بہت کچھ سُنے

اس وقت ہماری حالت اس غلام کی سی تھی جو اپنے مالک کے گھر سے بھاگ کر ایک کنویں میں کود پڑا تھا اور کنوئیں سے سرنگ لگا تا ہوا پھر جو نکلتا ہے تو اسی اپنے مالک کے گھر میں - واہ جی واہ - تقدیر اسے کہتے ہیں -

تجھ سے میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا — تو سامنے آئیگا جہاں جاؤں گا
امید لئے بعد ہراس آیا ہوں — تجھ سے ڈر کر میں تیرے پاس آیا ہوں

بھینس سے گاؤزوری

ایک دفعہ ہم چھ مہینے مسلسل بخار میں مبتلا رہے - آخر کار تبدیل آب و ہوا کے لئے ایک دوست کے مقطعے چلے گئے وہاں بھی بخار نے پیچھا نہ چھوڑا اُسی بخار کی حالت میں ایک دن سویرے ہوا کھانے کے لئے گھر سے باہر نکلے - سامنے ہی ایک بھینس کا بچھڑا کھونٹے سے بندھا کھڑا اچھلا رہا تھا ہم بھی وہیں ٹھہر گئے - یکایک . . . . ایک زبردست بھینس جنگل کی طرف سے نہایت تیزی سے دوڑتی ہوئی آکر پہلے تو اپنے بچھڑے کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کو اچھی طرح دیکھ بھال کر زبردست ٹکر سے اچانک ہم پر حملہ کر دیا -

کہاں جنگلی بھینس کی ٹکر اور کہاں چھ مہینے کا بیمار ؟ پتھر اور سر کا کیا مقابلہ ؟

نگرانی اسمع داری کہنے والا تو ہر وقت ساتھ ہے - اس کی ٹکر کے

ساتھ ہی ہمارے دونوں ہاتھ اس کے سینگوں پر جا پڑے، اور ہم نے اس کے سینگ پکڑ کر نہ معلوم کس طاقت اور قوت سے دو قدم پیچھے کی طرف ہٹا دیا۔ بھینس اپنا وار خالی دیکھ کر جھنجھلا گئی اور پھر اس مقام سے دس بیس قدم پیچھے ہٹ کر ایک ہی دوڑ میں دوسرا حملہ کر دیا۔ پھر اُسی طرح ہمارے دونوں ہاتھ اس کے سینگوں پر جا پڑے اور پھر اُسی طرح ہم نے اس کے حملے کو دفع کر دیا۔ بھینس نے اپنے دوسرے حملہ کو بھی گاؤ خورد دیکھ کر تیسرے حملے کی تیاری شروع کر دی اور پھر تیس چالیس قدم دور ہٹ کر ایک ہی دوڑ میں تیسرا اور آخری حملہ کر دیا۔ ہم پھر اسی طرح سینگ پکڑے ہوئے بھینس سے گاؤ زوری کر رہے تھے کہ بھینس کا مالک آ گیا اور بھینس کو ڈنڈوں سے مار کر ہمارے مقابلے سے ہٹا لے گیا۔ ایک نہتے اور ناتوان بیمار کا جنگلی بھینس کی متواتر تین زبردست ٹکروں کو معمولی طور پر دفع کر دینا انسانی افعال کی کس فہرست میں شمار کیا جا سکتا ہے؟

ہے مرضی عالم میں مشیت تیری | ہر فعل میں جلوہ گر ہے قوت تیری
اے وہ کہ ترا شریک ناممکن ہے | لازم ہے بہر وجود شرکت تیری

فراستہ المومن

ایک دفعہ ایک دوست کے مکان میں چند بزرگ اور مجاذیب کی دعوت تھی، نادان دوست نے دعوت کی فہرست میں ہمارا نام بھی

شریک کر دیا تھا۔ نمازِ عشاء کے بعد دسترخوان چنا گیا۔ سب کے ساتھ ہم بھی بیٹھ گئے۔ ہمارے سامنے ایک مجذوب بزرگ سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے، یکایک انہوں نے سر اُٹھایا ہم سے نظر لڑ گئی" بعد متے کہ اگر کوہ روئیں بودے از جائے بر کندے۔ اچانک حملہ، اور ہم سے غیر متحمل یہ؟ دم توڑنے والا بیمار۔ جان لینے والے ملک الموت سے کیا پنجہ کشی کر سکتا ہے؟

لیکن نہیں معلوم کس نے کیا کان میں پھونک دیا ہم بھی بےخوف وخطر الجھ گئے۔ دو پہلوان تھے کہ آپس میں گتھے ہوئے داؤ پیچ کر رہے تھے آنکھوں آنکھوں میں ہولناک ناوک اندازی ہو رہی تھی۔ آنکھوں کی کمانوں سے چلتے ہوئے تیر دل وجگر کو چھلنی کر رہے تھے۔ چشم زدن میں دو میں سے ایک کا خاتمہ ضرور تھا۔

یہ برابر کی چوٹیں تقریباً ایک منٹ (جو مصیبت میں ایک سال کے برابر تھا) چلتی رہیں .... آخر کار مدمقابل کے جاذبانہ اثر اور تیز تیز نظر سے ہمارے قلب کا پہلو کم زور ہوتا چلا، حریف فاتحانہ انداز سے دبا چلا آتا تھا۔ ہم پیچھے ہٹتے جا رہے تھے کہ .... ہم مرتے مرتے ایک چال چل گئے ...... وہ یہ ہم نے اپنے دل میں رہنے، اور کاری زخم لگانے والی تلوار کو غلاف سینہ سے باہر نکال کر ناوک اندازِ حریف کی آنکھوں کے سامنے چمکا دیا۔ یعنی اپنے آقا کو (جسے عرفِ عام میں شیخ کہتے ہیں) جنگجو مقابل کے لئے

مقابل کھڑا کر خود اس کے پیچھے چھپ گئے۔ حریف نے ایک چیخ مار کر یہ کہتے ہوئے آنکھیں پھیر لیں" آخر اس بیسوا رنڈی نے اپنے حمایتی آشنا کو بلا ہی لیا"

بصیرت کا سُرمہ ہے جس کے بصر میں
وہی شخص دانا و بینا ہے امجدؔ!
تصوّر ہے تصدیق جس کی نظر میں
ڈرو مردِ مومن کی عقلِ رسا سے

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

ابتداء ہے یہ سب انتہا کے لئے
ہے مری بت پرستی خدا کے لئے
میں ہوں اس کے لئے وہ خدا کیلئے
اس کے دل میں خدا وہ مرے دل میں ہے

کونوا مع الصادقین

پانچواں نوشتہ

شادی اور آزادی

قمار بازی ۔
شاگرد رشید ۔
پہلی نوکری ۔
بنگلوری مولوی صاحبان ۔
ہمارا پہلا قدرداں ۔

یکجہ ابتیہ

تفسیرِ ارض و سما کی معلوم نہیں
قسمتِ دستِ قضا کی معلوم نہیں
ہر کام میں یہاں ہے اک مرضی کے خلاف
کیا مرضی ہے خدا کی معلوم نہیں

رباعیاتِ امجد

شادی اور آزادی

ہم تقریباً ۱۳۱۶ھ میں مدرسۂ نظامیہ قدیم کے وظیفہ خواروں میں شریک ہوئے، وہاں پر قطبی تک تعلیم پاکر مدرسہ چھوڑ دیا۔ اس وقت سخت گرانی کا زمانہ تھا۔ اب تک والد مرحوم کے پس انداز اور ان کے چھوڑے ہوئے مکانات بیچ بیچ کر زندگی بسر کرتے رہے، قحط کے زمانہ میں سخت مصیبت آپڑی۔ دو روپے ماہوار پر ایک لڑکی کو پڑھانے کے لئے چار میل جایا کرتے۔ جس ماہوار اور جس آمد و رفت پر ایک مزدور ملنا مشکل تھا ہم نے مدرسی کی صورت میں اس کو آسان کر دکھایا۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ میراں صاحب کی لڑکی سے پہلی شادی ہوئی جن سے ایک لڑکی اعظم النساء پیدا ہوئی۔ اس کے دو سال بعد کسی خانگی وجہ سے ماں سے بگڑ کر ہم بنگلور چلے گئے۔

نئے ملک میں کہیں ٹھیرنے کو جگہ نہ ملی مجبوراً کنٹونمنٹ کے عیسائی مشن میں اتر پڑے۔ مشن اسکول میں تعلیم بھی دیا کرتے تھے نئے کرسچنوں اور پادریوں سے دن رات مذہبی گفتگو رہا کرتی تھی۔ پادری صاحب اتوار کے دن جب سٹی میں وعظ کرنے کے لئے جاتے ہم بھی ان کے ساتھ جایا کرتے تھے۔

بڑا لطف تو یہ تھا کہ ایک طرف پادری صاحب کھڑے ہوئے عیسوی ارگن بجاتے۔

دوسری طرف اُن کے بالمقابل ہم دین محمدی کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

کام ختم کرکے ہم دونوں پھر ایک ساتھ گاڑی میں سوار ہو کر مشن کو واپس آتے

ہماری اس طرز روش سے سارے مسلمان بنگلور متحیر تھے کوئی ہم کو عیسائی

کہتا، کوئی محمدی سمجھتا، کچھ مخالف تھے۔ بہت سے موافق تھے، اکثر جگہ ہماری

دعوتیں ہوتیں، ہمارے لئے جلسے منعقد ہوتے، ایک مولوی صاحب

تو بالکل ہی ہمارے مخالف ہو گئے تھے۔

تبلیغ اسلام کی جگہ ہمارے خلاف وعظ فرمایا کرتے اور ہمارے مسیحی

ہونے کا لوگوں کو یقین دلاتے تھے آخر ہم نے یہ تضمین لکھ کر انکو بھیجدی۔

گویدم مردکے شریر و خشن　　　که مسیحی شدیم در باطن

کس نماند از زبان خلق ایمن　　　قیل اِنَّ الالٰہ ذُو وَلَدٍ

قیل انَّ الرّسولَ قد کہنا

گرچہ لبیا می کنند شیون　　　کو د صد کفر می نہد بر من

امجد! از شور خلق لاتحزن　　　ما نجا اللہ والرّسول معاً

من لِسانِ الوریٰ فکیف انا

نہیں معلوم سمجھے یا نہیں سمجھے مگر چند روز کے لئے خاموش تو ہو گئے۔

گاہے بحرم تحق پرستی ہستم　　　گاہے بخرابات بمستی ہستم

گہ بہ ز ملک باشم وگہ بہ از دو　　　من خیر بہ شر عجیب ہستی ہستم

قمار بازی

وہیں بنگلور میں ایک دن ہم جنگل میں جا رہے تھے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے چند لوگ کھڑے ہیں۔ شامت کے مارے تماشا دیکھنے ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص گنجیفے کے تین پتے (دو سادہ، ایک تصویردار) اُلٹ پلٹ کر زمین پر رکھ دیتا ہے جو شخص جتنے روپے تصویردار پتّے پر رکھ دیتا ہے اس کے المضاعف حاصل کر لیتا ہے ہم سے بھی کسی نے کہا کہ فلاں پتّے پر دو روپے رکھ دو۔ ہم نے رکھ دئے۔ اس کا مشورہ صحیح نکلا دو کی جگہ ہم کو چار روپے وصول ہو گئے، دوبارہ پھر اسی شخص نے چار روپے رکھنے کا مشورہ دیا، پہلی بات پر بھروسہ کر کے ہم نے چار روپے رکھ دئے، اب جو پتہ اُلٹا تو سادہ، چار روپے ہار گئے اسی طرح ہارتے ہارتے چالیس روپے تک نوبت پہنچ گئی۔ ہم یانی جھٹک کر کھڑے ہو گئے۔

کچھ دور آگے بڑھ کر پھر جو پلٹ کر دیکھا ایک کا بھی پتہ نہ ملا۔ غربت میں چالیس روپے کھو دینا کوئی معمولی بات نہ تھی روپے کھوئے اور بہت روئے، اسی پریشانی میں ایک صاحب جلال رشید کے مشورے سے ایک قصیدہ لکھ کر ایک جنٹلمن امیر عبداللطیف صاحب کے گھر پہنچے انہوں نے قصیدہ سن کر بڑی تعریف فرمائی ہماری دعوت کی، کچھ روپے بھی دئے۔ اور ایک سفارشی چٹھی ایک پارسی ڈاکٹر کے نام لکھی، جس کا مضمون

یہ تھا کہ:-

آپ کو اپنی تعلیم کے لئے ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ حامل ہذا آپ کو اچھی طرح تعلیم دے سکیں گے۔

شاگردِ رشید

ہم دوسرے دن چٹھی لئے، پتہ پوچھتے، اپنے پھٹے پرانے لباس میں ڈاکٹر صاحب کے مکان پر پہنچے عالیشان مکان کی شان دیکھ کر باہر ہی ٹھٹک کر رہ گئے۔ اتفاق کی بات اس وقت ڈاکٹر صاحب باہر ہی چمن کی روشوں میں سگار کے کش لگاتے ہوئے ٹہل رہے تھے، ہم کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر پوچھا، وِل تم کون ہے؟ ہم نے جواب دینے کی جگہ گھبرا کر چٹھی ہاتھ میں دے دی، ڈاکٹر صاحب نے لفافہ کھول کر چٹھی پڑھی، چٹھی پڑھتے ہوئے کبھی سر سے پاؤں تک ہم کو دیکھتے، کبھی بھویں چڑھا چڑھا کر چٹھی پڑھتے۔ ہم اس وقت ریش و بروت سے بھی معرا تھے، آخر ڈاکٹر صاحب سنبھل نہ سکے نہایت خشمناک لہجے میں گرج کر فرمایا "تم ہم ساٹھ برس کے بڈھے کو تعلیم دے گا؟

ہم نے کچھ جواب ہی نہیں دیا۔ پھر ڈاکٹر صاحب نہایت سختی سے ہمارا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر لے گئے۔

مکان اگرچہ حقیقت میں جنت کا نمونہ تھا، مگر ہمارے لئے تو جہنم سے بدتر تھا۔ چُپ چاپ قسائی کے ہاتھ میں بھیڑ کی طرح کھچے ہوئے چلے گئے۔ ہم کو لے جا کر کتب خانہ میں بٹھایا، اور کہا ویل دیکھو

یہ سارا کتب خانہ ہمارا ہے۔ یہ سب عربی، فارسی، انگریزی، اردو کتابیں ہماری پڑھی ہوئی ہیں۔ اس کتب خانے میں پندرہ بیس الماریاں بہترین مجلد کتابوں سے بھری ہوئی سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں۔ ہم کتابوں کی اتنی الماریاں دیکھ، اور ڈاکٹر صاحب کی ہمہ دانی سن کر تھوڑی دیر کے لئے تو مبہوت ہو گئے۔

دِل ہی دِل میں دُعا کرنے لگے کہ خدا یہاں سے جلد نکالے مگر ڈاکٹر صاحب کہاں چھوڑتے ہیں انکو تو اپنی ہمہ دانی کا ثبوت دینا مقصود تھا۔ ہم کو ایک کرسی پر بٹھا الماری سے کلیات قاآنی نکال لائے، کتاب ہمارے ہاتھ میں دے کر پہلے ہم سے پوچھ لیا، تم کو انگریزی تو نہیں آتی ہم نے کہا بالکل نہیں پھر چند ورق الٹ کر ایک قصیدہ پڑھنے کا حکم دیا۔ ہم نے دو چار شعر پڑھ دئے حکم ہوا اس کی تقطیع کر دو*۔ حکم ہوا بحر کا نام بتاؤ۔ اب تو ہم بھی غوطہ کھا گئے۔ یکایک دیکھا کہ کتاب کے حاشیے پر کچھ انگریزی میں لکھا ہوا ہے، ہم نے ایک ایک حرف پڑھ اور سب کو جوڑ کر بحر اخرب کہہ دیا۔ ڈاکٹر صاحب کرسی سے اُچھل پڑے ویری گڈ ویری گڈ کی آواز سے کتب خانہ کی چھت اُڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھی

اس شور و غل سے ان کی حسین مہ جبین یورپین لیڈی صاحبہ بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئیں، ہم کو ان سے بھی انٹرڈیوس اور شیک ہینڈ کا شرف حاصل ہوا۔ وہ بھی کتب خانے میں ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔ ڈاکٹر صاحب اُٹھ کر پھر دُرّہ نادرہ نکال لائے اور ہم کو اُس کے

* ٹکڑے کرو (تقطیع کردو)

پڑھنے کا حکم دیا۔

اب تو ہم کو بھی غُصّہ آ گیا، ہم نے کہا تم تو پڑھنے کے لئے کہتے ہو، تم کہو تو ہم بھی ایک ایسی کتاب لکھ دیں۔ خدا کی قدرت ہماری اس وقتیہ تعلی سے ڈاکٹر صاحب کی بھی نبضیں چھوٹ گئیں۔ آل رائٹ آل رائٹ کہتے ہوئے اپنی شرمندگی رفع کرنے لگے۔ پھر ہم سے کہا ہمارا پہلا منشی (یعنی اُستاد) درہ نادرہ میں اس شعر کا مطلب نہ سمجھا سکا، مہربانی کر کے آپ ہی سمجھا دیجئے وہ شعر یہ تھا۔

تاریخ جلوس میمنت مانوسش ذوالقرنین است تاج اقبال بسر

ہم نے کہا اصل مادۂ تاریخ "ذوالقرنین" ہے لیکن اس میں ایک عدد کی کمی تھی، اس لئے تاج اقبال یعنی الف کے عدد کا تدخلہ کر کے تاریخ پوری کر دی گئی۔

یہ سُن کر ڈاکٹر صاحب بہت ہی خوش ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی زبان میں اپنی لیڈی صاحبہ سے بھی ہماری بہت تعریف کی کیوں کہ اثنائے گفتگو میں لیڈی صاحبہ مُسکرا مُسکرا کر محبت اور قدر دانی کی گرم جوشش نگاہوں سے ہم کو دیکھ رہی تھیں۔ نگہے ناز بود و زرفتہ باز بود۔
ہم نے مزید برآں رباعیات امجد مطبوعہ آگرہ کی ایک جلد بھی پیش کر دی اس کو پڑھ کر تو اور بھی لٹو ہو گئے اور شاہ نامہ پڑھانے کے لئے ہم کو اپنا منشی مقرر کر لیا، ہم نے شاہ نامہ کبھی پڑھا نہ تھا، مطالعہ کرنے کیلئے کتاب مانگ لی۔

رات ، پانچ صفحہ مطالعہ کرکے دوسرے دن ٹھیک بارہ بجے ڈاکٹر صاحب کے مکان پر پہنچے ڈاکٹر صاحب تیار ہی بیٹھے تھے جاتے ہی سبق شروع کردیا بیس منٹ میں پانچ صفحے ختم کرکے چھٹے صفحے پر پہنچ گئے ہم نے کہا اب بس کیجئے ہم نے آگے کتاب نہیں دیکھی ۔

نہ معلوم ان لفظوں سے ڈاکٹر صاحب میں کس قدر زہر چڑھ گیا ، شاہ نامہ جیسی موٹی کتاب اُٹھا کر دَھم سے میز پر دے ماری ، ہم کرسی سے اُچھل کر زمین پر الٹ گئے ۔ منہ میں کف بھرے ہوئے میز پر ہاتھ پٹک پٹک کر فرماتے تھے ،

ہم شاہ نامہ سات دفعہ پڑھا ہے ، تم کو معلوم نہیں ہم کیسا قابل آدمی ہے ، بولو ، ول منشی بولو ، یہ دس منٹ بچا ہوا وقت کس کام میں صرف کیا جائے ۔

بغیر کلورا فارم کے ڈاکٹر صاحب کے آگے ہمارے تو ہوش و حواس ہی غائب تھے بھلا جواب کیا دے سکتے ، ٹکر ٹکر صورت دیکھ رہے ہیں ۔ بن پڑے تو بھاگ نکلنے کی فکر میں ہیں ۔

ایسے شاگرد رشید سے بھی کسی اُستاد کو بہت کم سابقہ پڑا ہوگا ، شور و غل کی آواز سے میم صاحبہ بھی نکل آئیں ۔ ڈاکٹر صاحب سے واقعہ دریافت کیا ، انہوں نے ساری کیفیت بیان کی ، ہم بسملانہ نگاہوں سے میم صاحبہ کی صورت دیکھ رہے تھے ۔ سفارش کے امیدوار تھے ۔

خدا کا شکر ہماری بھولی صورت مایوس نظر کام کر گئی ۔ میم صاحبہ

کی فہمائش سے صاحب بہادر کا غصّہ ٹھنڈا ہوا۔ اس جرم عظیم سے معافی دی گئی۔ ہم کتاب بغل میں دبائے جھک جھک کر سلام کرتے ہوئے وہاں سے کھسک گئے۔ الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی،

گھر آکر رات خوب مطالعہ کیا دوسرے دن صاحب بہادر کی ساری ہمہ دانی کِرکری ہوگئی،

دو تین دن بعد شاہ نامہ چھوڑ کر مقالات حکماء یونان پڑھنے لگے ہم نے بھی پڑھایا اور خوب پڑھایا یعنی سب غلط، ایک حرف بھی صیح پڑھایا ہو تو قسم لے لیجئے، ہات تری کی۔

چند روز کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ان کے سابق منشی کی زبانی معلوم ہوا کہ ہم کسی ناٹک کے ایکٹر ہیں کمپنی چھوڑ کر یہاں بھاگ آئے ہیں بنیجر کمپنی ہماری تلاش میں پھر رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ہم سے اس واقعہ کی تصدیق چاہی، ہم نے کہا شاید یوں ہی ہو، کتاب واپس کر نوکری چھوڑ دی۔

پہلی نوکری

دوسرے دن ہم یہ قصّہ عبداللطیف صاحب سے بیان کرکے اپنے اسناد لیے ناظم تعلیمات بنگلور کے پاس پہنچ گئے، اور اسی دن سے اسکول میں بالفعل پندرہ روپیہ ماہوار کے مدرس ہو گئے اور آئندہ

بہت جلد ترقی کا وعدہ کیا گیا، ادھر ڈاکٹر صاحب پھر عبداللطیف صاحب کے گھر پہنچے۔ ان سے ہمارے نہ آنے کی وجہ دریافت کی۔

عبداللطیف صاحب نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس شخص کا سخت انسلٹ کیا ہے۔ اب وہ کبھی تمہارے گھر نہ آئے گا۔ اب تو وہ تعلیمات میں نوکر ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنی حرکت سے سخت پشیمان ہوئے، گھر جا کر سابق منشی کو بھی رخصت کر دیا اور ہمارے لئے بہت دنوں تک کف افسوس ملتے رہے۔

عزت نہ ملی کبھی مصاحب ہو کر　　بے قدر ہوا ہے قلب قالب ہو کر
موجود ہیں سو عیب نظر آتے ہیں　　ہر چیز پسند آتی ہے غائب ہو کر

ہم دو مہینے تک سٹی ہائی اسکول میں مدرسی کرتے رہے۔ کئی انسپکٹر تعلیمات اور پرنسپل ہمارے شاگرد ہو گئے، رہنے کو مدرسہ ہی کا دلچسپ اور پُر فضا مکان، پڑھنے کے لئے مدرسہ کا سارا کتب خانہ، خدمت کے لئے مدرسے کے طلبا، کھانے کے لئے قدردانوں کی ضیافتیں، دل بہلانے کے لئے دوستوں کے ساتھ باغوں کی تفریحیں، رقص و سرود کے جلسے، غرض وہ تمام سامان جو دنیوی مسرت کو مکمل کر سکتا ہے وہاں پردیس میں خدائے تعالیٰ نے ہمارے لئے فراہم کر دیا تھا گویا عمر خیام، محقق طوسی کے باغ میں بسر کر رہا تھا۔

بنگلوری مولوی صاحبان

ایک دن ہم کلاس میں پڑھا رہے تھے کہ بنگلور کے بہت سے مولوی صاحبان تشریف لائے۔ پرنسپل صاحب سے مل کر دریافت کیا، کیا کوئی امجد نامی بھی اس مدرسہ میں مدرس ہے؟

انہوں نے کہا ہاں ہے۔

مولوی صاحبان نے کہا، کیا آپ کو معلوم نہیں وہ ایک ذلیل طبقہ کا آدمی ہے۔ وہ کسی ناٹک کا ایکٹر ہے۔ مُدرسی کے بالکل لائق نہیں ہے آپ فوراً مدرسہ سے اس کو نکال دیجئے"

پرنسپل صاحب خیریت سے ہمارے شاگرد ہو گئے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ امجد کی لیاقت کو مدرسے کا مدرس سمجھ سکتا ہے جو دو مہینے سے اس کا طریقۂ تعلیم دیکھ رہا ہے خود بھی اُس سے تعلیم پا رہا ہے؛ یا آپ حضرات سمجھ سکتے ہیں؟ وہ ناٹک کا ایکٹر ہے یا اس سے بھی زیادہ کوئی ذلیل پیشہ ور ہے۔ ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ اپنے مفوضہ کام کو کس طرح انجام دیتا ہے۔ آج مدرسہ بھر میں اس کی قابلیت کا ایک بھی تو مدرس نہیں ہے، اگر دو چار اور بھی ایسے ہی مدرس مل جائیں تو مدرسہ کے اغراض کے لئے بے حد مفید ثابت ہوں گے۔

روزے بخشوانے گئے تھے نماز گلے پڑی۔ امجد کو نکالنے آئے تھے

یا امجد کے امثال کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ غرض ہمارے ہمدرد اور مسافرنواز مولوی صاحبان کو بہت افسوس کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔

خون ایک کا اک کے ہاتھ سے بہتا ہے، ایک ایک کی تاک میں لگا رہتا ہے
شیطان بھی لاحول ولا پڑھتا ہے انساں کے خبث باطنی کے آگے

اسی طرح تین چار مہینے بنگلور میں گزار کر ماں کی وجہ سے پھر حیدرآباد واپس ہوئے۔

ہمارا پہلا قدرداں

یہاں آکر چند مہینوں کے بعد مولوی عزیز مرزا صاحب بی اے کی علمی قدردانی کی شہرت سن کر ایک دن ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ مولوی صاحب اس وقت باہر ہی تھے، ہم نے سلام کر کے رُباعیات امجد کی ایک جلد پیش کر دی۔ مولوی صاحب نے کتاب ہاتھ میں لے کر فرمایا کیا مولوی امجد صاحب نے بھیجی ہے۔

شاید مولوی امجد صاحب ان کے تخیل میں کوئی عجیب ہستی کے انسان تھے۔ اس وقت کتاب دینے والا کم عمر، اور مبتذل الحال انسان ان کے خیال میں رباعیات امجد کا مصنف نہیں ہو سکتا تھا۔

ہم نے مسکرا کر عرض کیا۔ جی ہاں یہ کتاب بھی امجد ہی نے بھیجی ہے اور پیش کرنے والا بھی امجد ہی ہے۔ مولوی صاحب ہماری صورت دیکھ کر بہت متحیر ہوئے۔ پھر پوچھا کیا یہ وہی رباعیاں ہیں جن کے

متعلق مولانا حالی نے لکھا ہے کہ:۔ "تعجب ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں جو منافی شعر و سخن ہے ایسا عمدہ اور اعلیٰ مذاق شاعری کا کیونکر پیدا ہوا۔"

ہم نے کہا ہاں یہ وہی رباعیاں ہیں۔ اس کے بعد مولوی صاحب ہمارے حال پر بہت مہربان ہوگئے اور ہمیشہ قدردانی فرماتے رہے آپ ہی کی سفارش سے ابتداءً ہم دارالعلوم میں بیس روپے ماہوار پر مدرس ہوگئے جن کے لئے اب تک دل سے دعا نکلتی ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔

اس نوکری کے بعد ایک مکان بھی لے لیا۔ نوکر ہو کر، مالک مکان ہو کر ٹھیک ایک مہینہ گزرا ہوگا کہ ۱۳۲۶ھ میں رود موسیٰ کی مشہور طغیانی کا واقعہ پیش آیا۔

چھٹا نوشتہ

طغیانیِ رودِ موسیٰ

عظیم تباہی

وقار الستعد

یادِ صرصر سے آشیاں لرزتا ہے
اب تک عشق کا نشاں لرزتا ہے
اب جاؤں کدھر کہاں پناہ لوں یارب
پھٹتی ہے زمیں آسماں لرزتا ہے

رباعیاتِ امجد

طغیانی رود موسیٰ ۱۳۲۶ھ

عظیم تباہی

کسی عظیم تباہی کی آمد آمد ہیں
زمین گھومتی ہے ہولناک محور پر
نفس کی آمد و شد ہے فنا کے جھونکوں میں
حباب تیرتے ہیں موجزن سمندر پر

ہمارا مکان ندی سے کوئی ساٹھ گز کے فاصلہ پر واقع تھا سلخ شعبان ۱۳۲۶ھ کی شام ہی سے رود موسیٰ لبریز ہوکر اپنے دونوں ساحلوں کی طرف سیل بلا کی طرح بڑھ رہی تھی، رات کے آٹھ بجے تک ہمارے گھر میں گھٹنوں گھٹنوں پانی چڑھ آیا۔ ہم نے اس وقت والدہ سے چلنے کے لئے کہا بھی، مگر انہوں نے کمال استقامت سے یہی جواب دیا کہ موت جب آ ہی گئی ہے تو یہاں اور وہاں سب برابر ہے۔ اینما تکونوا یدرککم الموت۔

رات کے دس بجے تک تو بڑھتے ہوئے پانی نے غنیم کی فوج کی طرح چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اس وقت ہم سب لوگ گھبرا کر پاس کے مکان میں جو نہایت مرتفع اور مستحکم تھا اور پہلے بھی ایک بار ندی کے حملے سے بچ چکا تھا، چلے گئے۔ یہاں ہم سے پہلے ہی محلہ کے اکثر لوگ پناہ لینے کے لئے آ گئے تھے۔ ہم مکان کے دیوان خانے میں ٹھیر گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد قبلہ رُخ کی دیوار شق ہوئی، کمرے کے دالان

پانی دراتا ہوا گھس آیا۔ ہم اُدھر سے بھاگ کر دوسری طرف جا بیٹھے اُدھر بھی دم لینے نہ پائے تھے کہ صحن کا پانی دروازے کے راستہ چڑھتا ہوا اوپر آگیا۔ آخر ایک تخت بیچ میں ڈال کر ہم سب اس پر بیٹھ گئے۔

عزیز ناظرین! ہمارے لئے یہ بہت نازک وقت تھا دونوں طرف سے پانی برابر چڑھتا اُترتا آرہا تھا، نہ اِدھر کوئی راستہ، نہ اُدھر کوئی مفر، اِدھر موت، اُدھر ملک الموت۔

ہم نے سب سے کہدیا کہ اپنے اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرلو ایک دوسرے سے معافی چاہ لو۔ اچھی طرح گلے مل لو، چھت اب گری کہ جب گری۔

ہم اس وقت آنکھیں بند کئے، دونوں ہاتھ سے سر پکڑے چھت گرنے اور مرنے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس تمام طوفانی حادثہ میں یہ وقت ہمارے لئے کمال کرب کا وقت تھا اس اضطراب میں یکایک اِک ہوک اٹھی۔ جی میں آئی جب مرنا ہی ہے تو چھت کے نیچے دب کر اور چورا چورا ہو کر کیوں مریں، میدان میں نکل کر کیوں نہ جان دیں"۔

خیال نے عزم، عزم نے فعلیت کی صورت اختیار کرلی، فوراً ماں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماں کے ساتھ بیوی، بیوی کے گود میں بچی، چار سر بکف مجاہدین کا قافلہ شق شدہ دیوار کی درز سے

قبلہ رُخ گلی میں اترنے کے لئے تیار ہو گیا۔ میر قافلہ نے پہلے قدم رکھا اور یہ سمجھ کر کہ پانی میں اتر رہے ہیں مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ ہمارا قدم ایک گرے ہوئے مکان کے ملبے پر پڑا۔ ہمارے بعد والدہ اور بیوی بھی مکان سے باہر ہو کر ملبے پر کھڑی ہوگئیں، اُدھر ہم باہر ہوئے اُدھر چھت بیٹھ گئی، گھبرا کر آگے بڑھ گئے، خدا کی قدرت صدہا مکانوں کے گرنے سے ملبے کے بڑے بڑے پُشتے قائم ہو گئے تھے، جو اونچائی میں ان مکانوں کے برابر تھے جو ابھی گرے نہ تھے

اندھیری رات میں، پانی کے اندر ہی اندر پاؤں سے راستہ ٹٹولتے ملبوں پہ پاؤں رکھتے کودتے پھاندتے جانب جنوب ایک مثلث وضع چبوترے تک پہنچ گئے۔

اب آگے کوئی ملبہ یا پُشتہ نہ ملا وہیں ٹھٹک کر رہ گئے۔ اس وقت ندی بلیوں اچھل رہی تھی۔ پانی لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، چاروں طرف اندھیرا گھُپ چھایا ہوا تھا۔ مینھ لگاتار برس رہا تھا، موجوں کے شور اور گرتے ہوئے مکانوں کے دھماکے سے جو کبھی بجلی کی کڑک کبھی توپوں کی گرج کے مشابہ تھا دِل سینے میں دہل دہل کر رہ جاتا تھا۔

جب ہم اس چبوترے پر آئے تھے پانی اس کی منڈیر سے نیچے تھا۔ لیکن جوں جوں ندی چڑھتی گئی۔ چبوترے سے پانی اونچا ہوتا چلا۔ رات کے دو بجے تک تو پانی چبوترے سے چڑھتا ہوا پاؤں سے

ٹخنوں، ٹخنوں سے پنڈلیوں، پنڈلیوں سے گھٹنوں، گھٹنوں سے کمر، کمر سے گلے تک آپہنچا۔ ہم لوگ اس خیال سے کہ بہیں تو ایک ساتھ بہیں، ڈوبیں تو ایک ساتھ ڈوبیں، ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے تھام کر ڈوبنے سے بچنے کے لئے چبوترے سے آگے بڑھے۔ چبوترے سے آگے بڑھنا ہی تھا کہ سب کے سب غڑاپ سے پانی میں ڈوب گئے۔ ڈر کر کھائی سے جا پڑے خندق میں،

ہم ایک طرف، ماں ایک طرف، بیوی ایک طرف، بچی ایک طرف مجتمعہ عناصر اربعہ منتشر ہو گئے اس جگہ بھی قدرت کا کرشمہ دیکھنے کے قابل ہے ہمارا قدم ڈوبنے کے بعد زمین کی سطح کی جگہ گھاس کے چھپر پہ جا پڑا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

یہاں تو لاکھوں تنکوں کا ایک پورا چھپر مل گیا۔ ہم چھپر کے ذریعہ خود بخود پھر سطح آب پر برآمد ہو گئے، والدہ، بیوی، بچی ہمارے قریب ہی غوطے کھا رہی تھیں۔ یکے بعد دیگرے ہر ایک کو پانی سے نکال نکال کر چھپر پہ چڑھا لیا۔ چھپر چار آدمیوں کے بوجھ پر بھی سطح آب پر برابر قائم رہا۔ ہم بچی کو جو حیرتناک تحمل سے ہمارے ساتھ مصیبتوں کو برداشت کرنے میں شریک تھی جو ذرا ذرا سی بات پہ رونے والی آج بالکل ساکت و صامت تھی، کاندھے پہ ڈالے ہوئے آنے والے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

اسی طرح کچھ وقت اس چھپر پر بھی گزر گیا مگر کس طرح گزرا۔

سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری

یہاں تک کہ صبح کاذب نمودار ہو گئی۔ دور دور کی مسجدوں سے اللہ اکبر کی آواز آنے لگی۔

ہم سمجھے کہ اندھیری رات تو جوں توں کٹ گئی۔ اب صبح ہو چلی ہے۔ دن کے اجالے میں کوئی نہ کوئی بچاؤ کی صورت نکل ہی آئے گی یہ نہ سمجھے کہ دن کی روشنی رات کی ظلمت سے زیادہ ظالم ثابت ہو گی؛ اس ہولناک بیداری سے رات کا متوحش خواب ہی غنیمت رہے گا۔ یعنی صبح کے وقت ندی کی زد سے فصیل شہر کا ایک حصّہ گر پڑا فصیل گرنے کی وجہ سے اس کا سمٹا ہوا زور دور دور پھیل کر ہماری طرف بھی منتقل ہو گیا اب تک پانی میں صرف ٹرھاؤ تھا بہاؤ نہ تھا۔ مگر فصیل گرنے کے بعد پانی اپنی اصلیت (یعنی روانی) پر آگیا، اور ہمارا چھپر جس پر ہم اب تک جان مٹھی میں لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ طوفانی کشتی کی طرح ڈگمگانے لگا، بچی ابا ابا کہہ کر گلے سے لپٹ گئی۔ ہم نے اس معصوم سے کہا بیٹی رو نہیں سو جا، ہمیشہ کے لئے سو جا۔ ہمارے ہوش وحواس اس وقت بھی قابل تعریف تھے کہ ہم نے بیوی سے مہر معاف کرا لیا اور ماں کے قدموں پر سر جھکا کر اپنی گزشتہ نافرمانیوں وغیرہ کی معافی مانگ لی، اب چھپر آہستہ آہستہ دھارے کے ساتھ سطح آب پر بہنے لگا جانیں جسموں سے نکلنے کے قریب ہو گئیں۔ ماں نے گھبرا کر پوچھا بیٹا! اب کیا کرنا چاہیے۔

ہم نے کہا اگر کوئی بڑا اور چوڑا تختہ مل جاتا تو اس پر بیٹھ کر بہتے ہوئے چلے جاتے پھر آگے جو پیش آئے، اس کہنے کے ساتھ ہی والدہ نے ایک تختہ کی طرف اشارہ کیا جو بہتا ہوا ہماری ہی طرف آرہا تھا جب بالکل ہی قریب آگیا۔ ہم تختہ کے شوق میں بغیر اس خیال کے کہ بچی کاندھے پر بیٹھی ہوئی ہے پانی میں کود پڑے۔ والدہ نے بچی کو تو فوراً اٹھا لیا ہم تختہ کی طرف بڑھے چلے گئے تختہ لانے کو چلے تھے، پانی کا دھارا ہم کو بہا لے چلا۔

تقدیر میں جب تک ماں بیوی کا ساتھ دینا لکھا تھا ساتھ دے چکے، اب ماں دیکھ رہی ہے بیٹا بہا چلا جارہا ہے اور جانا بھی کیسا جیسے کڑی کمان سے تیر نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ بہتے بہتے ایک درخت کے قریب پہنچکر اس کی جھکی ہوئی ڈالی پکڑلی اور ساتھ ہی پلٹ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ہم اس وقت اپنے ساتھیوں سے تقریباً سو گز دور ہو گئے تھے۔

ہم نے وہیں سے چلا کر آواز دی کہ بچی کو کسی بہتے ہوئے صندوق میں بند کرکے بہا دو ممکن ہو تو میں اس طرف سے نکال لوں گا اور تم بھی کسی تختے وغیرہ کا سہارا لے کر اپنے آپ کو دریا کی موجوں کے حوالے کر دو۔"

حضرت کن فیکون کے تماشے دیکھتے جائیے۔ اس کہنے کے بعد ہی والدہ کے سامنے مختلف سامانوں کے ساتھ ٹین کا ایک بڑا صندوق

بھی بہتا ہوا آ گیا، والدہ نے اس کو پکڑ بھی لیا۔

اور چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح بچی کو صندوق میں بند کر کے بہا دیں، مگر قسمت کی بات صندوق مقفل نکلا، والدہ نے مایوسی کے ساتھ پھر مجھے پکار کر کہا! ''بیٹا صندوق کو قفل لگا ہے۔ پھر صندوق کو چھوڑ کر ایک بڑی شہتیر پکڑ لی اور اپنی بہو کو بھی اس کے تھام لینے کی ہدایت کر کے اپنے آپ کو دریا کے حوالہ کر دیا۔ یہ ہولناک راستہ چند قدم ہی طے ہوا تھا کہ بیوی کے ہاتھ سے شہتیر نکل گئی پھر پتہ نہ چلا کہ کیا ہوئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد والدہ بھی نہ سنبھل سکیں۔ شہتیر سے دور جا پڑیں کبھی ڈوبتی ہیں، کبھی اچھلتی ہیں، کبھی صرف سر کے بال نظر آتے ہیں کبھی زور کر کے ابھرتی ہیں تو کچھ صورت بھی نظر آ جاتی ہے مگر پلک جھپکنے تک پھر ڈوب جاتی ہیں۔ آہ! آہ! ان تمام طوفانی مناظر میں یہ منظر جو کچھ تھا۔ اس کا اندازہ ہمارے سوائے شاید ہی کوئی کر سکے۔

ہم درخت سے یہ سب حالات دیکھ رہے ہیں، ہر وقت قصد ہوتا ہے کہ پانی میں کود پڑوں ماں تک پہنچ جاؤں۔ مگر دھارے کی مخالف سمت کچھ زور نہیں چل سکتا۔

خدا کی قدرت والدہ خود بخود بہتی ہوئی ایک درخت کے قریب پہنچ گئیں جو ہم سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تھا ہم نے فوراً آواز دی ماں! تم درخت تک پہنچ گئی ہو تمہارے سر پر ڈالیاں جھکی ہوئی ہیں فوراً کسی ڈالی کو پکڑ لو۔

ماں نے بیٹے کی آواز سُن لی، اُسی عالم بدحواسی میں ہاتھ بڑھا کر ایک پتلی سی ڈالی پکڑلی اور ہماری طرف دیکھ کر کہا " ہائے بیٹا میرے دونوں چاند ڈوب گئے (یعنی بہو اور پوتی) ہم نے کہا خیر جو ہوا، ہوا تم کسی طرح بچ جاؤ۔

ماں نے کہا، بچی کمر سے بندھی ہوئی ہے جو پانی میں لٹک گئی ہے جس کی وجہ سے میں اُوپر اُبھر نہیں سکتی، ہماری والدہ کی یہی اک آخری بات تھی جو ہمارے کانوں تک پہنچی۔

اب معلوم ہوا کہ والدہ نے اپنا دوپٹہ نکال کر نصف اپنی اور نصف بچی کی کمر سے باندھ لیا تھا کہ بچی کہیں ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے، انہوں نے بچّی کی جان بچانی چاہی، بچّی پتھر بن کر ان کو ڈبو رہی ہے، اب تک تو وہ بچّی کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے اب بچّی ان کو نہیں چھوڑنا چاہتی، ہماری شان بھی اس وقت تصویر لینے کے قابل تھی۔

جس درخت پر ہم چڑھے ہوئے تھے اس کو ایک لمبی ڈالی کے سوائے جو بہت اونچی چلی گئی تھی کوئی اور ٹہنی یا ڈالی نہ تھی جس سے ہماری طرح کئی سانپ اور کنکھجورے لپٹے ہوئے تھے۔ ہم اس وقت اس ڈالی پر تکیہ کئے ہوئے اپنی ماں سے گفتگو کر رہے تھے۔

والدہ کی مذکورالصدر آخری بات سننے کے بعد وہ ڈالی جو ہمارا پشتیبان تھی تڑ سے ٹوٹ گئی، ہم اُلٹ کر پانی میں گرے۔ گر کر پھر جو

ابھرے بے ساختہ ہماری زبان سے نکل گیا" اماں میں تو چلا" کاش ہماری زبان بند ہو جاتی، ہمارا حلق بیٹھ جاتا۔

کیونکہ اس آواز کے ساتھ ہی گھبرا کر انہوں نے ہماری طرف دیکھا، اور وہ پتلی سی ڈالی بھی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ماں کے دو چاندوں کی طرح ہمارا ایک چاند بھی پانی میں ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

طاقت نہیں دست و پا میں بے زور ہو نہیں | پامالِ زمانہ صورت مور ہوں میں
اماں! نہ سمجھنا کہ جہاں میں خوش ہوں | تم ہو بے گور زندہ در گور ہوں میں

ہم ننگِ خاندان، خاندان کو ڈبو کر ڈوبتے تیرتے ندی کے زبردست دھارے میں بہے چلے جا رہے تھے۔ دور سے اس قسم کی دو دھاریں نظر آئیں۔ سیدھے خط کی زبردست دھار بخط مستقیم نئے پل میں پہنچ کر سر بہنے والے کو ٹھیک موت کے گھاٹ اتار رہی تھی۔ دوسری کمانی شکل کی کمزور دھار زنانہ ہسپتال کے جنوبی جانب سے ہوتی ہوئی نئے پل تک جا رہی تھی۔ ہم بہتے بہتے ان دونوں دھاروں کو دیکھتے اور سوچتے جا رہے تھے کہ اگر سیدھے خط میں جا پڑیں تو ٹھیک موت کے منہ میں پہنچ جائیں گے۔ اگر دوسری کمانی دھار سے گزرتے ہیں تو کچھ نہ کچھ بچنے کی امید ہو سکتی ہے مگر دونوں صورتیں اپنے اختیار سے باہر اور امکان سے دور تھیں۔ بارہ گھنٹے پانی میں بہتے بہتے غوطے کھاتے کھاتے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے تھے۔

جسم کی تمام طاقت بھی دریا برد ہو گئی تھی - اسی سوچ بچار میں بجلی کی رفتار سے محل تقاطع لاٹ تک پہنچ گئے اور وہی ہوا جس کا کھٹکا لگا ہوا تھا - یعنی سیدھی دھار میں بہتے چلے - موت کا یقین قطعی ہو گیا تھا انا للہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں - ایسے وقت میں خیال آیا کہ نہ معلوم ہماری لاش کدھر بہے - کہاں نکلے، کون نکالے - ہمارے ویسٹ کوٹ کی جیب میں پاکٹ ہے - پاکٹ میں کچھ روپیہ ہے - ہم سے مرنے والے کو روپیہ جیب میں رکھ کر مرنا بڑی شرمناک بات ہے - لوگ ہماری جیب ٹٹولیں گے روپیہ نکالیں گے، ہماری خساست پر نفرت کے ساتھ لعن طعن کریں گے۔

یہ خیال لفظوں میں بہت دیر میں ادا کیا گیا مگر تصور میں اک بجلی کی چمک سے زیادہ وقفہ نہ ہوا - خیال کے ساتھ ہی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا پاکٹ بھی کچھ جیب سے نکلی ہوئی گویا نکلنے کو تیار ہی بیٹھی ہوئی تھی فوراً ہاتھ آ گئی - چھوٹی سی سیاہ پاکٹ کو ہاتھ میں لے کر اس زور اور نفرت سے پانی میں پھینکا جس طرح کوئی طاعونی چوہے کو پھینکتا ہو - بچانے والا پاکٹ اندازی کی آڑ میں سب کچھ کر گیا، بظاہر ہم اپنے اسی زور کی زد سے، اس خوفناک دھار سے نکل کر دوسری کم زور دھار میں آ پڑے اور اسی دھار میں کچھ دور بہتے اور زنانہ ہسپتال کے محاذ میں آنے کے بعد ہسپتال کی بیمار عورتوں نے ہمت کر کے ڈوبتے کو بچا لیا - دریا نے بھی روپیہ لے کر جان چھوڑ دی - خدا کرے کہ ملک الموت جان لے کر ایمان چھوڑ دے - ہماری طرح صدہا جوان بچے، بوڑھے، مرد عورتیں

کچھ ہم سے دور کچھ نزدیک بہے جا رہے تھے۔ کسی کو کسی سے سروکار نہ تھا۔ نہ معلوم ہم میں کیا سرخاب کا پر لگا تھا اور ہماری زندگی کی ایسی کیا ضرورت تھی کہ خواہ مخواہ بچائے گئے خدا اس بچنے سے بچائے۔

ہر آن مصیبت اک نئی پڑتی ہے　　جو پڑتی ہے جان پر کڑی پڑتی ہے
چوٹیں کھاتا ہے شیشۂ دل دن رات　　جیسے گھنٹے پہ موگری پڑتی ہے

بے غیرت کی بلا دور، ننگ خاندان۔ خاندان کو ڈبو کر، عزیزوں کو کھو کر، ننگے دھڑنگے۔ بھیانک صورت، ڈراونا چہرہ لئے جل مانس بنے ہوئے پھر کنارے تو لگ گئے۔ بہنے والے بہہ گئے۔ ڈوبنے والے ڈوب گئے، گئے اور ایسے گئے کہ لاشوں تک کا پتہ نہ چلا۔

سیلاب میں جسم زار گویا خس تھا　　غرقاب محیط غم کس و ناکس تھا
اتنے دریا میں بھی نہ ڈوبا امجد　　غیرت والے کو ایک چلو بس تھا

باپ کا وہ قصہ ہوا، ماں کا یہ حال، ایسے برخوردار کی بلند اقبالی میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

کس وقت دل غم زدہ مغموم نہیں　　رونے دھونے کی کس گھڑی دھوم نہیں
قبر مادر تو خیر بن ہی نہ سکی　　لیکن گور پدر بھی معلوم نہیں

رودِ موسیٰ کے ان شہدا کا دردناک مرثیہ ریاض امجد حصہ اول میں بعنوان قیامت صغریٰ طبع ہو چکا ہے۔ اس مرثیہ کے بہت سے اثرات کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنے دوست مولوی مناظر احسن صاحب کے ایک دوست کو (جو حال ہی میں ٹونک سے تشریف لائے تھے) ریاض امجد

حصہ اول کی ایک جلد دی۔ ان کا بیان ہے کہ میں رات میں دس بجے دوسری نظموں کے ساتھ قیامت صغریٰ پڑھ رہا تھا کہ اچانک یہ محسوس ہونے لگا کہ مینھ موسلا دھار برس رہا ہے۔ مکانات گر رہے ہیں، ندی زور شور سے بہہ رہی ہے۔ غضب یہ کہ ندی میں ان کی بچی بھی بہی چلی جا رہی ہے۔ کھلی آنکھوں سے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ زبان بند ہو گئی ہے۔ نہ کسی کو بلا سکتے ہیں نہ پکار سکتے ہیں، نہ کتاب ہاتھ سے چھوٹ سکتی ہے، بہر حال عجب مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کیفیت خود بخود رفع ہو گئی۔ دماغ اس عالم کی طرف پلٹا، کتاب ہاتھ سے پٹک فوراً بچی کی طرف لپکے۔ بچی کو بستر پر آرام سے سوتا پایا۔ مولوی صاحب کو پھر بھی یقین نہ آیا، سمجھ میں نہ آیا کہ بچی زندہ ہے یا مر گئی۔ آخر بچی کو جگایا۔ جب وہ جاگ اٹھی، پیار کر کے گلے سے لگا کے پھر سلا دیا۔ جان میں جان آئی۔ اس نظم کو پھر دوبارہ پڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ساتواں نوشتہ

زندگی کا نیا دور

عقدِ ثانی ۔ عقد کے چھ برس بعد ۔ ہماری زندگی ۔ تاریخی رات ۔

عقدِ محبت

دو دل اک ہوں تو غنچۂ جاں کھلتا ہے
دل گود میں حسن و عشق کی پلتا ہے
امجد ایک کی روشنی کے مانند
دو تار سے انسیت کا دیا جلتا ہے

رباعیات امجد

زندگی کا نیا دور

عقدِ ثانی

اس عظیم اور ہیبت ناک خانہ بربادی کے بعد برسوں شادی کا خیال تک نہ ہوا۔

مدرسہ کی نوکری کرتے مولوی سید نادرالدین صاحب سے دو ایک سبق پڑھتے زندگی کے دن بسر کرتے تھے۔ خدائے تعالیٰ سید محمد صابر حسینی اور ان کے والد مدظلہ کو جزائے خیر دے کہ اس زمانہ پریشانی میں ان بزرگوں نے بڑی ہمدردی فرمائی اور اپنے گھر میں نہایت عزت اور محبت سے رکھ کر رہنے سہنے، کھانے پکانے کے تمام جھگڑوں سے نجات دی۔ اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ واسق من سقانی۔

اس تباہی کے چھ سال بعد مولوی سیّد نادرالدین صاحب کی تحریک پر دو ایک مرتبہ نہیں نہیں کے بعد ان کی بڑی صاحبزادی جمال النساء سے ۲۵ رجادی الثانی ۱۳۳۳ھ بروز جمعہ کو عقد ہو گیا جن کا دوسرا نام ہم نے سلمیٰ رکھا تھا۔ مولوی صاحب کو اپنی اس لڑکی سے خاص محبّت تھی، اس لئے ان کی تعلیم میں خاص طور پر توجہ کی، خطاطی میں خوشنویس بنا دیا۔ تیرہ سال کی عمر میں بیاہی گئیں۔

رخصتی کے وقت مولانا مرحوم نے اپنی لڑکی کا ہاتھ ہمارے ہاتھ

میں دے کر لڑکی سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

بیٹا! اس شخص کو ساری دنیا سے منتخب کر کے آج تمہارے حوالہ کرتا ہوں خدا تم دونوں کو اپنی اور حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت عطا فرمائے مولانا اپنے اس فرض سے سبکدوش ہو کر ایک سال بعد جمادی الاول ۱۳۴۳ھ میں بار زندگی سے بھی سبکدوش ہو گئے۔ مولانا کے انتقال کے بعد، مولانا کے پسماندگان (ایک بیوہ چار لڑکیاں، ایک لڑکے کا بار بھی ہم پر آپڑا ہماری انیس روپیہ ماہوار میں سات نفوس کی پرورش کس طرح ہوتی رہی خود ہماری عقل سے باہر ہے۔ بُرا وقت بہت بُرا ہوتا ہے، اس پریشانی میں ہم نے ایک صاحب سے (جو ہمارے مقروض بھی تھے) معروضہ کیا کہ اگر ایسے وقت میں، آپ قرض کی رقم سے خیرات سمجھ کر ہی کچھ عنایت فرمائیں تو بڑی عنایت ہوگی مگر کون کس کی سنتا ہے انکار اور صاف انکار کر دیا۔

سال بھر بعد بیوہ مولانا مرحوم کے نام وظیفہ ہوا وہ بھی ۱۳۴۴ھ رہی سہی امید منقطع ہو گئی۔

مگر پھر بڑی دوڑ دھوپ کے بعد فضل و کرم الٰہی اور بذل و نوال شاہی سے بتیس روپے ماہوار جاری ہو گئی۔

نا اُمیدی میں اُمید

ہم نے رود موسیٰ سے ڈوب کر نکلنے اور موت کا تلخ مزہ چکھنے کے بعد یہ عہد کرلیا تھا کہ اب جب تک زندہ ہیں اس موت کا راز معلوم کرنے میں لبسر کریں گے اور موت (جس کی جانفرسا تکلیف سے ابھی ابھی واقف ہو چکے ہیں) کے آسان ہونے کی فکر میں لگے رہیں گے اور برسوں اسی فکر میں لگے رہے۔ صبح ہوتی رہی شام ہوتی رہی عمر کے دن گزرتے ہی چلے گئے لیکن کوئی ایسا عامل کامل نہ ملا کہ موت کے آسان ہونے کے لئے کوئی گنڈہ یا تعویذ لکھ دیتا یا نزع کی تکلیف نہ ہونے کا اطمینان دلا سکتا۔

آخر ایک نصب العین کب تک قائم رہ سکتا اور رود موسی کے سیلاب میں قائم کی ہوئی دیوار کب تک قائم رہ سکتی۔ حیات کی درازی نے موت کا خیال دل سے نکال دیا۔ اب زندگی کو صحیح معنی میں زندگی بنانے کی فکر لاحق ہوئی۔ صوفی نہ سہی کم از کم مسلمان ہی ہونے کا خیال بار بار دل میں کھٹکتا رہتا تھا۔

اس نام کی زندگی میں کچھ جان تو ہو — گر بن نہ سکے فرشتہ انسان تو ہو
نیکی نہ ہوئی نہ ہو، بدی بھی تو نہ کر — صوفی نہ ہوا نہ ہو مسلمان تو ہو

اپنی سی بہت کچھ کوششیں کرتے۔ وظائف پڑھتے، نوافل پڑھتے ہر بندے سے خدا کی راہ دریافت کرتے۔ جو کہتا یہی کہتا،

حریفاں بادہا خوردند و رفتند تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

اس جواب سے امیدوں کا تھوڑا بہت نکلا ہوا آفتاب پھر مایوسیوں کی گھٹا میں چھپ جاتا۔ اور ہم بھی ٹھنڈا سانس بھر کر کہہ اٹھتے "سچ ہے"

حریفاں بادہا خوردند و رفتند تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

مایوسیوں کی دلدل سے جب کبھی نکلنے کی کوشش کرتے یہی دو مصرعے اور دو گز زمین میں اتار دیتے۔ ایک زمانہ یوں بھی گزر گیا اور اسی طرح گزرتا رہا۔

اس لیل و نہار میں ایک دفعہ ہم اور سلمیٰ چولھے کے پاس بیٹھے ہوئے یہی اپنی کھچڑی پکا رہے تھے۔ سالن چولھے پر چڑھا تھا، نیچے آگ جل رہی تھی۔ ہم دونوں گفتگو میں محو تھے۔ یکایک ہم پر ایک کیفیت سی طاری ہوئی۔ ہم کہتے کہتے چپ ہو گئے اور اسی خاموشی میں بچوں کی طرح کوئلہ لے کر کچھ دیوار پر لکھنے گئے۔ اس وقت سلمیٰ کسی کام کے لئے اُٹھ گئی تھیں، اس کیفیت سے فارغ ہو کر ہم بھی وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کمرے میں آکر چپ چاپ لیٹ رہے۔ سلمیٰ سالن کی خبر لینے پھر چولھے کے پاس گئیں۔

سالن کی جگہ دیوار پر نظر پڑی۔ کوئلے کی لکیروں کو غور سے دیکھا لکیروں میں حروف، حروف میں الفاظ، الفاظ میں مصرعے نظر آئے اچھی طرح پڑھا اور خوب یاد کر کے ہمارے پاس دوڑی ہوئی آئیں

اور کہنے لگیں۔ لیجئے ایک معمولی سی بات برسوں کے بعد آج سمجھ میں آئی
آج "حریفاں بادہا خوردند و رفتند کا خاتمہ ہوگیا۔ خدا، وہ خدا جس نے
جنید و شبلی کو پیدا کیا۔ معمولی ہستیوں کو غوث و قطب کے درجوں
تک پہنچا دیا اب بھی الآن کما کان اسی طرح موجود ہے اسی کے عزت
و جلال کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ وہ خدا جس طرح اقطاب و ابدال
کا خدا ہے بلا کم و کاست بالکل اسی طرح ہمارا بھی خدا ہے۔ سب اسی
کے فضل کے محتاج ہیں۔ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ابھی ابھی دیوار
پر کوئلے سے لکھی ہوئی رباعی نظر آئی (شاید آپ ہی نے لکھی ہے) جس
نے میرے دل سے آپ کے جمائے ہوئے نقش قدیم حریفاں بادہا خوردند
و رفتند کو دل سے مٹا کر فضل الٰہی کا منتظر بنا دیا۔

اور مغضوب علیہم کے خارزار سے باہر لا کر انعمت علیہم کی تسکین
بخش جنت تک پہنچا دیا۔ سنئے، آپ بھی سنئے (و تعز من تشاء
و تذل من تشاء)

ہر ذرے پہ فضل کبریا ہوتا ہے　　اک چشم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے
اصنام، دبی زباں سے یہ کہتے ہیں　　وہ چاہے تو پتھر بھی خدا ہوتا ہے

ان ربک لذو فضل علی الناس ولکن اکثرہم لا یشکرون۔

عقد کے چھ برس بعد

شادی کے بعد پانچ، چھ برس تک تو ہماری زندگی معمولی زندگی رہی اس مدت میں کوئی خاص بات خاص طور پر قابل ذکر نہیں ہے۔ پانچ چھ برس بعد ہماری کسی خاص کوشش اور محنت کے بغیر ہماری زندگی کا دور بدلنے لگا۔

نہ کہیں جانے کی ضرورت ہوئی نہ آنے کی۔ وقت آگیا، رحمت الہٰی کے دروازے آہستہ آہستہ کھلتے گئے۔ مولانائے مرحوم کی دُعا کا اثر شروع ہو گیا۔ خدا اور رسول کی محبت کے آثار سلمیٰ کے اوضاع و اطوار سے ظاہر ہونے لگے۔ سرو سینے میں دل و دماغ کے دبے ہوئے بیج ایک طاقتور پودے کی طرح پھبکنے لگے۔ غیر معمولی دوربینی، دقیقہ رسی، ذہانت، ادراک، غور و فکر کا ملکہ ترقی کرتا چلا۔ دماغ کی مخفی لہروں میں بڑھتے بڑھتے سمندر کی سی طوفان خیز، حیرت انگیز طاقت پیدا ہوتی چلی منہ سے جو بات نکلتی، عجیب ہوتی، جو گفتگو ہوتی حیرت خیز ہوتی وہ کہنے کے لئے تھیں، ہم سمجھنے کے لیئے تھے۔

ہماری حیرانی اُن کی مسرت کا سبب ہمارا التعجب اُن کے انبساط کا موجب ہوتا تھا۔

اے جانِ تو شاد، از گرانجانی ما اے جمع دل تو از پریشانی ما
ہر جلوۂ تو بہ بحر حیرت فگند آخر غرضت چیست ز حیرانی ما

اگر ہم یہ کہیں یہ کوئی بیرونی اور نئی چیز نہیں تھی بلکہ ہماری ہی قوت دماغی کا انعکاس تھا جو دوسری طرف مرتسم ہو رہا تھا۔ اور یہ ہماری ہی تقریروں کا اثر تھا جو نئے رنگ میں ظہور پذیر تھا تو صحیح نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ وہ لطائف ونکات جو کبھی اور کسی وقت خود ہمارے وہم وخیال میں بھی نہ آئے تھے۔ ان کی زبان سے بلا تکلف ادا ہوتے تھے۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ انہوں نے کوئی بات کہی اور ہم نے حیرت سے منہ کھول دیا۔ وہ تقریر کرنے لگیں، ہم مبہوت بنے ہوئے سنتے رہے۔

کبھی کبھی انہیں بحثوں اور مکالموں میں آدھی رات گزر جاتی۔

کبھی کبھی پکانے کے لئے بھی وقت نہ ملتا، بازار سے روٹی لاکر کھا لیتے۔

اکل وشرب کی تمام لذتیں۔ روحانی اور مذہبی مسرتوں پر قربان تھیں، اکثر کہا کرتیں۔

زندگی بایدمرا نام ونشاں درکار نیست لذت جاں بایدم ذوق زباں درکار نیست (سلمی)

کبھی کبھی ادھر سالن چولھے پر چڑھا ہوتا ادھر کوئی بحث چھڑ جاتی سالن اپنے آپ پک پکا کر ٹھنڈا بھی ہو جاتا مگر یہاں سلسلۂ گفتگو ختم ہی نہ ہونے پاتا۔

یہ بھی عجیب بات تھی کہ باوجود اس بے توجہی کے کھانے کی کوئی چیز کبھی خراب نہیں ہوئی بلکہ ہر چیز لذیذ تر ہوتی تھی۔

ہمارے گھر میں ہمیشہ ایک ہی سالن پکا کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو ایک ہی سالن دو دو تین دن تک برابر کھاتے رہتے۔ لذت میں کوئی فرق نہ آتا، ہر لقمہ پہلے لقمے سے لذت میں ترقی کر جاتا تھا۔

ہماری زندگی

ہمارے کھانا کھانے کا فلسفہ بھی عجیب تھا وہ یہ کہ ہر لقمہ باعتبار زمان و حال و کیفیت و کمیت دوسرے لقمہ سے مختلف ہوتا ہے ایک لقمہ کی کیفیت دوسرے لقمہ سے اپنے پورے حالات اور کیفیات میں کبھی متحد نہیں ہو سکتی، اُدھر کھانے والے کے ذوق و وجدان و احساس میں آناً فاناً تبدیلی ہوتی جاتی ہے اس لئے کھانے والے کو ہر لقمے میں نیا ذائقہ، ہر نوالہ میں نئی لذت ملنی چاہیے اگر ایسا نہیں ہے تو قوت ذائقہ کی صحت ہی میں تامل ہے مطعومات کو کیوں مطعون کیجئے۔

حصول لذت کا بڑا اصول یہ ہے کہ ہر چیز پوری خواہش اور کامل طلب کے بعد استعمال کی جائے۔ کھائیے پوری بھوک میں، پیجئے خوب تشنگی میں۔ پھر دیکھئے معمولی مطعومات و مشروبات میں بھی

کس طرح لذت نہیں ملتی۔ ایک رات ہمارے دوست مولوی سید مناظر احسن صاحب تشریف لائے کھانے کے لئے ماحضر دال روٹی پیش کر کے ہم نے ان کو بھی یہی خوش ذائقہ مسئلہ سمجھایا۔ مولوی صاحب نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور مدتوں تک مزے لے لے کر اپنے دوستوں سے بیان کرتے رہے شاید اب بھی بیان کرتے ہوں

لباس سے ہمارا مقصود صرف تن ڈھانکنا تھا اور بس'' نہ آرائش سے بحث نہ زینت سے مطلب جو لباس گھر میں وہی باہر نہ گھر میں کوئی خاص بے تکلفی نہ باہر کوئی خاص نمائش ہمارے جامۂ زندگی کا الٹا سیدھا ایک ہی تھا۔ البتہ ہمارے لباس سے سلمیٰ کا لباس کسی قدر قیمتی اور صاف ستھرا ہوتا تھا۔ ہمارے لئے تو ایک جوڑا بھی جامۂ ہستی کی طرح عمر بھر کے لئے کافی تھا۔

بیکسوں کو چاندنی بس ہے اجالے کیلئے　　بیمپ پے تی چاہیئے نازوں کے پالے کیلئے
ہے جو کچھ وہ بھی بہت ہے مرنے والے کیلئے　　کملی والو! مر رہے ہو کیوں دوشالے کیلئے

در فضائے تنگ دنیا حاجت بسیار نیست
آنچہ ما در کار داریم اکثرش در کار نیست

خانۂ خدا کے زیر سایہ، صابر منزل کے چھوٹے اور پُر فضا چمن میں ہم دونوں کی پُر لطف زندگی کو دیکھ کر بعض لوگ ہم کو جنت

ارضی کے آدم و حوا کہا کرتے ہیں۔

نہ کسی کی غیبت نہ کسی کی شکایت۔ اپنا کھانا۔ اپنا گانا۔ اکثر دوست احباب کی نگاہوں میں ہماری زندگی قابل رشک تھی۔

کوئی کہتا۔ کاش ہم بھی اسی طرح صحیح معنی میں پُر لطف زندگی بسر کر سکتے۔

کوئی کہتا، کاش ہم مسلمانوں کو ایسی سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کرنے کی توفیق ہوتی۔ عورتیں مہمان آتیں، ہماری خانگی زندگی اور طرز معاشرت سے حیران رہ جاتیں۔ نہ کھانے کی فکر، نہ پکانے کا خیال نہ بیوی کو میاں کا خوف، نہ میاں کی بیوی پر بیجا حکومت، اس پندرہ سال کی طویل مدت میں میاں نے بیوی سے کسی دن کھانا تک نہیں مانگا۔ نہ بیوی نے میاں سے کسی قسم کی کوئی بیجا فرمایش کی دل میں ہر وقت خوشی کی لہریں اٹھتی تھیں صرف ایک کا وجود دوسرے کے لئے باعث مسرت تھا، ایک کی بات دوسرے کے لئے سوغات تھی

سخت مشکل تھا فرق مغز و پوست — تھے مساوی حقوق کے دو دوست
شاہد جاں کا ہے یہی کہنا — دوست جب مل گیا تو کیا کہنا
دوست سے شان زندگانی ہے — دوست ہی جان زندگانی ہے
کیا کھنچے مجھ سے دوست کا نقشہ — ہے مثنی نیتوق اعلیٰ کا

تاریخی رات

یوں تو سلمیٰ کی حالت ہیں، کیفیت میں، طبیعت میں روزانہ کوئی نہ کوئی ترقی ہوتی ہی جاتی تھی، لیکن ۹ر صفر سنہ ۱۳۴۲ھ کی رات ہماری تمام زندگی کی تاریخی رات ہے۔

اس رات بہت دیر تک حُسن و عشق پر گفتگو ہو رہی تھی، حُسنِ ازلی کے کرشموں کے ساتھ عاشقانِ حقیقی کا بھی تذکرہ ہو رہا تھا سینوں میں حیرت انگیز جذبات کا تلاطم تھا، ہر ایک ہوش و حواس رکھتے ہوئے بھی اپنی لذت اور کیفیت میں گم تھا۔

ہم بلا قصد و ارادہ حسن و عشق میں ڈوبی ہوئی رباعیاں کہتے جاتے تھے اور وہ سنتی جاتی تھیں، سُنتے سُنتے سن ہو کر سو گئیں تقریباً چھ گھنٹے بعد پھر جو بیدار ہوئیں، سنبھلنا مشکل ہو گیا،

اوضاع و اطوار میں فرق آ گیا، گہری نیند نے جھنجوڑ کر خوابِ غفلت سے جگا دیا۔

سوتی تھیں ہنستی اٹھیں، جلال و جمال کا مظہر بنی ہوئیں، تمتماتا ہوا چہرہ نیم باز آنکھیں۔ آنکھوں میں آنسو، لب پر تبسم، چاہتی کچھ تھیں کہتی کچھ تھیں، نئے نئے لفظ عجیب عجیب ترکیبیں مثلاً

شمسِ جلال کا وہ ذرہ بیتاب ہوئی نہیں   کہ کبھی ہاتھ میں ہوں اور کبھی نایاب ہو

کبھی مختصر لفظوں میں حُسن و عشق کی تفسیر . . . مثلاً

کبھی حسن ہے تو کبھی عشق ہے تو　　کبھی کھنچتا ہے کبھی کھینچ رہا ہے

کبھی اضطراب و مایوسی کے ساتھ نظر نہ آنے والی ہستی کو نظر نہ آنے والے طریقہ پر بلانا۔ مثلاً

ایک مدت سے پڑی ہے مری نگری سونی
اپنی بستی مری ہستی میں بسا لے آجا

کبھی نظر نہ آنے والی نشانیوں کو مٹا کر حضرت بے نشان کی نشان دہی۔ مثلاً

نشان راہ بیں کاین نشان بے نشان است　　مکان صد ہزار و مکیں لا مکان است

یہ کیفیت دیکھ کر یہ اشعار سنکر تھوری دیر کے لئے تو ہمارے حواس بھی غائب ہو گئے۔ سہم سہم گئے، لرز لرز گئے، مگر پھر بھی یہ ہوشیاری کی کہ جو کچھ انہوں نے کہا تھوڑا بہت فوراً لکھ لیا۔ لیکن حرفاً حرفاً انہوں نے کیا کہا؟ ہم نے کیا سُنا؟ نہ بیان میں آسکتا ہے نہ زبان پہ سچ بھی یہ ہے کہ رات گئی بات گئی، جس کی بات اس کے ساتھ گئی اس تاریخ کے بعد سلمی وہ سلمی ہی نہیں رہیں جن کو ہم سمجھایا پڑھایا کرتے تھے۔

اب تو وہ ہمیں کو سمجھانے اور پڑھانے کے لئے تیار تھیں ہم اکسا اُکسا کر پوچھا کرتے۔ وہ بگڑ بگڑ کر جواب دیا کرتیں۔ ادبیت روحانیت روحانیت سہر سے، سہر خفی سے، خفی اخفا سے متبدل ہو گیا تھا،

روز افزوں رہتی تھی شان جمال　　من ز تن بیروں شدم او از خیال

کبھی کبھی تو آنکھ بھر کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی سہارے پھیلے ہوئے پاؤں حیرت ناک لطائف کے اثر سے خود بخود مودب ہو جاتے تھے

یہ بھی خدا کی قدرت کا عجیب تماشا تھا............ کہ بیوی بغیر کسی شغل و ریاضت کے عالم مثال اور گلشن ارواح کی گلگشت کر رہی ہے، میاں ذکر و فکر کے بعد بھی اسی طرح مادیت کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بیوی کھلی آنکھوں بیداری میں وہ سب کچھ دیکھ رہی ہے جو میاں کو خواب اور مراقبے میں بھی نصیب نہیں بیوی، سچے اور قیمتی موتی مفت لا لا کر دیتی مگر میاں سے اس کی سادی سیدھی مالا بھی تیار نہ ہو سکتی تھی۔ بیوی چشم زدن میں ہزاروں قسم کے نادر نادر پھول توڑ لاتی لیکن میاں کو اس کا معمولی گلدستہ بنانا بھی مشکل ہو جاتا بمشکل کوئی چیز تیار بھی کر لی جاتی تو بصد مشکل بیوی اعتراض کے بعد پسند خاطر ہوتی۔ ایسے وقت میں ہم دونوں کی زندگی کا نقشہ، صاحب بصیرت کے لئے

اعمٰی و بصیر، ظل و حرور، ظلمت و نور، حی و میت کا منظر پیش کرتا تھا۔

یہ ہے درگاہ رب لاابالی — نہیں پروا یہاں چھوٹے بڑے کی
پسند یار حالی ہے کہ قالی؟ — نظر کس پر ہے اس کی کس کو معلوم
حقیقت میں نہ سافل ہے نہ عالی — پیا چاہے جسے وہ ہے سہاگن
لفضلت النساء علی الرجال — ولو کان النساء کمن وجدنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آٹھواں نوشتہ

جمالیات جمال سلمیٰ (حصّہ اول)

احسن کما احسن اللہ الیک وفضائلِ شیخین، صراط مستقیم اتباع شریعت، صورت دل، حقیت قلب، ربان، مدوعا، ختم نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا داری، اہل سنت والجماعت مصالح احکام شریعت، وصول الی المرشد، مسلمانوں کی تباہی تعذیب، مراقبہ، روزہ، زکواۃ، قرب سے بُعد امن او ہستم نماز، درود ابراہیمی، میدان قیامت، عطائے من بہ لقائے من، جہل عقل، وضع اور غربت، توحید افعالی، قبولیت دعا، صفات شیخ و حاملین بیعت، محمد رسول اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ا بنی دنیا، صبر جمیل حاصل غم، تفریظ بر تقریظ، چند خط زدہ مقامات۔ رباعیات امجد پر تقریظ، مرضا دود، نفس و روح، حق باطل، مشاہدہ قدرت ہماری بیداری، عجیب سبق، حقیقت محبت، اختتام محبت، خوف و رجا

لذّت عبادت ، انما الاعتبار بالخواتیم ، لیلیٰ مجنوں ، رادھا کشن ، خدا کی تلاش ، مقصود حج ، سجدۂ شوہر ، بست وکشاد ، الم ترالی الابل ، موجودہ تصوف ، استغفار ، انجام شاعری ، گالی ، فرقِ موت وحیات ، تکمیل خواہش ، ضرورت اسلام ۔ طریقۂ وعظ ، مشکل آسان ، مداخل ومخارج زبان ، حقیقی مسرّت ، سلام علیکم ، سورۂ بقرہ ، حال ، خودی اور خدا ، واذا الجبال سیرت ، خطرات فی الصلوٰۃ ، صلوٰۃ علی النبی ، افضلیت علیؓ قرآن کریم ، جہاتِ نسبت ، ہماری شیخی ، لقمۂ حلال ، قدردانی ، مال باکمال ، دو رباعیاں ، نبی جی کی لوری ۔

واللہ اعلم بالصواب

کیا ہے تعبیرِ خواب معلوم نہیں
ناقص ہوں کہ کامیاب معلوم نہیں

کچھ دور سے لہریں تو نظر آتی ہیں
یہ آب ہے یا سراب معلوم نہیں

رباعیاتِ امجد

جمال سلمیٰ کی مسلسل تقریریں روزنامچے کی طرح اگر تاریخ وار لکھتے جائیں تو نہ معلوم جمال امجد کتنی جلدوں میں جاکر ختم ہو۔ علاوہ بریں ہر بات قابل بیان و اظہار بھی نہیں ہوا کرتی، ہر چیز میں کچھ ظہور ہوتا ہے اور کچھ بطون جسم کا کچھ حصہ کھلا رکھا جاتا ہے کچھ ڈھانکا جاتا ہے۔ اگر بعض حقیقت نگاروں کی طرح ہمّت کر کے ہم حقیقت کو بے نقاب کرنا بھی چاہیں تو رہ رہ کر یہ آواز کان میں آتی ہے۔

تنزیہ کو تشبیہ میں لاتے کیوں ہو
پردہ رُخِ وحدت سے اُٹھاتے کیوں ہو
سوتے ہوئے شیر کو جگاتے کیوں ہو
جو راز ہے اُس کو راز ہی رہنے دو

اس لئے بہت سے واردات، مشاہدات، کیفیات سے قطع نظر کر کے صرف چند سطحی اور سرسری لطائف پر ہی اکتفا مناسب معلوم ہوئی ہے اور ممکن ہے کہ باقی داستان فردائے شب کے تحت میں رہے اور یہی جمالیات امجد کا اصلی مقصود ہے اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اسی مقصود کی تمہید اور اسی نتیجے کے مقدمات ہیں یہ ضرور نہیں کہ ناظرین بھی اس سے اتفاق کریں اور جس چیز کو ہم لطیف سمجھتے ہیں دوسرے بھی اس کی لطافت سے محظوظ ہوں، براؤننگ کہتا ہے "دس آدمی ایسے ہیں جو اُس چیز کو عزیز رکھتے ہیں۔ جس سے مجھے نفرت ہے اور بہت سے اس چیز سے نفرت کرتے ہیں جس سے مجھے محبت ہے۔ اب سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے" من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر"

احسن کما احسن اللہ الیک

ایک رات سوتے سوتے، اللہ ہُو (بواوِ مجہول) کہتی ہوئی اٹھیں آنکھیں بند، ما وشما سے بے خبر ہو کی ہر ضرب ہتوڑے کی طرح سینے پر پڑ رہی تھی - تھوڑی دیر تو ہم بھی سنتے رہے، پھر ضبط نہ کر کے پوچھ ہی بیٹھے کہ یہ کون سا ذکر ہے؟ اور اس کا ماحصل کیا ہے؟

اسی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے کہنے لگیں جس طرح میرا خالق مجھے عالم ظہور میں لا کر آپ پردۂ غیب میں مستور ہو گیا ہے، اب میں اس ذکر (اللہ ہُو) سے اس کو ظاہر کر کے آپ مستور ہو جانا چاہتی ہوں۔ (احسن کما احسن اللہ الیک)

اس پھول کا رنگ اُڑ کے بو رہ جائے سر جائے تو جائے آبرو رہ جائے
ثابت ہو مری نفی سے تیرا اثبات میں اتنا مٹوں کہ صرف کورہ جائے

فضائلِ شیخین

ایک دفعہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فضائل میں ہم استیعاب اور کنز العمال سے پڑھ پڑھ کر حدیثیں سنا رہے تھے، ہر حدیث سے ہر شیخ کی ایک خاص شان نظر آتی تھی، کسی کی فضیلت کسی پر من کل الوجوہ معلوم نہ ہوتی تھی، ہم چاہتے تھے کہ کوئی قطعی تصفیہ ہو۔

سلمیٰ نے کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت رسالت،

اور صفت رحمت میں آپ کس کو کس پر ترجیح دیتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ایک ہی ذات کی دو صفتیں ہیں، قطعی طور پر کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جا سکتی کہا بس تو یوں ہی سمجھ لیجئے کہ ۔ ۔ ۔ ۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت ہیں (اشداء علی الکفار)

اور سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت ہیں۔ (رحماء بینھم)

صراط مستقیم

ایک دفعہ صراط مستقیم پر بحث ہو رہی تھی، اہدنا الصراط المستقیم کے معنی بیان ہو رہے تھے۔ سلطنی نے کہا، ہمارے خیال میں اس جملہ کا جملۂ ما قبل یعنی ایاک نعبد ایاک نستعین، ہی صراط مستقیم ہے۔

صراط مستقیم موصل الی المعبود سوائے عبدیت کے اور کوئی چیز نہیں ہے اور قیام علی العبدیت، استعانت باللہ کے بغیر ممکن نہیں

خاتم بس تھا، تو پھر نگیں کیوں آیا — دل کافی تھا تو دل نشیں کیوں آیا
گر قابل عبدیت تھا یہ عبد ضعیف — نعبد ہی کے ساتھ نستعیں کیوں آیا

اتباع شرع

ایک دن پیروی شریعت میں گفتگو ہو رہی تھی۔

کہنے لگیں کہ ارضی انسان کے لئے اتباع شریعت ہی ایک ایسا زینہ ہے جو اس کو معراج کمال تک پہنچاتا ہے۔ دور کیوں جاؤ شرع کے حروف پر ہی غور کرو تو عرش تک رسائی ہوتی ہے

از قید فنا رہی رہا ند مارا | در عالم جاو داں بخوا ند مارا
بر صاحب شرع صد تحیات و سلام | شر عش تا عرش می رسا ند مارا

صورت دل

ایک دفعہ دل کی ساخت اور اس کی صورت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

کہنے لگیں کہ دل کی ساخت ہم کو تو دو جڑے ہوئے ہاتھوں کے مماثل معلوم ہوتی ہے۔

ہم سر فطرت میں عبدیت پاتے ہیں | سب، سرکسی دہلیز سے ٹکراتے ہیں
دیکھو نظر غور سے دل کی صورت | جو جڑے ہوئے دو ہاتھ نظر آتے ہیں

حقیقت قلب

ایک دفعہ قلب کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی

سلمیٰ نے ہم سے پوچھا کہ قلب کیا چیز ہے؟ ہم نے مضغۂ گوشت ہے اور کیا چیز ہے؟

کہنے لگیں قلب وجوب و امکان کے بندھے ہوئے دامن کی گرہ ہے۔

بجتا ہے شکستہ ہو کے ارگن میرا | شاداب خزاں میں بھی ہے گلشن میرا
کھنچنا ترا اور کھینچتا ہے مجھ کو | دامن سے ترے بندھا ہے دامن میرا

زبان

اک دفعہ سلمیٰ نے ہم سے زبان کی تعریف پوچھی

ہم نے کہا زبان ترجمانِ دل ہے۔

سلمیٰ نے کہا کہ یہ تعریف تو جامع نہیں ہے۔ اگر زبان کی یہی تعریف ہے تو پھر دنیا میں جھوٹ کا وجود ہی نہ ہونا چاہیے، کیونکہ جھوٹ ضمیر کے خلاف آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں اور سچ ضمیر کی ہم زبانی کا نام ہے۔ جس کو ابھی آپ نے ترجمانی دل سے تعبیر کیا ہے۔ میری رائے میں زبان دل و دماغ دونوں کی ترجمان ہے دو ملّا میں مردار مرغی کی طرح جس کا اثر غالب دیکھتی ہے اُسی کی ہم داستاں ہو جاتی ہے۔

ہم نے کہا کہ یہ امر مسلم ہے کہ دل و دماغ میں، دل کا مرتبہ بلند ہے اور دماغ اس کے مقابل میں کم درجہ ہے، پھر تعجب ہے کہ زبان اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی پیروی کرے۔

سلمیٰ نے کہا میری رائے میں اگر اس کے خلاف ہوتا تو تعجّب خیز بات تھی

آپ نے سنا ہوگا کہ سگ حضور بہ از برادر دور، زبان کا مقام دماغ سے قریب اور دل سے دور ہے اس لئے اُلٹی کھوپڑی کے اثر سے متاثر اور کج راہ ہوکر راستی بعید کو نظر انداز کر دینا۔

مستبعد عن العقل نہیں ہے، علاوہ بریں ترتیبی اعتبار سے بھی دماغ بلند مرتبہ اور دل بدرجۂ ادنیٰ واقع ہے۔ موجودہ زمانے میں اسی مطابقت دماغی و اختلاف دلی کا دور دورہ ہے جس کی تعبیر عقلمندی اور فراست سے کی جاتی ہے۔

یقال للرجل ما اظرفہ ما اعقلہ وما فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان (شیخان)

از ترس خرد مخالف دل گوید
در بحر بماند و ز ساحل گوید
ایں کلمۂ کفر بر زبان مسلم؟
افسوس کہ حق پرست باطل گوید
کعبہ میں بتوں کا راگ؟ توبہ توبہ
بندے کی خدا سے لاگ توبہ توبہ
سچے مومن کو جھوٹ سے کیا نسبت
جنت میں سقر کی آگ توبہ توبہ

(حاشیہ: اے کفر دل ۱۲ — دشمنی ۱۲)

بددعا

ایک دفعہ ایک مخالف کی ایذادہی اور بے رحمی پر ہم نے کہا خدا ظالم پر کبھی رحم نہ کرے سلمیٰ نے کہا توبہ کیجئے

غیر سے شر کی ادا اچھی نہیں ‏ نیک ہو کر بد دعا اچھی نہیں
کاظمین الغیظ غصے میں کبھی آتے نہیں ‏ رنج سہتے ہیں مگر وہ رنج پہنچاتے نہیں

ایک رات میں نے دیکھا ہے کہ کسی مسجد میں دو جماعتیں بالمقابل بیٹھی ہوئی ہیں۔ ایک جماعت کا منہ ٹیڑھا ہے اور دوسری جماعت کے دونوں ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ میں بہت دیر تک ان دونوں جماعتوں کو حیرتناک نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ آخر میری اس حیرانی پر رحم کر کے ملہم غیب نے کسی فرشتۂ غیب کو انسانی شکل سے ممثل کر کے میرے پاس بھیجدیا اور اس نے فافہم فتدبر، کہکر یہ بات سمجھادی کہ . . . . . یہ دونوں جماعتیں مستجاب الدعوات ہیں، بائیں رُخ والی جماعت نے داہنے رُخ والی جماعت کی کچھ غیبت کی تھی (جن کو ہم نمبر ۱ و ۲ سے تعبیر کرتے ہیں۔ نمبر (۲) کو یہ بات بہت شاق معلوم ہوئی اور انہوں نے نمبر (۱) کے حق میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر سزائے غیبت کے لئے بد دعا کی جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ غیبت کرنے والوں کے منہ ٹیڑھے ہو گئے نمبر (۱) سے اور تو کچھ بن نہ پڑا، انہوں نے نمبر (۲) کو نشانہ بنا کر بد دعا کی توپ داغ دی اور ضبط نہ کر کے کہا کہ ان دونوں ہاتھ اُٹھا کر بد دعا کرنے والوں کے ہاتھ ٹوٹ جائیں" رب العالمین تو سب کی سنتا ہے ان کا تیر بھی نشانے پر جا بیٹھا اور نمبر (۲) کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔

فائدہ ایک کو بھی نہیں نقصان دونوں اٹھا رہے ہیں۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا

اگر ہے مقصود عز کعبہ کبھی نہ تخمیر دیر کیجئے
بُروں کے حق میں بھی حتی الامکاں دعائے توفیق خیر کیجئے

ختم نبوت

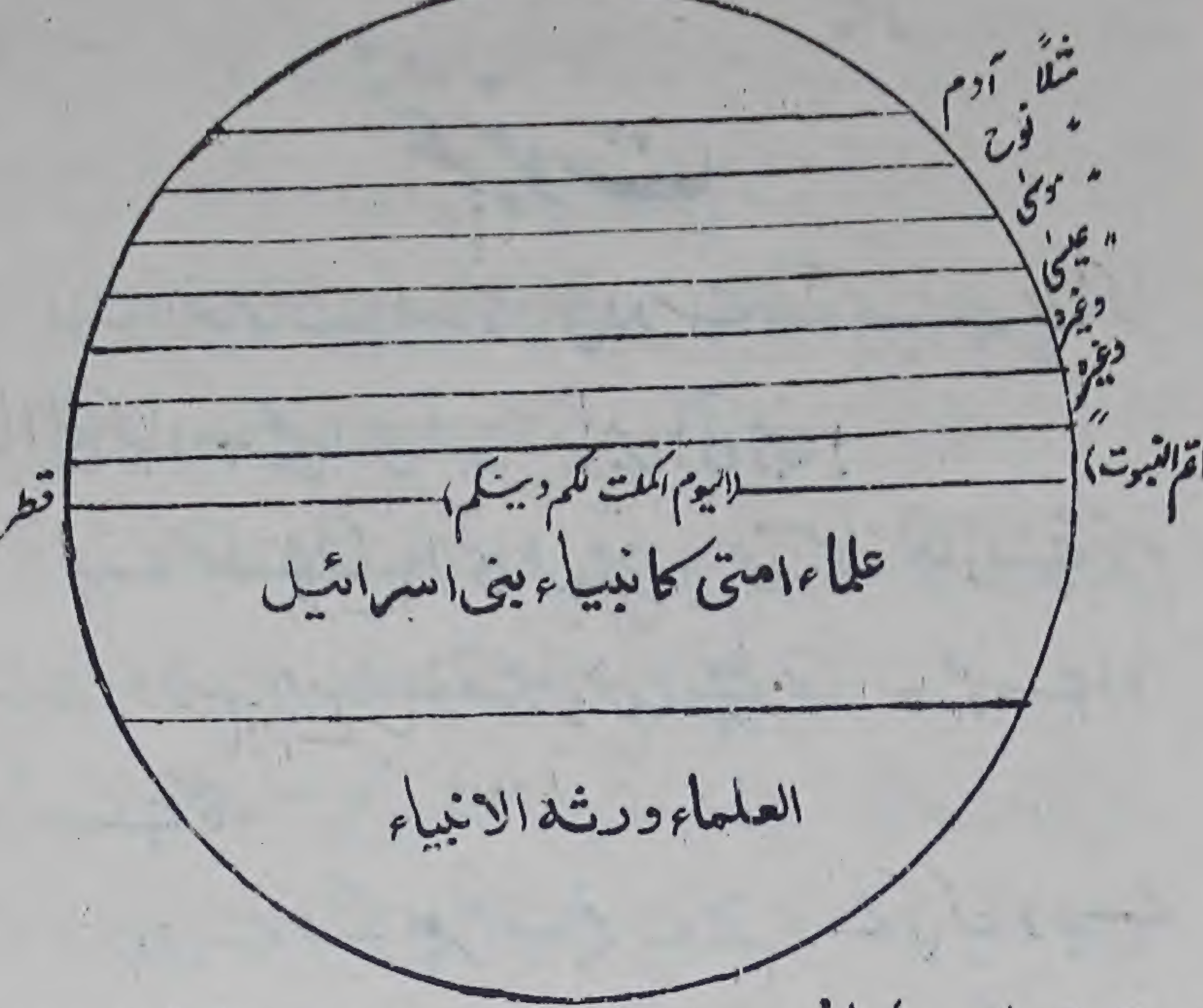
ایک دفعہ ہمارے ایک قادیانی دوست نے ہم سے پوچھا کہ نعما الہٰی کیا اب بھی اسی طرح دنیا میں باقی ہیں؟

ہم نے کہا بے شک اسی طرح ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے تمام صفات اور فیضان کے ساتھ جس طرح پہلے تھا اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

انہوں نے کہا کہ پھر نعمت نبوت ختم ہونے کی کیا وجہ ہے اس وقت تو ہم سے بھی جواب بن نہ پڑا سوچ کر جواب دینے کے وعدے سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ گھر آکر سلمیٰ سے بیان کیا۔

سلمیٰ نے کہا کہ میرے رائے میں ختم نبوت کا تو مسئلہ ایسا صاف ہے جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں، عالم ہو کر ایک دائرہ فرض کیجئے اور دائرے کے اندر یکے بعد دیگرے خط مستوی کھینچتے چلے جائیے بالآخر وسط دائرہ میں ایک ایسا خط پیدا ہوگا کہ اس سے بڑا کوئی خط نہیں ہو سکتا اس خط آخر کو ختم نبوت یا کمال نبوت سے تعبیر کرتے

ہیں اس خط اکبر کے بعد اگرچہ اور بھی خطوط کھینچ سکتے ہیں مگر سب اس سے چھوٹے اور خط اکبر کے بعد غیر ضروری یا زیادہ سے زیادہ ظلی اور مثالی ہوں گے تفصیل کے لئے دائرہ مع خطوط ملاحظہ کیجئے۔



وہ رحمت عام دیدۂ ناظر میں　　پیدا ہوا بعد انبیاء ظاہر میں
ہاں کیوں نہ ہو اصل و فرع برگ و گل سے　　مقصود ہے پھل سب سے جو ہے آخر میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاداری

ایک دفعہ ایک مسیحیہ مسیح علیہ السلام کے تارک الدنیا ہونے پر گفتگو کرتی ہوئی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاداری کا اظہار کر رہی تھی۔

سلمیٰ نے کہا کہ مسیح کی زندگی خاص ان کی اور انہیں کے لئے

تھی جس پر کوئی دوسرا عمل پیرا نہیں ہو سکتا اور ہمارے رسول اللہ رحمتہ للعالمین کی زندگی کافتہ الناس کے لئے مشعل ہدایت تھی۔

حقیقت میں ہمارے طالب مولیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین دنیا اور دین دونوں سے ارفع و اعلیٰ تھا۔ اسی لئے آپ نے حُبِب الیّ من دنیاکم فرمایا، من دنیائی نہیں فرمایا) لیکن گمراہ دنیا والوں کو راہ پر لانے کے لئے جب تک دنیا داری کا رنگ نہ اختیار کیا جاتا ان کی ہدایت کی کوئی صورت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کوئی عالم بچوں کو پڑھانے کے لئے، الف، ب کہے تو اس عالم کو طفل ابجد خواں نہیں کہہ سکتے۔

آسمان جُھک کر زمین سے کیوں نہ مل جائے مگر پھر بھی نفیس ہے
غبارِ زمین فلک چہارم تک کیوں نہ پہنچ جائے مگر پھر بھی خسیس ہے

یہی ہے دنیا میں قول فیصل اسی پہ ہے اتفاق سب کا
والرب ربٌ وان تنزل العبد عبد وان ترقیٰ

اہل سنت والجماعت

ایک دفعہ ہم کہہ رہے تھے کہ افسوس ہے کہ سارے دنیا جہاں کی بُرائیاں آج کل ہم مسلمانوں میں پیدا ہوگئی ہیں اور مسلمانوں میں بھی خصوصیت کے ساتھ اہل سنت والجماعت میں، اہل سنت کے سوا اور جتنے فرقے مدعی اسلام ہیں پھر بھی ان کی حالت اہل سنت کی بہ نسبت بہت کچھ اچھی اور سنبھلی ہوئی ہے۔ اہل سنت جو کبھی

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کے مظہر تھے، اب ثم رددناہ اسفل سافلین کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ افسوس

اس دور میں مسلم کا پتہ بھی نہ ملا — ایمان کسی جگہ ذرا بھی نہ ملا
سنتے ہیں کہ لوگوں کو خدا ملتا ہے — ہم کو کوئی بندۂ خدا بھی نہ ملا

سلمیٰ نے کہا بے شک آپ کا خیال صحیح ہے اور جس قدر اہل سنت سئیات کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں شاید ہی دنیا میں کوئی اور فرقہ ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ضرور قابل لحاظ ہے کہ جتنی بزرگ ہستیاں، غوث، قطب، ابدال، اوتاد اب تک پیدا ہوئی ہیں یا پیدا ہونے کی امید کی جا سکتی ہے وہ اسی فرقہ اہل سنت والجماعت سے مختص ہیں وللہ الحمد

سجدہ ترے در پہ ہے مقدر میرا — نقش قدم پاک ہے محور میرا
پہنچا دیا عرش تک تری ٹھوکر نے — چمکا تری خاکِ پا سے جوہر میرا

بعث

مصالح احکام شر

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ احکام شریعت کے ساتھ ساتھ ان کے مصالح اور حِکَم بھی بیان کر دئے جاتے تو پھر تعمیل میں کسی کو عذر ہی نہیں ہوتا سلمیٰ نے کہا اول تو علی العموم ہر انسان اور خصوصاً ہر مسلمان کو خدا سے اگر یقین نہیں تو کم از کم حسنِ ظن ضرور ہونا چاہئیے۔ جیسے

بیمار اپنے طبیب کی ہر دوا کو لا یخلو عن الحکمۃ سمجھتا ہے، حسن ظن قائم ہو جانے کے بعد اب کسی غایت اور مصلحت کی ضرورت ہی نہیں باقی رہتی۔

اگر احکام شریعت کے ساتھ ان کے مصالح بھی بیان کر دیے جاتے تو مذہب میں مذہب کی شان ہی باقی نہ رہتی، ساری روحانیت مادیت میں منتقل ہو جاتی اور مقصود زندگی یعنی عبدیت باطل ہو کر ہر فعل عبادتِ خدا سے قطع نظر کر کے مصلحت ہی کے تحت ہوا کرتا۔

جیسے زید (اپنے لڑکے کے قریب بچھو یا سانپ دیکھ کر کہتا ہے) بیٹا! یہاں سے فوراً اٹھ جاؤ۔ اب لڑکے نے بغیر کسی چون و چرا کے باپ کو اپنا باپ سمجھ کر حکم کی تعمیل کر لی اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا تو اس وقت دو فائدے حاصل ہوں گے:

(۱) بچھو یا سانپ سے تحفظ۔

(۲) اپنے باپ کے حکم کی تعمیل۔

اگر زید اس طرح کہتا کہ "بیٹا یہاں سے اٹھ جاؤ کیونکہ تمہارے قریب سانپ یا بچھو بیٹھا ہوا ہے۔

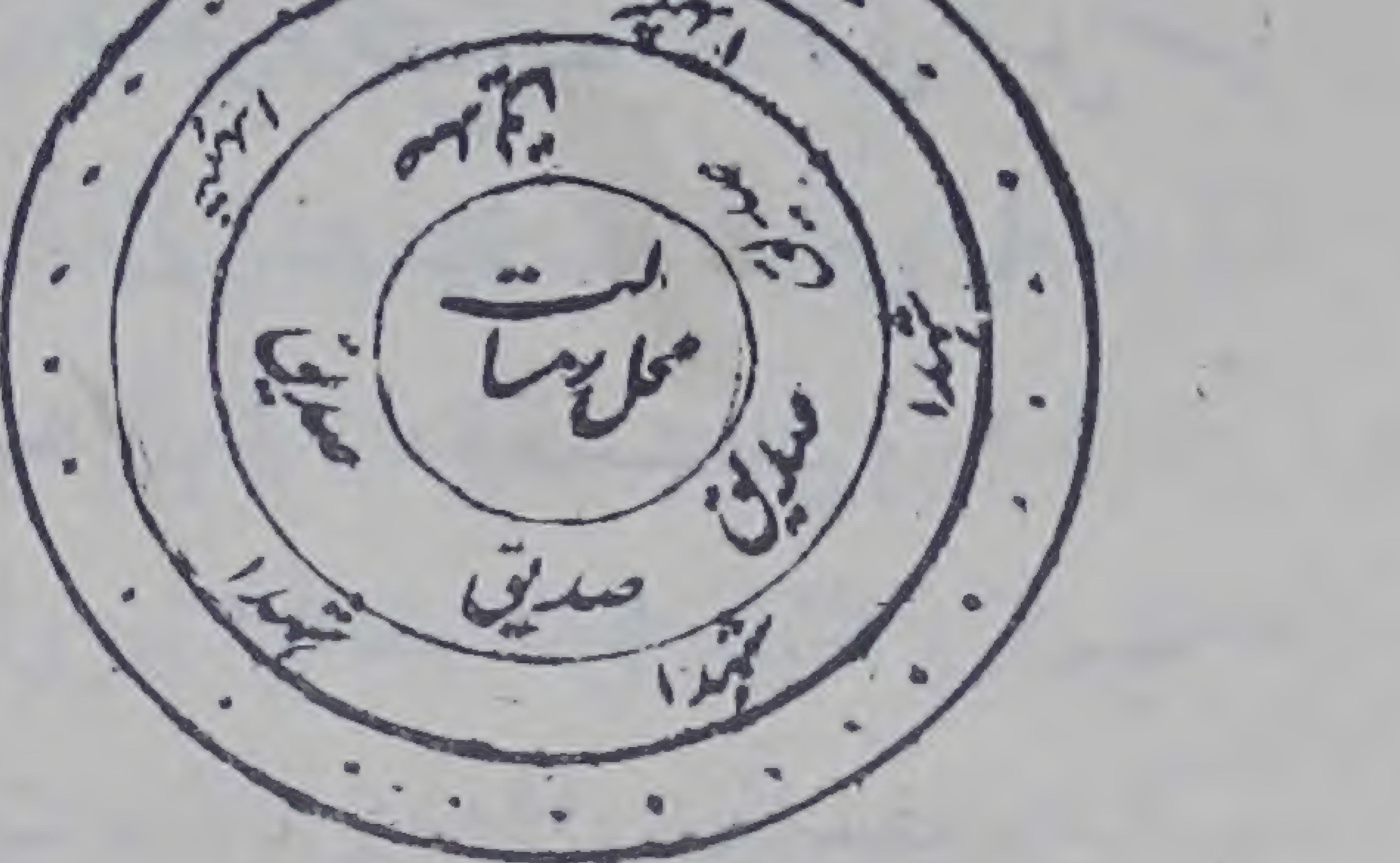
اور لڑکا اٹھ کھڑا ہوتا، تو اس وقت باپ کے حکم کی تعمیل مقصود نہ ہوتی بلکہ صرف اس زہریلے جانور سے بچنے کے لئے فعل قیام کا وقوع ہوتا۔ دو فائدوں والی بات اچھی، یا ایک فائدے والی؟

یاد رکھئے مذہبی اعمال میں مصلحت اور غایت تلاش کرنے سے مذہب کا اصل مدعا عبدیت و امتثال امر باطل ہو جاتا ہے۔

آداب کو ہاتھ سے نہ جانے دیجے
اس مرغ خرد کو پھڑ پھڑانے دیجے
شاہنشہ عبدیت کا دربار ہے یہ
کیوں، کیا کو زبان پر نہ آنے دیجے

وصول الی المرشد

ایک دفعہ ہم نے کہا کاش کوئی مرشد ایسا مل جاتا کہ خدا اور رسول تک پہنچا دیتا، سلمی نے کہا کہ میری رائے میں ابتدائً تو خدا اور رسول سے مرشد تک رسائی ہوتی ہے، ایک دفعہ میں نے ایک وسیع میدان میں مدور شکل میں حلقہ درحلقہ لاکھوں ہزاروں کمرے بنے ہوئے دیکھے ہیں سب کے وسط میں محل رسالت واقع ہے، محل رسالت سے ملے ہوئے کمروں میں صدیقین کا قیام ہے، اسی طرح سب اخیار، ابرار علی حسب مراتب، حلقہ درحلقہ اس محل رسالت سے قربت رکھتے ہوئے، شمع نبوی کے پروانے نظر آتے ہیں سمجھنے کے لئے دائرہ ملاحظہ کیجئے



من النبین والصدیقین
والشھداء والصالحین
وحسن اولٰئک رفیقا

دیدار نبی میں محور ہنے والے حسن نبوی کے پروانوں کو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی کہ کون آتا ہے، کون جاتا ہے۔ کون چیختا ہے، کون پکارتا ہے تا وقتیکہ خود حضرت اقدس ان کو دوسری طرف متوجہ نہ کرے۔

یہاں پہنچ کر میں نے بھی بلا تعین شخصی کسی بزرگ ہستی سے ملنے کی خواہش کی۔ خواہش کے ساتھ ہی مجھے محسوس ہوا کہ مرکز اعلیٰ کو میری خواہش کی خبر ہو گئی۔

اور مجھ سے ملنے کے لئے حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلوی کو حکم دیا گیا اور ان کو حسب الحکم شاہنشاہ رسالت اپنی لذت دیدار کو چھوڑ کر مجھ سے ملنے کے لئے اپنے مقام سے باہر آنا پڑا۔

اس لئے میں کہہ سکتی ہوں کہ مرشد یا پیر بھی خدا کے فضل، اور رسول ہی کی بدولت مل سکتا ہے۔

ہر چیز مسبّب سبب سے مانگو	منّت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو	بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

مسلمانوں کی تباہی

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ ہم مسلمان کیوں تباہ ہیں؟

سلمیٰ نے کہا کہ ہم اور مسلمان؟ ہم پر مسلمان کا اطلاق ہی غور طلب ہے۔

اگر ہم واقعی مسلمان ہوتے تو کبھی تباہ ہی نہ ہوتے۔

کہنے کو تو زندہ ہیں مگر جان نہیں
دل ہے سینے میں، دل میں ایمان نہیں
ہم کہتے ہیں دنیا میں مسلمان نہیں
سب کہتے ہیں دنیا میں مسلماں ہیں تباہ

میری رائے میں ہماری تباہی کا سب سے بڑا سبب مسلمان ہو کر مسلمان نہ ہونا (یعنی احکام الہٰی کی تعمیل نہ کرنا ہے)

ایحسب الناس ان یترکوان یقولوا آمنّا وھم لایفتنون

کوئی شخص شاہی دربار میں قدم نہ رکھے تو درباری آداب اس سے متعلق نہیں ہو سکتے کوئی عامل عمل ہی نہ شروع کرے تو شرائط عمل کی پابندی اس پر عاید نہیں ہوتی۔ کوئی عورت عقد ہی نہ کرے تو پابندِ ناموس اور حقوق شوہری کی گرفت سے آزاد رہتی ہے۔

لیکن ——

کوئی شخص شاہی دربار میں تو حاضر ہو، لیکن آداب درباری کی بالکل پروانہ کرے۔ کوئی عامل عمل تو شروع کرے، لیکن شرائط عمل خوانی کا پابند نہ ہو۔ کوئی عورت عقد تو کرلے، لیکن حقوق شوہری کو بالائے طاق رکھ دے۔

تو آپ ہی بتائیے کہ ایسے حاضر دربار، ایسے عامل، ایسی عورت کی تباہی کس حد اور کس مرتبہ تک پہنچ سکتی ہے اور ایسے سرکشوں کا کیا انجام ہو سکتا ہے۔

اپنے آقا سے کج ادائی؟ توبہ
نا اہلوں کے در پہ جبہ سائی؟ توبہ
غیروں سے تعلقات رکھے ہو کر؟
شوہر رکھ کر بھی آشنائی؟ توبہ

وجہ تعذیب

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ جب سب کچھ خدا ہی کرتا ہے تو پھر ہم کیوں پکڑے جاتے ہیں۔

سلمیٰ نے کہا کہ (۱) اگر آپ وجود واحد کے قائل ہیں تو من حیث الوجود ہم اور تم میں کوئی فرق ہی نہ رہتا۔

(۲) کیوں وہی شخص پوچھ سکتا ہے جو مسئول عنہ سے اعلیٰ ہو یا کم از کم ہمسر یہاں دونوں صورتیں مفقود ہیں۔

(۳) سپید لباس کو آپ پہنکر میلا کرتے ہیں اور آپ ہی کے ہاتھوں صاف پاک لباس کا ستیاناس ہوتا ہے۔ باوجود اس کے غریب کپڑا ہی دھوبی کی بھٹی کے حوالے ہوتا ہے، وہی کھولتے پانی میں جلتا ہے۔ وہی پتھر پر پٹکا جاتا ہے اور آپ دور سے کھڑے تماشا دیکھتے ہیں۔ اگر میلا کپڑا آپ سے سوال کرے کہ اے میرے میلا کرنے والے ایسا کیوں؟ تو کہئیے آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید

اچھی طرح یاد رکھئے، قدرت پر اعتراض کرنے، منہ بنا بنا کر، یہ کیوں وہ کیوں کہنے سے تکلیف میں تخفیف نہیں ہوتی۔ بلکہ میرے خیال میں ترقی کا اندیشہ ہے اس کا آخری اور واحد علاج رضینا بقضاء اللہ کے

سوا اور کچھ نہیں۔

اک روز بہت الجھ کے میں نے یہ کہا یہ کیوں ہوتا ہے اور وہ کیوں ہوتا ہے
سر تن سے مرا اُڑا کے ارشاد ہوا اس کیوں کا جواب دیکھ یوں ہوتا ہے

مراقبہ

ایک دفعہ ہم نے پوچھا۔ مراقبہ کیا چیز ہے؟

سلمیٰ نے کہا۔ اپنے ظہور کو بطون سے منطبق کرنے کا نام مراقبہ ہے

ہر وقت ٹٹولتا ہوں کسوت اپنی جانچا کرتا ہوں قدر و قیمت اپنی
سر ہے، کہ جھکا ہوا ہے دل کی جانب سیرت سے ملا رہا ہوں صورت اپنی

روزہ

ایک دفعہ رمضان کے مہینے میں ہم نے کہا کہ نہیں معلوم ہوتا کہ روزہ دار کے منہ کی بو، خدائے تعالیٰ کو مشک سے زیادہ کیوں پسند ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ مشک، اور روزہ دار کے منہ کی بو میں کیا مناسبت ہے

سلمیٰ نے کہا

صائم کا دہن کیوں نہ معطر ہو گا ہر خار زباں کیوں نہ گل تر ہو گا
روزہ رکھا ہے ترک خواہش کر کے دل خون ہوا، مشک نہ کیوں کر ہو گا

زکوٰۃ

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ زکوٰۃ میں سوائے نقصان مالی، کوئی ظاہری

فائدہ تو نظر نہیں آتا۔

سلمیٰ نے کہا۔ زکوٰۃ میں سالانہ نقصان ہے وہ بھی فیصدی ڈھائی روپے کا مگر خزانے کے محافظوں کی تنخواہوں میں تو ماہانہ نقصان ہوتا ہے اور وہ بھی بہت زیادہ۔

سب کچھ چھننے سے پہلے کچھ دیدیجے ... برباد نہ کیجئے کھیت اک جَو کیلئے
اک جزو زکوٰۃ ہے محافظ کل کا ... ہے ڈھائی روپے کا سنتری سَو کیلئے

قرب سے بُعد

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ نیند کیا چیز ہے؟

سلمیٰ نے کہا کہ "نیند کے وقت تو عقل ہی سلب ہو جاتی ہے لیکن اب بیداری میں جب کہ ہوش و حواس اچھی طرح قائم ہیں کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ بیداری کیا ہے؟ (ہم نے کہا) موت کیا ہے؟ سلمیٰ نے کہا کہ موت کا تو ابھی وقت نہیں آیا۔ جب مرینگے اس مسئلہ پر گفتگو کر لیں گے اب اس وقت آپ جو زندہ ہیں کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا خدا کیا ہے۔

سلمیٰ نے کہا خدا؟ وہ خدا تو بڑی چیز ہے۔ اس کو تو مختلف عقائد نے نفی و اثبات کے گہوارے میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن آپ، جس کو آپ یقینی اور قطعی طور پر ہم یا میں کہتے ہیں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کیا ہیں؟

مست مئے میں ہمیشہ رہتا ہوں میں
ہیں میں میں میں ہمیشہ کہتا ہوں میں
کس شان سے میں کہتا ہوں اللہ رے میں
سمجھا نہیں میں کو آجتک وا رے میں
حاصل نہ کیا مہر سے ذرہ تم نے
دریا سے پیا نہ ایک قطرہ تم نے
امجد صاحب! خدا کو کیا سمجھو گے
ابتک خود ہی کو نہ سمجھا تم نے
دم بھر، دم آدم کو سمجھتے ہوتے
دن رات کے ہمدم کو سمجھتے ہوتے
یہ سچ ہے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں
اے کاش کہ ہم، ہم کو سمجھتے ہوتے

من او ہستم

ایک دفعہ انا اللہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ جمال سلمیٰ نے کہا آپ انا اللہ کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ "ہم یقیناً اللہ کے لئے ہیں" اور میں یہ سمجھ رہی ہوں کہ حقیقی اور یقینی انانیت، اللہ ہی کے لئے ہے۔

ہم نے کہا کہ پھر میں کیا ہوں؟ اور میرے میں کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے؟

جمال سلمیٰ اس سوال پر خاموشی کے ساتھ کسی دوسری طرف دیکھتی رہیں اور دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کر کے اسی جگہ سو گئیں۔ ہم بھی خاموشی سے ان کی صورت تاکتے بیٹھے رہے۔ یکایک اسی نیند میں ان کے دونوں ہونٹ ہلتے نظر آئے۔ ہم نے کان لگا کر سنا اور بہت غور کرنے پر معلوم ہوا کہ مَن مَن کہہ رہی ہیں، اس کے سوا اور کوئی لفظ یا حرف سمجھ میں نہ آیا۔ پانچ منٹ کے بعد ہنستی ہوئی اٹھیں اور کہنے لگیں، اس وقت

عجیب تماشا ہوا، آپ بھی سنیں گے تو متحیر ہوں گے، وہ یہ کہ —

آپ نے جب پوچھا کہ میں کیا ہوں ؟ میری نظر سامنے والی دیوار پر جا پڑی جہاں ایک لفظ بایں صورت بلا نقطہ "می" لکھا ہوا نظر آیا (یہ لفظ کیا تھا ؟ داشارہ کرکے) وہ دیکھیے مڑی ہوئی چھوٹی سی کھونٹی کا سایہ تھا جس کو میں نے ابتدائً می سمجھا اور اس لفظ می کے نشے سے ابھی ابھی آپ کے سامنے بےخود ہو کر سو گئی سوتے ہی آنکھ کھلی۔ یعنی وہی مَی اب مَن ہو کر نظر آنے لگا اور میں آپ کے مستفسرہ سوال کے حل میں من من کہتی ہوئی کائنات کی خاک چھانتی چلی۔ میں مَن مَن کہہ رہی تھی خاموش فضائے عالم سے ہو ہو کی آواز آرہی تھی (جیسا کہ عام طور پر آپ رات کے سناٹے میں سنا کرتے ہیں) میں نے اس وقت ہُو کو آو سمجھا (اور ہُو کا ترجمہ بھی اُو ہی ہوتا ہے) جس کو اپنے مَن مَن کے ساتھ جوڑ کر میں نے مَن او کہا اور پھر جملے کی تکمیل میں " من او ستم" کہتی ہوئی اس مَن مَن والی دنیا میں واپس ہوئی۔ یعنے من کی تفسیر آو ہوئی شرح متن سے زیادہ ناقابل فہم ہوگئی۔ کیا کیا جائے ؟ صورت ہی ایسی واقع ہوئی ہے۔

میں، قلزم ذخار ہوں منبع تو ہے — میں، مہر جہاں تاب ہوں مطلع تو ہے
ہے فرق بہت لطیف ہم دونوں میں — مانند ضمیر میں ہوں مرجع تو ہے
صورتم تصویر آں بےصورت آمد لا کلام — بنگرم حسن ازل، در خط و خال خویشتن
آں برائے می مخصص گشت و ایں زبہر من — بہترست از جام جم، جام سفال خویشتن

سایہ آخر رفتہ رفتہ می رسد تا آفتاب
رہ برم سوے جمالے از جمال خویشتن

من کہ مرآۃ دیم عکس از جمالش بردہ ام
جز مثال او نمی بینم مثال خویشتن

اے دوست چہ پرسی حال از من
من او ہستم من او ہستم

او جان من و من صورت تن
من او ہستم من او ہستم

ہر حبر و ابگل نسبت دارد
ہر خار ابگل نسبت دارد

انگشت اشارہ شد قد من
من او ہستم من او ہستم

اسرار نماز

ایک دفعہ نماز اور اسرار نماز میں گفتگو ہو رہی تھی۔
سلمٰی نے ہم سے پوچھا کہئے نماز کیا ہے؟ ہم نے کہا نماز کیا ہے؟ اللہ کا حکم ہے کہنے لگیں کہ نماز ہی اللہ ہے، دیکھو قیام (الف) ہے رکوع (ل) ہے، سجدہ (ہ) ہے۔ ا، ل، ہ اللہ۔ جس طرح ابتداءً الف بے پڑھنے میں بچوں کا جی نہیں لگتا مگر جوں جوں مفردات سے مرکبات مرکبات سے فقرے، فقروں سے جملے بنتے جاتے ہیں۔ پڑھنے والے بچے کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ اُسی طرح پہلے پہلے مصلی کا خیال بھی نماز پر نہیں جمتا۔ لیکن جب رفتہ رفتہ نماز کے اسرار کھلتے جاتے ہیں تو نماز میں بھی ابتدریج دلچسپی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ پھر تو فرائض سے جی چرانے والا مسلمان نوافل سے بھی سیر نہیں ہوتا (دیکھو خرقہ امجد میں عنوان اقیموا الصلوٰۃ)
ایک دفعہ میں نے کسی عالم میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ساتھ نماز فجر کی دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ جناب امیرؓ امام تھے۔ ہم دو صحابی مقتدی، پہلی رکعت لذت ارکان میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یعنی ہم جب قیام میں ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے تھے تو براس العین دیکھ رہے تھے کہ ہم اپنے معبود کے سامنے کھڑے ہیں اور ہماری حالت قیام میں الذی یراک حین تقوم، صاف صاف محسوس ہو رہا تھا۔

جی چاہتا تھا کہ تبدیل رکن کی نوبت ہی نہ آئے، ساری نماز رکن قیام ہی میں ختم ہو جائے مگر حضرت امام کی خواب لذت سے جگانے والی آواز اللہ اکبرؔ نے قیام سے رکوع کی طرف جھکا ہی دیا۔ اب رکوع میں قیام سے زیادہ لذت اور راحت ملنے لگی۔ اب تو رکوع کی منزل سے آگے بڑھنا اور پھر تبدیل رکن کرنا دشوار ہو گیا، مگر پھر اسی اللہ اکبر کی دل ہلا دینے والی صدا نے رکوع سے متبدل کر کے رکن سجدہ تک پہنچا دیا۔ اس وقت ہر تبدیل رکن اور اس کی لذت پر اللہ اکبرؔ کے معنی یہ معلوم ہو رہے تھے کہ بام الوہیت بہت بلند ہے۔ بڑھے چلو بڑھے چلو، الحاصل جب منزل سجود تک پہنچ گئے تو اب سر اٹھانا گردن کٹانے سے کم تکلیف دہ نہ تھا دل کسی کے قدموں سے آنکھیں مل مل کر دل ہی دل میں، قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کی تصدیق کر رہا تھا۔

یافت اندر سجدہ آخر جائے او | سر نہ بردارد دلم از پائے او
عقل از سر برد حیرانی ما | گشت سجدہ جز و پیشانی ما

مگر حضرت امام کی تقلید اور اللہ اکبر کی پُر معنی صدا نے پھر اک

مرتبہ اٹھا کر کھڑا ہی کر دیا۔

اب رکعت ثانی میں ادھر حضرت امام نے کہا الحمد للہ رب العالمین کہا ادھر الفاظ کے حجابات مرتفع ہو کر، غیر متناہی معانی کا عالم پیش نظر ہو گیا۔ شجر سے، حجر سے، زمین سے آسمان سے بہ صدائے بازگشت الحمد للہ رب العالمین کی آواز آ رہی تھی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ حمد باری کا منظر یا مظہر نظر آ رہا تھا جی چاہتا تھا کہ حضرت امام آب آگے نہ بڑھیں، مگر حضرت نے الرحمٰن الرحیم فرما ہی دیا۔ اسی طرح ہر جملہ اور آیت پر رکتے، اور پھر بمشکل تمام آگے بڑھتے ہوئے دوسری رکعت بھی ختم کی۔ ہر مقام کی کشش، اور ہر منزل کی کشاکش سے، ختم نماز پر گویا ہمارا خاتمہ ہی ہو گیا۔ جسم کی تمام ہڈیاں چور چور ہو گئیں، ادھ موئے ہو کر فرش خاک پر خاک کی طرح فرش ہو گئے حضرت امام نے دعا کے بعد ہماری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔

بابا نماز جہاد اکبر ہے

حضرت امام کی قرأت میں دوسرے تمام معانی کے منجملہ صراط الذین انعمت علیھم الخ کے معنی یہ معلوم ہوئے کہ ہم کو ان لوگوں کی راہ چلا جو ایمان کی راہ یعنے خوف و رجا کے درمیان چل رہے ہیں، اور جامع خوف و رجا ہیں، ان لوگوں کی راہ مت چلا جو تیری رحمت سے نا امید ہو کر صرف تیرے غضب سے ڈر مر رہے ہیں، نہ ان لوگوں کا رستہ چلا جو تیرے غضب سے نڈر ہو کر صرف تیری رحمت کی امیدیں میں آپے سے باہر اور گمراہ ہو گئے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ تفسیرہ ذٰلک مبلغھم من العلم الخ

درود ابراہیمی

ایک دن یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ تمام درودوں میں جو درود بالتواتر ثابت ہے وہ درود ابراہیمی ہے۔ اس درود کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ نماز میں پڑھا جاتا ہے یہ امر غور طلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں وہ کونسا امر خصوصی تھا جس کی تشبیہ دے کر، اور مثال قائم کر کے محمد رسول اللہ پر نزول رحمت کی دعا کی جاتی ہے

اس سوال پر ہم خاموش ہو گئے، ہم کو خاموش پاکر وہ خود ہی کہنے لگیں کہ مقدمے کے طور پر پہلے چند امور ذہن نشین کر لیجئے۔ قران سے ثابت ہے کہ منشائے خلقت عبادت ہے، یا عبدیت (ما خلقت الجن والانس الالیعبدون) عبدیت کی صفت آخرہ اور کاملہ تسلیم ورضا ہے، تسلیم ورضا میں حضرت ابراہیم و آل ابراہیم (اسمٰعیل) فرد کامل ثابت ہوئے ہیں باپ کا یہ کہنا۔ یا بنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ۔

بیٹے کا کہنا۔ یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین،

پھر باپ کا اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو ذبح کرنے کے لئے، اور بیٹے کا بغیر کسی جرم وخطا کے اپنے ہی باپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کے واسطے محض رضائے الہٰی کے لئے سر تسلیم خم کرنا (فلما اسلما وتلہ للجبین

تسلیم و رضا اور کمال عبدیت کی بے نظیر مثال ہے۔ اسی لئے اس بے نظیر مثال کی نظیر اور مثال قائم کر کے محمد اور آل محمد پر رحمت طلب کی جاتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ استدعائے صلواۃ درجہ قبولیت کے کس حد تک پہنچی ہے؟ محمد رسول اللہ کو دیکھئے کہ تبلیغ اسلام میں محض رضائے الٰہی کے لئے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں۔ خود آپ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبتیں مجھ پر نازل ہوئی ہیں کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئیں۔

طائف والوں نے پتھر مار مار کر پائے مبارک زخمی کر دیا، جنگ احد میں دندان اقدس شہید ہوئے مگر دعا کے سوا کسی کو برائی سے یاد نہیں فرمایا۔ اسی درود ابراہیمی کے تحت آل رسول کی شان دیکھئے، سیدنا حسین نے کیسی کیسی کڑیاں جھیلیں، اہل بیت رسول کی کیا کیا تباہیاں ہوئیں ہیں۔ سیدنا اسمٰعیل پر تو تلوار کھنچکر رہ گئی مگر تشنہ کربلا کا تو سر ہی تن سے جدا کر دیا گیا اس شہادت کے بار عظیم کو (ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین) کہتے ہوئے جس تسلیم و رضا کے ساتھ حضرت امام نے برداشت کیا ہے تاریخ کے کسی صفحہ میں اس کی مثال نہیں ہو سکتی۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ

دیکھو علیؓ و فاطمہ کے ماہ کا رنگ دیکھو شہ لولاک کے نوشاہ کا رنگ
ڈوبے ہوئے ہیں خون شہادت میں حسین ہے جامۂ عبدیت میں اللہ کا رنگ

پڑھو دوستو اللّٰھم صلی علی محمد و علی اٰل محمد
کما صلیت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم

اے خدا محمد اور آل محمد (امت محمد) کو عبدیت کاملہ عطا فرما اور ان کو تسلیم ورضا میں فردِ کامل بنا دے، آمین۔

میدان قیامت

ایک دفعہ میدان قیامت کا ذکر ہو رہا تھا۔

ہم کہہ رہے تھے وہ وقت کیا ہی ہولناک ہوگا جب کہ ہم حضرت ربّ العزت واحد القہار کے سامنے پیش ہوں گے۔ اسرع الحاسبین سوال فرمائے گا ہم گناہگاروں کو جوابات دینے پڑیں گے دیکھئے اس وقت کیا بنتی ہے اور کیسی گزرتی ہے؟

یہ سُنکر سلمیٰ نے کہا ہمارے خیال میں تو وہ وقت ہمارے لئے نہایت مسرت خیز ہوگا کہ ہم سے گندے بندے حضرت قدوس میں پیش ہوں گے۔ برسوں کی مشتاق آنکھیں کسی کے جمال بے مثال کو کما ترون القمر دیکھ رہی ہوں گی۔

آپ ہی غور کیجئے کہ خدائے عالم الغیب جس پر ظاہر و باطن کھلا ہوا ہے، ہم اور ہمارے ضمیر کے رگ و ریشے سے ازل سے ابد تک واقف ہے ہم سے کیا استفسار فرمائے گا؟ اور ہمارے جوابات سے اس کے علم میں کیا اضافہ ہو سکے گا؟ اس عالم الغیب کے لئے ہم سے کچھ پوچھنا نہ پوچھنا دونوں برابر ہے۔ پوچھنا تو ہم ظلوم و جہول بندوں کے لئے ہے جن کی تمام عمر جہالت اور نادانی میں بسر ہوئی، ہزاروں کیوں، کیا

خون کے گھونٹ کی طرح پی پی کر رہ گئے لاکھوں گتھیاں بے سلجھی اور کروڑوں پہیلیاں اَن بوجھی رہ گئیں، ایسا موقع تو قسمت ہی سے کسی کے ہاتھ آتا ہے آپ جس کو حشر سمجھے ہیں میں اسے شرح زندگی خیال کرتی ہوں۔

کیا خوف ہے آتش سقر سے ان کو
جو دل کی لگی کو دل لگی کہتے ہیں
جس کو سمجھے ہیں حشر دنیا والے
ہم تو اسے شرح زندگی کہتے ہیں

برہان و دلیل سب معطل ہو جائیں
جتنے قضیئے ہیں دم میں فیصل ہو جائیں
ہر چند بہت سوال لا ینحل ہیں
تم سامنے آ جاؤ تو سب حل ہو جائیں

عطائے من بہ لقائے من

اسی طرح ایک دن مولوی عظمتہ اللہ خاں صاحب بی اے مرحوم نے ہمارے ایک کالنقش فی الحجر کو پنسل کی بنی ہوئی تصویر کی طرح صفحۂ دل سے مٹا دیا تھا اور برسوں کی قائم کی ہوئی امید کو چشم زدن میں یاس سے بدل دیا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ

ایک دن ہم میں اور خاں صاحب موصوف میں آرزو پر گفتگو ہو رہی تھی۔ مختلف مباحث کے بعد ہم نے کہا کہ ہمارے دل میں بھی ایک آرزو ہے۔

خاں صاحب نے تعجب سے کہا، ہیں؟ مولوی صاحب! آپ اور

آرزو؟

ہم نے کہا ہاں ہم بھی مکان میں اک مکیں اور اپنے دل میں ایک دلنشین آرزو رکھتے ہیں۔ خان صاحب نے کہا کہ ہم بھی تو سنیں آخر وہ کیا آرزو ہے؟

ہم نے کہا، میدان قیامت ہو، تخت جلال پہ صاحب جلال وجمال جلوہ فرما ہو، دربار الوہیت اپنے تمام ارکان سے بھرا ہوا ہو، پھر اس تلمیذ الرحمٰن کو اپنی رباعیاں سنانے کا حکم دیا جائے اور وہ ہر ایک کی سننے والا اس شور وغل کے سماں میں ہماری بھی دو چار رباعیاں سن لے بس تم المقصود، پھر چاہے جو کچھ ہو جہنم میں بھیجے کہ جنت میں۔

خانصاحب ہمارے اس مجنونانہ تخیل کو سُنکر زیر لب مسکراتے ہوئے فرمانے لگے۔

مولانا! آپ کی اس درخواست پر اگر موقف صمدیت سے یہ آواز آئے کہ

کس کی چیز کس کے پاس پیش کرتے ہو؟ کیا ہمارا ہی عطیہ، آج ہمارے سامنے تحفہ کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے؟ انّ ھٰذا لشئ عجاب۔

خاں صاحب موصوف کے اس جواب سے رہی سہی امید بھی لاجواب ہو کر ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم کہتی ہوئی رخصت ہوگئی کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً حتی اذا جاءہٗ لم یجدہ شیئاً ووجد اللہ عندہٗ فوفاہُ حسابہ۔

کہنے کو زباں ہیں ہوں، تقریر تو ہے
تدبیر کی شکل ہیں ہوں تقدیر تو ہے

ہیں مثل سراب، اور تو آبِ لطیف
ہیں خواب کے مانند ہوں تعبیر ہے تو

آمدن، آوردن

ایک دفعہ ہم نے بدقت تمام ایک بڑھی بحر میں ایک نظم کہی تھی نظم ختم کر کے حسب عادت تنقید کے لئے سلمیٰ کو سنائی۔ وہ سن کر خاموش ہو رہیں۔ اچھا کہا نہ بُرا۔ ہم نے پوچھا کیوں، کیا نظم اچھی نہیں ہے؟ کہنے لگیں، ہاں اچھی تو ہے۔ جب آپ نے کہی ہے تو اچھی کیوں نہ ہو گی۔ ہم کو اس طنز آمیز تعریف سے بڑی تکلیف ہوئی، ہم نے کہا آخر اس میں نقص ہی کیا ہے؟ کہنے لگیں اس میں کمال ہی کیا ہے فرمایشی نظم معلوم ہوتی ہے جو اجرت لے کر لکھی جاتی ہے، صاحب! جس طرح مار مار کر گاؤں نہیں بسائے جا سکتے، اسی طرح محض وزن کے لئے الفاظ کو بے محل، ان کے منشار کے خلاف بٹھا بٹھا کر مضمون میں اثر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ آپ آمد نامہ کا پہلا مصدر آمدن ہی یاد رکھئے، آوردن تک تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں۔

نغمہ کا ہے شوق لحن داؤد نہیں
اس طرز میں حمد کی کہ محمود نہیں

لازم ہے کہ آہ بھی جگر سے اٹھے
اک واہ ہی شاعری کا مقصود نہیں

جہلِ عقل

ایک دفعہ حقیقت عقل پر عقل آرائی ہو رہی تھی۔
ہم کہہ رہے تھے کہ انسان کے لئے عقل ہی بڑی چیز ہے۔
انسان کو دوسری مخلوق سے ممیز کرنے والی معاش و معاد کے اسباب کو ترتیب دینے والی عقل ہی ہے۔
ساتھ ہی سلمیٰ نے کہا ؎

عقل ہی سے ممتاز ہے انسان عقل نہیں تو کچھ بھی نہیں
عقل ہی سے ہر دل ہے پریشاں عقل نہیں تو کچھ بھی نہیں

پھر ہم سے پوچھا، عقل مذکر ہے یا مونث؟ ہم نے کہا ہماری زبان میں تو مونث ہی مستعمل ہے کہنے لگیں پھر تو ہُنّ ناقصات العقل کے تحت عقل بھی ناقص العقل ہو جاتی ہے۔

پانی مانگا تو اس نے آئینہ دیا — میں طالب اصل تھا مگر نقل ملی
جس عقل پہ ہے گھمنڈ ہم کو امجد — افسوس کہ وہ بھی ناقص العقل ملی

خدا کس کا

ایک دفعہ گفتگو ہو رہی تھی، خدا ایک ہے، بندے لاکھوں ہیں۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے خدا میرا ہے معلوم نہیں حقیقت میں یہ خدا کس کا ہے اور کس کا نہیں ہے، اللہ تو کس کا؟

سلمیٰ نے کہا، آپ کس کا کیا پوچھتے ہیں؟ جس نے اُسے پکارا وہ اس کا ہے۔ مثال کے لئے دیکھئے دنیا میں ہزاروں لاکھوں چیزیں ہیں۔ جمادات ہیں، نباتات ہیں، حیوانات ہیں کیا ان میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز فلاں شخص کے لئے خصوصیت کے ساتھ بنائی گئی ہے نہیں کوئی چیز بھی دنیا میں کسی کے نامزد ہو کر نہیں بنی ہے، جس نے استعمال کیا، جس نے کام لیا بس وہ چیز اسی کی ہو جاتی ہے۔ قل ما یعبؤبکم ربی لولا دعاؤکم۔

امجد اس جا کسی کی تخصیص نہیں — جو مجھ کو پکارتا ہے اس کا ہوں میں
سنتا ہوں صدائے دردِ ہر بیکس کی — ملنے والے سے دل سے ملتا ہوں میں

وطن اور غربت

حج کو جاتے وقت ایک دن ہم نے کہا تھا کہ اب تک وطن میں آرام سے گزری دیکھئے اب پردیس میں کس طرح گزرتی ہے؟

یہ سنکر کہنے لگیں کہ میرے خیال میں غربت اور وطن دونوں آپ کی اعتباری چیزیں ہیں۔ اگر سمجھو تو کیا حیدرآباد اور کیا حجاز ہر مقام، مقام غربت ہے، کسی کو ہمیشہ کے لئے کہیں رہنا نہیں ہے، چند روز سکونت کے لئے ہر مقام وطن سمجھا جا سکتا ہے نہ حیدرآباد کی خصوصیت نہ حجاز کی ـــ یا تو عالم کے ہر حصہ کو غربت سمجھو یا ہر مقام کو وطن خیال کرو۔

جہاں لگ گیا جی چمن ہے وہی | جہاں رہ گئے ہم وطن ہے وہی

بیوقوف عورت

ایک دفعہ کسی بات پر ہم نے کہدیا کہ تم بڑی بیوقوف عورت ہو ہنسکر کہنے لگیں اپنی عقلمندی کے اظہار کے لئے عورت کو صفت بیوقوف سے متصف کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ عورت اور بیوقوف دونوں مترادف الفاظ ہیں، عورت کے ساتھ صفت بیوقوف کا اظہار اپنی بیوقوفی کا اظہار ہے۔

مجنوں اور فیلسوف ہم معنی ہیں | عورت اور بیوقوف ہم معنی ہیں

نئی قدرت

ایک دفعہ کھانسی کی وجہ سے بہت تکلیف میں تھیں، رات رات بھر جاگتے گذر گئی۔ بہت دوائیں کیں فائدہ کچھ نہ ہوا۔ ان کے کرب اور بیچینی کو دیکھ کر ہم نے کہا کیا خدائے تعالیٰ میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ تم کو شفا دیدے۔

اسی حالت میں کہنے لگیں کہ میں سمجھتی ہوں کہ آپ نے قدرت کے صحیح معنی ہی نہیں سمجھے۔ قدرت اس کا نام نہیں کہ فوراً اپنی طاقت کا استعمال کیا جائے بلکہ قدرت کے یہ معنی ہیں کہ باوجود کامل قدرت رکھنے کے زمام قدرت ہاتھ سے نہ نکلے۔ اگر خدائے تعالیٰ آپ کے خیال کے

ہوافق اپنی ہر قدرت کا عاجلانہ طور پر اظہار کرتا رہے تو تمام عالم کا کارخانہ چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔

اچھی سیرت نہیں تو صورت کیا — ضبط قدرت نہیں تو قدرت کیا

سبحانك على حلمك بعد علمك — سبحانك على عفوك بعد قدرتك

فی الموت حیات

ایک دفعہ کسی عالم میں ایک حسین جمیل نوجوان کو دیکھا کہ ایک نورانی تخت پر کسی ماہ چہاردہ کے زانو پر سر رکھے لیٹا ہوا ہے اس نوجوان کے گلے پر زخم کی ایک ہلکی اور خفیف سی لکیر پڑی ہوئی ہے جو کبھی نہایت سرخ ہو کر خون ٹپکنے کے قریب ہو جاتی ہے۔ کبھی بالکل معدوم ہو کر نظر ہی نہیں آتی میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟

کہا، میں شہید ہوں، لیکن سننے کی بات تو یہ ہے کہ گلا کٹانے سے قبل، راہ خدا میں اپنا گلا کٹانا بہت مشکل اور نہایت صعب معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن لڑائی کے وقت جب موت کے آئینے میں حیات جاوداں کی صورت نظر آئی، ہزار جان سے قربان ہو گیا۔ قربان ہونے اور گلا کٹانے کے بعد ....

اب تو مرا سر ہے اور ترا زانو ہے — ہر کروٹ میں نشاط کا پہلو ہے

میں سر دینے میں کیوں تامل کرتا — معلوم نہ تھا کہ میرا قاتل تو ہے

توکل علی اللہ

ہمارے خسر مولوی سید نادر الدین صاحب کے انتقال کے بعد ہم اپنی معاش کی قلت اور حضرت مرحوم کے ورثاء کی کثرت کے خیال میں پریشان ہو کر سر بگریباں بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمیٰ نے پوچھا، کہئے کس فکر میں ہیں؟

ہم نے کہا فکر؟ فکر کو کیا پوچھتی ہو، اُنیس روپے ماہوار میں تو نفوس کس طرح پل سکتے ہیں۔

سلمیٰ نے کہا کیا ہمارے لئے خدا کافی نہیں ہے

ہم نے نہایت سرسری طور پر کہا، ہاں خدا تو ہے"

سلمیٰ نے نہایت بگڑ کر کہا کہ آپ شکی طور پر "خدا تو ہے" کیا کہہ رہے ہیں۔ یقین کے ساتھ کہئے کہ ہاں ہمارے لئے خدا ہی ہے اور کامل طور پر خدا ہی پر بھروسہ کیجئے۔

فتوکلوا علی اللہ ان کنتم مومنین

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو   منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو   بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

توحید افعالی

ایک دفعہ توحید افعالی میں گفتگو ہو رہی تھی۔

ہم نے کہا جب سب کچھ کرنے والا ایک واجب الوجود ہے تو افعال کی نسبت ہماری طرف کیوں کی جاتی ہے خصوص ان افعال کی نسبت ہماری طرف نہایت حیرت خیز ہے جس میں ہمارے قصد وارادہ کو بالکل دخل نہیں ہے۔

بلکہ ہمارا بس چلتا تو ان افعال کے کبھی مرتکب ہی نہ ہوتے۔ مثلاً گرنا، تڑپنا، کھونا وغیرہ ان افعال ہیں، میں گرا، میں نے کھویا، میں تڑپا، کہا جاتا ہے۔ اور گرنے اور کھونے اور تڑپنے کی نسبت میری طرف ہو رہی ہے اور میں ان افعال کا قائل قرار دیا جاتا ہوں کیا ان افعال کی نسبت (جو بداہتہً غیر اختیاری ہیں) میری طرف صحیح ہے؟

سلمیٰ نے کہا کہ ہاں صحیح، اور بالکل صحیح ہے۔ البتہ اس متاثر (میں گرا) کا موثر آپ کی نگاہوں سے مخفی ہے، اصل میں 'میں گرا' سے پہلے گرایا گیا' یا کسی نے گرایا' مقدر ہے، پورا جملہ اس طرح ہے کہ کسی نے مجھے گرایا' اور میں گرا۔ جیسے لکڑی ٹوٹ گئی سے پہلے توڑی گئی محذوف ہے حتیٰ علیہ البواقی۔ علاوہ بریں، جب تک اصل ذات آنکھوں کے سامنے نہ ہو تمام افعال کی نسبت اجزاء اور اعضاء کی طرف ہوتی ہے مثلاً کسی پردے کے پیچھے سے صرف کوئی ہاتھ برآمد ہو کر آپ کو مار دے تو آپ یہی کہیں گے کہ' مجھے ہاتھ نے مارا لیکن جب اصل شخص برآمد ہو کر آپ کو ہاتھ ہی سے مارے تو آپ ہاتھ سے قطع نظر کر کے فعل ضرب کو ذات کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہی کہیں گے کہ فلاں شخص نے مارا

اسی طرح ذات کلی جب تک آپ کے پیش نظر نہو آپ تمام افعال کو اجزا (زید، عمر) کی طرف منسوب کریں گے اور جب پردہ حائل مرتفع ہوکر، یوم یکشف عن ساق کا وقت آجائے گا تو تمام افعال ایک ہی ذات سے صادر ہوتے ہوئے معلوم ہوں گے اور لاقوۃ الا باللہ کی بحق الیقین تصدیق ہوجائے گی لوکان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا

بے ذات وجود سایہ ناممکن ہے ۔۔۔ دیوار بغیر پایہ ناممکن ہے
دیوار اگر گرے تو پایہ نکلے ۔۔۔ قطرے کا جگر چیریں تو دریا نکلے

اسی سلسلے میں ہمارا ایک اضطراری اور غیر اختیاری واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

کام کسی کا نام کسی کا

ایک دفعہ کسی مسجد میں ہم نماز پڑھنے گئے شیروانی آتار کر وضو کرنے کے لئے حوض کے کنارے جا بیٹھے بیٹھے ہی تھے کہ برہنہ اور مقشر سر پہ کوئی چیز گری اور سر پہ دستِ شفقت پھیرتی ہوئی حوض میں جا پڑی دیکھا تو معلوم ہوا کہ مسجد والے کوٹھے کی ایک کھڑکی تھی جو راج کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہمارے برہنہ سر پہ وتبتل الیہ تبتیلا کہتی ہوئی ٹوٹ پڑی تھی۔

پانی کے حوض کے پاس خون کا فوارہ چھوٹ گیا۔ نہیں معلوم کونسی نماز تھی کہ پانی کی جگہ خون سے وضو کیا گیا۔ ہم سر پکڑے آنکھیں بند کئے

مراقبے میں بیٹھے رہے۔ خون اطمینان کے ساتھ بہتا رہا۔ آسمان پر اڑنے والے دماغی خیالات خون کی صورت میں نزول کر کے حوض کی نالی میں اترنے لگے جب خون اچھی طرح بند ہو گیا ہماری بند آنکھیں کھلیں حوض سے پانی لے کر سر دھویا۔ ترتیب وضو میں سر کے مسح سے ابتدا ہوئی۔ وضو سے فارغ ہو کر الحمد للہ رب العالمین کہتے ہوئے نماز ظہر ادا کی ہم نے اس زخم کاری کو کسی زنگاری پردہ نشین کی دستکاری سمجھ کر چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن جس طرح بعض مقام کا زخم بتایا نہیں جا سکتا۔ کسی جگہ کا زخم چھپایا بھی نہیں جا سکتا۔ ہر شخص پوچھتا کہ آپ کو کس نے زخمی کیا ہے؟ ہم کیا کہتے کس کا نام بتلاتے؟ گرنے والے کا گرانے والے کا؟ آمر کا یا مامور کا؟

سب کرتے ہیں وہ چھپکر تدبیر اسے کہتے ہیں
ہم دھر لئے جاتے ہیں تقدیر اسے کہتے ہیں

اس واقعے سے ہم کو افسوس بھی ہوا، حیرت بھی ہوئی، مسرت بھی ہوئی۔

افسوس تو اس لئے کہ سر شکن چوٹ صرف خون کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی دوا نچہ اور بڑھ جاتی تو دماغ کے ساتھ دماغ کا جنوں بھی دفع ہو جاتا۔ نام بہت ہوا کام کچھ بھی نہ ہوا۔

حیرت اس لئے کہ مرض لاحق ہونے سے پہلے دوا تیار کر دی گئی یعنی سر پھٹنے سے پہلے خون بہنے کے لئے نالی اور سرد ہونے کے لئے پانی کا انتظام کر دیا گیا۔

راحت کے خیال میں اُٹھائی زحمت
نکلے تارے شب سیہ سے پہلے

دیکھو امجدؔ! جلال میں شان جمال
توفیق دی توبہ کی گنہ سے پہلے

مسرت اس لئے کہ تقریباً پاؤ بھر خون نکل گیا، تکلیف ماشہ بھر ہوئی

مٹھائی والے کا فقرہ "ایک پیسے میں تین مزے"
تماشے والوں کا اشتہار ایک ٹکٹ میں تین تماشے
} تجربۃً صحیح ثابت ہوا

قدر انداز نہیں پیش نظر
لوگ کہتے ہیں قضا نے مارا

تیغ کا نام ہے ناحق بدنام
مجھے قاتل کی ادا نے مارا

(رباعی) کیوں خوف تعینات سے روتا ہے
ڈر کر ہر ایک سے جان کیوں کھوتا ہے

خنجر ہر چند کاٹتا ہے لیکن
کب؟ جب کہ کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے

قبض و بسط

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ ختم مراقبے یا ذکر و شغل کے بعد کبھی لذت اور کبھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ نہیں معلوم تکلیف کیوں ہوتی ہے اور لذت کیوں ملتی ہے؟

سلمیٰ نے کہا کیوں کا جواب کبھی ملا ہے نہ ملے گا۔ آپ ہی کی رباعی پڑھیے۔

کیوں گرم ہے آفتاب معلوم نہیں
کیوں ہے یہ انقلاب معلوم نہیں

جی بھر کے سوال کر لو جتنے چاہو
سب کا ہے یہی جواب معلوم نہیں

لیکن پھر بھی بچوں کی طرح اپنے آپ کو سمجھانے کے لئے کوئی نہ

کوئی وہی صورت قائم کرنی پڑتی ہے۔ میرے خیال میں کوئی شغل یا مراقبہ حضوری حضرت الوہیت سے خالی نہیں ہو سکتا لیکن تجلیات میں یکسانیت نہیں ہوتی۔ ہم کبھی تجلی ذات سے متاثر ہوتے ہیں کبھی تجلی صفت سے تجلی ذات سے انقباض ہوتا ہے اور تجلی صفات سے انشراح مثال کے لئے یوں سمجھئے کہ آپ کسی ایسے شخص کے سامنے تمام دن بیٹھے رہیں جس سے بادی النظر میں کسی صفت کا اظہار ہی نہ ہو۔ نہ بولتا ہو، نہ ہنستا ہو، نہ روتا ہو، نہ اشارہ، نہ رفتار، نہ گفتار بلکہ صرف ایک مجسمہ کی طرح بالکل ساکت وصامت ہو تو ایسے شخص کی ملاقات سے سوائے انقباض کے کوئی اور بات حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کی صحبت سے جی بالکل اچٹ جاتا ہے۔

لیکن وہی شخص پھر کبھی اپنی خاموشی کا قفل توڑ دے اور اس سے اشارے کنائے رفتار، گفتار کا اظہار ہونے لگے تو آپ کے دل میں ایک انبساطی اور انشراحی کیفیت پیدا ہو جائے گی، اور اس کی صحبت سے ہٹنے کو جی ہی نہیں چاہے گا۔

حاصل یہ کہ —— قابض و باسط دریں جا جز تو کیست
ہر کہ آید در نظر غیر تو نیست

وجہ پریشانی

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ دنیا میں ہر شخص کم و بیش مصیبت میں گرفتار

ہے۔ ہر متنفس اطمینان قلب سے محروم ہے نہیں معلوم اس کا کیا سبب ہے۔ گوتم بدھ نے رفع مصیبت کی ایک تدبیر بتائی ہے کہ خواہش ہی ترک کر دی جائے کیونکہ تکلیف خواہش کی عدم تکمیل سے ہوتی ہے جب خواہش ہی نہ ہو گی تو کوئی تکلیف ہی نہ ہو گی۔

سلمیٰ نے کہا، واہ عجب تدبیر ہے جو عام تکلیفوں سے زیادہ مکلف ہے۔

میری رائے میں خواہش اور زندگی دونوں مترادف نہیں تو لازم و ملزوم تو ضروری ہیں جب تک زندگی ہے تب تک خواہش ہے اور جب تک خواہش ہے تب تک زندگی ہے۔

(راوی ایک امریکن خاتون نے اظہار ماضی اور امید، استقبال سے زندگی تعبیر کی ہے جو قابل تعریف ہے مگر ہمارے خیال میں سلمیٰ کا مفہوم زندگی اس سے بھی زیادہ لطیف اور مختصر ہے

(۲) اب رہی یہ بات کہ دنیا میں ہر شخص کو تکلیف کیوں ہوتی ہے؟

میرے خیال میں "کُن فی الدنیا کانک غریب، او عابر سبیل (دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر ہوتا ہے یا کوئی راہ رو) کے تحت فی الحقیقت ہر شخص مسافر ہے سانس کے ساتھ ساتھ خود بھی اپنے مرکز اعلیٰ اور قدیم وطن کی طرف دن رات چلا جا رہا ہے

ہر سانس میں پیغام حبیب آتا ہے　　جو دن جاتا ہے تو قریب آتا ہے
(خرقۂ امجد)

مسافر آشنائے راہ میں کبھی راحت اقامت نہیں حاصل کر سکتا۔ راستہ

چلنے والے کو حقیقی آرام کبھی نہیں مل سکتا۔

جھونپڑے کے رہنے والے کو چند روز کیلئے قصرِ شاہی کیوں نہ مل جائے مگر جب تک اپنے جھونپڑے میں نہیں پہنچ جاتا اس کو کامل سکون نصیب نہیں ہوتا۔

ہر محفل سے بحالِ خستہ نکلا
ہر بزمِ طرب سے دل شکستہ نکلا
منزل ہی نہیں یہاں مسافر کیلئے
سمجھا تھا جسے مقام رستہ نکلا

اللہ ہو

ایک دفعہ ہم اور جمال سلمیٰ اللہ ہو کا ذکر کر رہے تھے۔
ذکر سے فارغ ہو کر سلمیٰ نے پوچھا کہ اس ذکر "اللہ ہو" کا کیا مطلب ہے؟
ہم پہلے تو بہت دیر تک سوچتے رہے اور پھر بہت کچھ سوچ سمجھ کر بھی جو جواب دیا تو یہی کہ ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔
سلمیٰ نے کہا صحیح علم تو عالموں کو ہو گا مگر آج کے ذکر میں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ "اللہ ہو" ایک جملہ تامہ اور مبتدا اور خبر سے مرکب ہے۔ "ہو" بالواؤ جو لکھا جاتا ہے صرف اشباع ضمہ کے لئے ہے، ورنہ اصل میں "اللہ ہٗ یا اللہ ھُ ہے۔
جس کے معنی بصورت اول (یعنی اللہ ہٗ) یہ ہو سکتے ہیں کہ اللہ ہر شئے پر محیط اور محیط الکل ہے اور یہ مختصر سا جملہ ان اللہ علیٰ کل شئ محیط کی تلخیص ہے۔

(۲) بصورتِ دوم یعنی دوشخص ہونے کی صورت میں یہ جملہ،
اِنَّ اللہ بصیرٌ بالعباد، یا اِنَّ ربّکَ لبالمرصاد کا ملخص سمجھا جاتا ہے۔
قل ہو اللہ، میں ہُ کی تفسیر اللہ سے کی گئی ہے۔
اور اللہ ہو میں اللہ کی تفسیر ہُ سے ہوتی ہے۔
اگرچہ ان دونوں صورتوں میں تعریف شئے لنفسہ ہو جاتی ہے
مگر کیا کیا جائے؟ صورت ہی ایسی واقع ہوئی ہے، غیرت وحدت نے
غیریت کا نام و نشان تک کہیں نہیں رکھا اب انت کما اثنیت علی
نفسک کے سوائے کیا کہا جا سکتا ہے؟
امجد کی تعریف، احمد حسین سے ہوتی ہے اور احمد حسین کی تعریف
امجد سے

لاموجود الا اللہ

اے چشم نگر، نور مجرد آمد	اے گوش شنو کہ صوت سرمد آمد
جمع غیر تو کہ آید بہ نہاں خانہ	امجد بکشا درے کہ امجد آمد

باب جہنم

ایک دفعہ فضائل رمضان مبارک کے سلسلے میں ہم نے کہا
کہ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔
سلمیٰ نے کہا صرف روزہ داروں کے لئے
اور اس عالم غیب کے واقعہ کی تصدیق ہمارے عالم شہادت

سے بھی ہو سکتی ہے۔

ہم نے تعجب سے پوچھا وہ کس طرح؟

سلمیٰ نے کہا ہمارا پیٹ جہنم ہے اور منہ اس کا دروازہ ہے دوزخ کا دروازہ بند ہونے کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ صائم کا منہ تمام اکل و شرب سے رُک جاتا ہے۔

ہائے اس پیٹ پر خدا کی مار	نہ بھرا ہے نہ بھر سکیگا یہ نار
وقنا ربنا عذاب النار	بھوک کی آگ، آگ سے بھی ہے تیز

ناری

ایک دفعہ ہم نے کہا جہنم میں بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔

سلمیٰ نے کہا، شاید اسی لئے ہندی زبان میں عورت کو ناڑ اور ناری کہتے ہیں۔

اس صورت میں شیخ سعدیؒ کا شعر { زینہار از قرین بد زینہار
وقنا ربنا عذاب النار

اور بھی پُر لطف ہو جاتا ہے۔

پست و کشاد

ہمارے گھر کے پاس والی مسجد میں دو نل لگے ہیں ایک نیچے

ایک اوپر، جب نیچے کا نل کھول دیا جاتا ہے تو اوپر والے نل کا کھلا ہوا پانی خود بخود بند ہو جاتا ہے۔

ہم گھر سے صراحی لئے پانی بھرنے کے لئے اسی نل پر پہنچے اوپر والے نل پر ایک نوعمر لڑکا نل کھول کر منہ دھو رہا تھا۔ ہم نے کہا میاں لڑکے ذرا دیر کے لئے نل بند کر دو کہ ہم نیچے کے نل سے صراحی بھر لیں۔ ظالم لڑکا منہ بنا کر کہتا گیا ہے" اجی حضرت کہنے کی کیا ضرورت ہے، آپ نیچے کا نل کھول لیں اوپر کا نل آپ ہی بند ہو جائے گا۔ دروازے کے پاس ہماری بی سلمیٰ کھڑی ہوتی تھیں، لڑکے کی گفتگو انہوں نے بھی سن لی ہم نے جب صراحی لیکر گھر میں قدم رکھا، سلمیٰ نے کہا کہ لڑکے کی بات کچھ آپ کی سمجھ میں بھی آئی۔

ہم نے کہا! اس میں سمجھنے کی کیا بات تھی۔ اس نے تو کہا کہ نیچے کا نل آپ کھول لیں اوپر کا نل آپ ہی بند ہو جائے گا۔

سلمیٰ نے کہا اتنی کھلی بات آپ کی سمجھ میں نہ آئی۔

وہ یہ کہتا ہے کہ کشفِ باطن کے لئے صرف حواس ظاہر سے قطع نظر کر لو اور بس آنکھوں کو تو کوئی تماشا چاہے ادھر سے بند ہو نگی تو ادھر کھلیں گی۔

جسم سے قطع نظر کی تو کھلا روح کا راز
مجھے تنہائی میں بھی انجمن آرائی ہے

کوہ اور دشت میں بہتر لئے کہاں جانے امجد
بند کر آنکھ یہی گوشۂ تنہائی ہے

بگزر از صحرا، درآ اندر چمن | ایں طلسم حسن ظاہر بر شکن
چشم بند و گوش بند و لب بہ بند | گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

قبولیت دُعا

ایک دفعہ دعا کی قبولیت میں گفتگو ہو رہی تھی۔

کہنے لگیں کہ قبل اس کے کہ دعا حضرت صمدیت میں درجہ اجابت تک پہنچے، خود دُعا کرنے والے کے پاس مقبول ہوئی چاہیئے یعنی دعا کرنے والے کو پہلے خود اپنی دعا میں لذت اور محویت ہونی چاہیئے پھر ایسی دعا کے باب اجابت تک پہنچنے میں کوئی پردہ یا حجاب مانع نہیں ہوسکتا۔ دعا کرنے والے کی آواز میں منت و عاجزی کے وہ تمام عنصر شامل ہونے چاہئیں جو خاص گنہ گاروں کی التجاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ خلوص کے ساتھ دعا کئے جاؤ کئے جاؤ، کئے جاؤ اب قبول ہوتی ہے۔ اب قبول ہوتی ہے۔ اب قبول ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ قبول ہو جاتی ہے۔

اسی لئے صاحب نشہ کو نماز سے اس وقت تک روکا گیا ہے جب تک اس کے دماغ میں اپنے ما یقرء کو سمجھنے کی قابلیت نہ پیدا ہو جائے لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون۔ ایک مرتبہ میں دعا میں واعف عنا واغفرلنا وارحمنا کہہ رہی تھی میرا مخاطب مجھ سے پوچھ رہا تھا آگے کیا مانگتی ہے؟

مگر مجھے اپنی دعا کی لذّت اور کیفیت کی وجہ سے یہی کہتے بنی، میرے مولا! اس کے سوا میری کوئی خواہش اور آرزو نہیں ہے کہ میں اسی طرح پکارا کروں اور تو اسی طرح سنتا رہے۔

غم سے ترے اپنا دل نہ کیوں شاد کروں
جب تو سنتا ہے کیوں نہ فریاد کروں
میں یاد کروں تو تو مجھے یاد کرے
تو یاد کرے تو میں نہ کیوں یاد کروں

خدا اور بندے میں رشتہ دعا ہے
دُعا جس کو کہتے ہیں خود مدعا ہے
ترے دستِ قدرت میں کیا کچھ نہیں ہے
مرے ہاتھ میں کیا ہے؟ بس اک دعا ہے
دعا ہی میں کٹ جائے دن رات یارب
یہی تجھ سے دن رات میری دعا ہے
ہمارا وسیلہ بحق محمدؐ
دُعا ہے دُعا ہے دُعا ہے دعا ہے

صفات شیخ

ایک دفعہ صفات شیخ میں گفتگو ہو رہی تھی۔

سلمیٰ نے کہا حق تو یہ ہے کہ مرشد کی کوئی خاص صفت بیان نہیں کی جا سکتی۔ کوئی مرشد فی نفسہ مرشد نہیں ہو سکتا۔ مرشد صاحب کا دار و مدار صرف معتقدوں کے فضل و کرم پر ہے جس کو چاہا ولی مشہور کر دیا جس کو چاہا شیطان بنا دیا تاہم میری دانست میں مرشد بننا اسی شخص کے لئے جائز ہو سکتا ہے جس کا پہلا مرید اس کا نفس ہو، اسلاف کے خوارق بیان کرنے اور فخر و مباہات سے ان کے نام گنو لینے کی جگہ خود بھی کام کر دکھائے۔ صرف پدرم سلطان بود کہنے والے فرزند

ہے میدان جنگ میں تلوار مارنے والا غیر فرزند سپاہی ہزار درجہ بہتر
ہے۔

کیوں اندھیرے میں پڑا ہے دیر سے
زندہ سگ بہتر ہے مردہ شیر سے

بہر جد و جہد شد تکوین ما
نیست رہبانیت اندر دین ما

کاہلوں کو مل نہیں سکتا خدا
لیس للانسان الا ما سعی

سوز دل محبوب کو مرغوب ہے
عود کی جا دل جلے تو خوب ہے

(خرقۃ المجد پیوند ۱۷)

(۲) پھر ہم نے کہا آخر اس بیعت سے کیا حاصل ہے؟ بیعت سے ہم مسلمانوں کے اسلام اور ایمان میں جدید اضافہ کیا ہو سکتا ہے طرۂ خلافت، ہم میں کونسا سرخاب کا پر لگا سکتا ہے۔

اللہ کا بندہ ہوں، نبی کی امت
اپنے مقدور تک حق آگاہ ہوں میں

اب حضرت شیخ کیا خلافت دیں گے
پہلے ہی سے جب خلیفۃ اللہ ہوں میں

سلمیٰ نے کہا بیعت میں دو فائدے ہیں دینی اور دنیوی دینی فائدہ تو یہ ہے کہ مرشد یاایھا الذین امنوا امنوا کے تحت رسمی مسلمان کو حقیقی مسلمان اور شگی انسان کو مرتبہ یقین و اذعان تک پہنچا دیتا ہے دنیوی فائدہ یہ کہ شیخ اپنے مرید کے ہر غم و الم کو معنی دار بنا کر ان مع العسر یسرا کی روشنی میں تکلیف دہ چیز کو مسرت آمیز بنا دیتا ہے مثلاً

بتا رہے تو دیکھو غم میں تم کی صورت
ہے قالب ہوت میں ارم کی شورت

غم کے اندر سرور کا پودا ہے
کی جاتی ہے گدگدی ہنسانے کیلئے
خاکی گملے میں نور کا پودا ہے
جسم
روح
ڈھلکتے ہیں مکان بنانے کیلئے

غم آئینہ جاں کیلئے صیقل ہے
ہوتا نہ اگر غم تو خوشی کیا ہوتی
یہ رنج نہیں، مسرت مجمل ہے
سب سر جھکتے، تو سرکشی کیا ہوتی

(خرقۂ المجدد عنوان غم)

محمد رسول اللہ

ایک دفعہ انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھے جارہے تھے ہر نبی اور ہر رسول کی صفت خاص پہ گفتگو ہو رہی تھی۔ مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں، حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں، حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ حضرت آدم صفی اللہ ہیں اور ہمارے رسولؐ صلی اللہ علیہ و سلم رسول اللہ ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ والذین معہ الخ اس صفت رسول اللہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی افضلیت دوسرے رسولوں پر کس طرح ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ تمام انبیائے مذکور الصدر کی رسالت میں کوئی شک نہیں ہے مزید برآں حضرت موسیٰ میں مکالمۂ الٰہی، حضرت ابراہیم میں خلت الٰہی حضرت عیسیٰ میں روحانیت الٰہی طرۂ امتیاز ہے۔ ہمارے رسول باوجود خاتم الرسل ہونے کے صرف رسول ہی ہیں، رسالت کے سوا اور کوئی خصوصیت خاص نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال پر ہم بھی چکرا گئے۔ سلمیٰ بھی سوچ میں پڑ گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگیں سنئے اور غور سے سنئے جس طرح مولویت ایک جامع چیز کا نام ہے باوجود کل علوم پڑھنے کے کوئی مولوی کامل العلوم والفنون نہیں ہو سکتا۔ کسی کو فن حدیث میں خاص کمال حاصل ہوتا ہے، کسی کو صرف فقہ میں، کسی کو تفسیر میں قس علیٰ ہذا۔

اسی طرح رسالت بھی جامع صفات الٰہیہ ہے۔ انبیاے ما سبق میں کسی کو خلت میں کمال حاصل ہو گیا، کسی کو روحانیت میں، کسی کو مکالمت میں کسی کو صفوت میں، لیکن کامل الرسالت، خاتم النبیین کے سوا اور کوئی نہیں ہوا اور رسالت کی ہر شان اور ہر صفت میں کامل واکمل ہونے، اور تبلیغ رسالت کی خدمت کو کما حقہ ادا کرنے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ کے انتہائی اور آخری خطاب سے یاد فرمایا اور اسی وجہ سے آپ خاتم النبیین ہو کر کافۃ الناس کے لئے مبعوث ہوئے فرداً فرداً ہر نبی اور ہر رسول میں رسالت کی جو صفت خاص تھی وہ جامع طور پہ ذات پاک میں بدرجہ اتم موجود تھی اور یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کی ذات پاک پہ نبوت کی تکمیل کر کے الیوم اکملت لکم دینکم ارشاد فرمایا!

اللہم زد و بارک علیہ

ساقیِ کوثر نے دیا بھر بھر کے جام معرفت
جب سے سر اک پر کھل گئے اعیاں کے اسرار نہاں

بیداری دل نیند تھی تکیہ خدائے پاک پر
سوتا تھا فرش خاک پر شاہنشہ کون و مکاں

حمدِ خدا تھی اشتہا، روزہ رہی اس کی غذا — تقویٰ لباسِ پاک تھا، خوفِ خدا روحِ رواں
کملی لپیٹا اس کو رہی اس کا سبب ہے بس یہی — ہو جائیں امت کے گنہ سب اس سیاہی میں نہاں
سر پر ہمیشہ آپ کے سایہ نہیں تھا ابر کا — تھا سایۂ جسمِ پاک کا جو بن گیا تھا سایہ باں
اے سرورِ دنیا و دیں اے رحمۃ اللعالمیں — ایماں مرا تجھ پہ فدا قربان تجھ پر میری جاں
میری زباں پر نعت ہے تیری زباں پہ حمد ہے — سبحانہ تیری صدا اصلِ علیٰ میرا بیاں
ہاں مظہرِ اکمل ہے تو بے مثل و یکتا ذات کا — ثانی نہیں کوئی ترا اے بادشاہِ مرسلاں
حق نے سراک اپنی صفت جب تجھ میں کامل دیکھ لی — تجھ پہ نبوت ختم کی اے خاتمِ پیغمبراں
سلمیٰ کو یہ امید ہے جب موت اس کی آئے گی — روحی فداک اے نازنیں کہتی ہوئی نکلے گی جاں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ایک دفعہ حسبِ عادت کلمۂ طیبہ کا ذکر کر رہی تھیں ذکر سے فارغ ہو کر کہنے لگیں کہ کلمہ توحید کی شان ترکیبی بھی قابل غور ہے کہ پورے جملہ لا اِلٰہ الا اللہ کی ترکیب میں حروف اللہ (الف، لام، ہ) کے سوا کوئی دوسرا حرف نہیں لیا گیا۔

وحدتش اندر وی نشاں نگذاشت — غیر نقش غیر در جہاں نگذاشت

(۱) کلمہ کا جزو اول لا الٰہ الا اللہ محل قسم میں ہے اور جزو دوم جوابِ قسم ہے یعنی خدا کی قسم، محمد خدا کے رسول ہیں۔

(۲) جزو اول لا الٰہ الا اللہ صدائے رسول اللہ ہے اور جزو دوم محمد رسول اللہ خدا کی آواز ہے یعنی جس قدر رسول اللہ لا الٰہ

الا اللہ کی تبلیغ فرماتے ہیں، حق سبحانہ تعالیٰ اُسی قدر تبلیغ رسالت کی تعیین اور تصدیق میں محمد رسول اللہ فرماتا ہے۔ یہ ایک ایسا دور ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا جزو اول سے جزو دوم پیدا ہوتا ہے، اور جزو دوم سے جزو اول فافہم وتدبر، صرف جزا اول لا الہ الا اللہ کی جو کیفیت اور تفسیر مجھ پر منکشف ہوئی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں اول صورۃً دوم معنیً صورت سے میری مراد یہ ہے کہ ہر ذاکر ذکر کے وقت مقام قلب سے اپنی گردن کو دورہ دیتے ہوئے، پھر قلب ہی پر پہنچکر ختم کرتا ہے۔ ذیل میں لفظ صورت سے اسی صورۃ دوریہ کی تفسیر کی گئی ہے۔ واللہ اعلم واحکم بالصواب

صورۃً

ڈھونڈا عالم میں اور پایا دل میں — یہ صورت لا الہ الا اللہ ہے
صدقے ہو ہو کے سر رکھو قدموں پ — یہ صورت لا الہ الا اللہ ہے
چکر کھا کر پھر آگیا مرکز پہ — یہ صورت لا الہ الا اللہ ہے
دل کے قدموں پہ ڈال دو عقل کا سر — یہ صورت لا الہ الا اللہ ہے
آفاق کے بعد غور کر انفس میں یا — یہ صورت لا الہ الا اللہ ہے
ہوتا ہے طواف کعبہ دل ہر دم — یہ صورت لا الہ الا اللہ ہے
جس جا سے چلا تھا پھر وہیں آپہنچا — یہ صورت لا الہ الا اللہ ہے
اپنی ہستی پر آپ قربان ہوں میں — یہ صورت لا الہ الا اللہ ہے

معنیٰ

ہے ذات وصفت میں اتحاد ذاتی — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
مبدء واحد ہے عالم کثرت کا — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
سب سے توڑو اور اپنے رب سے جوڑو — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
ذات واحد ہے جامع جملہ صفات — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
شایان الوہیت ہے اللہ کی ذات — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
کونین میں کون ہے مرا تیرے سوا — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
جز ذات کبھی صفت کی پوجا نہ کرو — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
ہر فعل کا فاعل حقیقی ہے وہی — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
موجود بہ یک وجود ہے ہر موجود — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
ہر ایک صفت ذات میں ضم ہوتی ہے — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
ہے ایک کی نفی، دوسرے کا اثبات — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
قائم ہے ہر اک صفت بذات موصوف — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
باطل کا وجود ہی نہیں حق کے سوا — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
ہے اور نہیں کے درمیاں ہے انساں — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے
نفی خودی خود اثبات خدا — یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے

لا خوف ولا رجاء الا باللہ (واللہ اعلم واحکم بالصواب)

یہ معنیٰ لا الہ الا اللہ ہے

دینی دنیا

ایک دفعہ ایک نواب صاحب کی اہلیہ محترمہ سلمیٰ کو اپنے مکان راحت منزل کی ہر عجیب اور نادر چیز دکھا دکھا کر کہنے لگیں دیکھئے یہی چیزیں ہیں جو ہمارے لئے سدراہ ہو رہی ہیں ہم اس دلدل سے لاکھ اُبھرنا چاہیں مگر یہ دلفریب سامان ولایتی فرنیچر، تھپر کنکر پھر اندر ہی اتار دیتا ہے۔

سلمیٰ نے کہا آپ جس کو حجاب اور پردہ سمجھ رہی ہیں، صاحب بصیرت کے لئے یہی بہترین آئینہ ہے۔ یہ اشیاء بالطبع مقصود نہیں ہیں، بلکہ سچے طالب کے لئے موصل الی المطلوب اور راہ رو کے لئے سنگ نشان ہیں میری رائے میں ان نعمتوں کی وجہ سے جس قدر شکر گزاری اور امتنان حضرت باری کا موقع آپ کو مل سکتا ہے، کسی غریب کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

زنگی بھی ہے حور چشم بینا کے لئے　　ہر سنگ ہے طور چشم بینا کے لئے
اعمیٰ کے لئے نور میں بھی ظلمت ہے　　ظلمت میں ہے نور چشم بینا کے لئے
(رباعیات حصہ دوم)

دنیا کی مثال ایک آئینہ کی طرح ہے اور آخرت عکس کی طرح ہماری نظر جب تک آئینہ کی سطح اور اس کی صفائی تک محدود رہے گی عکس نظر نہیں آتا۔ جب آنکھیں عکس سے چار ہوتی ہیں پھر آئینہ دیکھنے والا آئینے کو بھول کر اپنی صورت کی دید میں محو ہو جاتا ہے۔

کثرت میں جمال پاک وحدت دیکھو　　عسرت میں ہے صاف نقش عشرت دیکھو
دنیا میں رہے عالم دیں پیش نظر　　آئینہ ہے اس لئے کہ صورت دیکھو
(رباعیات حصہ اول)

ہر چند زعلم خود فزوں می جوییم — از عقل گزشتہ تا جنوں می جوییم
دیں می طلبیم قطع نظر از دنیا — تمثال ز آئینہ بروں می جوییم
ہر فرع کی سیر اصول کے ساتھ کرو — ہر وصف میں تم نظارۂ ذات کرو
جس جا کچھ بھی نہیں وہیں سب کچھ ہے — ہے مقصد نفی یہ کہ اثبات کرو
ہیں دونوں جہاں کسی کی رونق کیلئے — ہر قید ہے یاں بیان مطلق کیلئے
پہلے تو وجود ہی نہیں باطل کا — گر ہے بھی، تو ہے معرفت حق کیلئے

الاشیاءُ تعرف باضدادھا

اسی طرح ایک دفعہ ایک نواب صاحب نے ہم کو بھی اپنے دولتکدہ کی ایک ایک چیز قیمتی، میز، کرسیاں، ایرانی قالین، ریشمی پردے، نادر تصاویر، سُریلے باجے وسیع اور ہوادار مکان گل وبلبل سے بھرا ہوا گلستاں دکھا کر کہنے لگے، کہیے کوئی چیز آپ کو بھی پسند آئی؟

ہم نے کہا سب کچھ ہے مگر کام کی چیز ایک بھی نہیں،

ڈیوڑھی نہیں، دربہٖ کہ دربان نہیں — بلبل نہیں گل نہیں کہ بستان نہیں
ہے جمع جہان بھر کا ساماں گھر میں — خاطر جمعی کا کوئی ساماں نہیں

صبر جمیل

ایک دفعہ ایک دوست نے ہم دونوں کو اپنے مقطعہ میں دعوت دی قرار دادیہ ہوئی تھی کہ ہم ریل سے اتر کر موصوف الصدر دوست کے مکان پر ٹھیر جائیں۔ وہ ریل کے وقت مقطعہ سے سواری بھیجدیں گے

حسب قرارداد ہم ریل سے اتر کر ان کے مکان میں ٹھہر گئے اور مقطعہ سے سواری لانے کے لئے آدمی روانہ کیا گیا۔

ہم دونوں سواری کے انتظار میں مکان کے بیرونی حصے میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ تاریکی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی یکایک ایک شخص مخمور، نشہ میں چور، گاتے، گنگناتے لڑکھڑاتے قدموں سے مکان کے اس حصہ میں داخل ہوا جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے اور ہم سے ڈانٹ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟

ہم نے کہا مالک مکان نے ہم کو دعوت دی ہے۔ سواری لانے کے لئے آدمی روانہ کیا گیا ہے سواری آنے تک ہم یہاں دم لینے کے لئے ٹھیرے ہوئے ہیں۔

ظالم کہتا کیا ہے۔ اچھا یوں ہی سہی مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ عورت تم کو کہاں سے مل گئی؟

تم کو شرم نہیں آتی، مولوی کے گھر میں رنڈی کو بغل میں لئے بیٹھے ہو نکل جاؤ فوراً نکل جاؤ ورنہ مار مار کر اُتّو کردوں گا بدمعاش کہیں کے۔

نہیں معلوم یہ چند جملے تھے یا زہر میں بجھے ہوئے خنجر کہ دل ہی کے پار ہو گئے۔ پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، جسم میں سنسنی، دماغ میں جھنجھناہٹ انتہائے غضب سے ہاتھ پاؤں میں لرزہ پڑ گیا۔ قریب تھا کہ شرابی کے ساتھ ہم بھی خرابی ہو جاتے کہ سلمیٰ نے کہا پہلے ایک بات سن لیجئے پھر جو چاہے کیجئے پہلے تو یہ کہ ہر شخص آئینے میں اپنی ہی صورت

دیکھتا ہے، المرء یقیس علیٰ نفسہ جیسی ذات ویسی بات۔ اگر ایک بدمست شرابی نے ہمارے متعلق ایسی رائے قائم کی تو خفا ہونے کی کونسی بات ہے؟ اس کے علاوہ میری ہستی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ موقر نہیں ہو سکتی۔

جب ایسی معصومہ، بدباطنوں کے ناپاک اتہام سے نہ بچ سکیں تو مجھ سی عاصیہ کا کیا ذکر ہے۔ یہ سب وشتم تو اس وقت صرف آپ کے اور میرے کانوں تک محدود ہے قصۂ افک جب افواہ عام میں پڑا ہوگا۔ سیدۂ پاک پر کیا گزری ہوگی۔

بدطینت منافقوں کے مضحکوں سے فدائیان اسلام کا کیا حال ہوا ہوگا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ آس کی ساری باتوں کا جواب یہی ہے کہ آپ یہاں سے اٹھ کھڑے ہوں۔

کسی بلا کو دفع کرنے سے زیادہ آسان بات یہ ہے کہ ہم خود وہاں سے دفع ہو جائیں"

نہ بپھاڑ و جہالت سے جاہل کا جا   اذا مروا باللغو مروا کراما

حاصلِ غم

ایک دفعہ ہم نے کہا مشہور ہے کہ غم اور تکلیف غافلوں کے لئے یاد الٰہی کا تازیانہ ہے۔ رنج و مصیبت میں خدا کو بھولنے والا بھی اللہ اللہ کہہ اٹھتا ہے۔ لیکن ہماری کیفیت اس سے بالکل مختلف ہے

ہم کو خوشی اور مسرت میں خدائے تعالیٰ شدت سے یاد آتا ہے اور رنج و مصیبت میں دماغ ہی الٹ جاتا ہے۔ نہ خدا یاد رہتا ہے نہ رسول اس لئے ہم کو غم میں سب سے بڑا غم یہی ہے کہ دنیوی لذت کے ساتھ ایمانی کیفیت بھی سلب ہو جاتی ہے۔

یہ سنکر کہنے لگیں کہ غم میں سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ نفس کا قدم عالم سئیات سے اکھڑ جاتا ہے۔ سئیات کا مرتکب نہ ہونا ہی اصل حسنات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میری رائے میں غم (جس میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے) یہ بھی ایک قسم کی یادِ الٰہی ہے۔ اب یادِ الٰہی پر، یادِ الٰہی کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم بحقیقتہٖ۔

تقریظ پر تقریظ

ایک دفعہ رسالہ اردو میں مولوی محمد عظمۃ اللہ خاں صاحب بی اے کا مضمون حضرت خواجہ میر درد کے عنوان پر پڑھ رہی تھیں۔ پورا مضمون ختم کر کے مجھ سے کہا کہ اس زمانۂ نمود دین جب کہ بابِ تصنیف بالکل بند ہو کر ہر طرف سے تالیف تالیف کی آواز آرہی ہے شاید ہی کوئی ایسا مضمون لکھا گیا ہو۔ اس مضمون کو اس دورِ حاضر کی ایک عجیب اور لطیف یادگار کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ آپ سر رابندر ناتھ ٹیگور کے مضامین کے بہت دلدادہ ہیں جن میں سطحی لذت کے سوا کہیں حاصل

کا نام نہیں ہے، مگر اس مضمون میں بے پایاں لذت کے ساتھ حاصلات کا چشمہ حیات بھی شدت سے ابل رہا ہے۔

حضرت میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے شعر اگرچہ اپنی لطافت اور عرفان معرفت میں مسلم ہیں مگر تبصرے کی نثر پڑھنے کے بعد ان میں وہ بھی زور باقی نہیں رہتا۔ نثر ہی شعر کے پورے اثر کو اپنے میں جذب کر لیتی ہے میں نہیں سمجھ سکتی کہ خود خاں صاحب نے بھی اس کی اہمیت اور لطافت کو سمجھا ہے یا نہیں؟

ہم نے کہا یہ بھی عجیب بات ہے۔ حضرت سعدی تو فرماتے ہیں کہ "نویسندہ داند کہ در نامہ چیست"، تم کہتی ہو کہ نویسندہ ہی اپنی تحریر کی خوبی سے بے خبر ہے۔ انہ شئی عجاب۔

کہنے لگیں میری تو یہی رائے ہے، اگر آپ کو یقین نہ آئے تو خود خاں صاحب سے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

دوسرے دن ہم خاں صاحب کے پاس پہنچے، اور بہت ہی رکتے ہوئے سلمیٰ کا سلام کہہ کر یہ بھی کہہ دیا کہ ہماری اہلیہ صاحبہ پوچھتی ہیں کہ خود آپ نے بھی اس مضمون کی خوبی اور لطافت کو سمجھا ہے یا نہیں؟ یہ سنکر خاں صاحب نہایت ٹھنڈے دل سے فرمانے لگے کہ میری طرف سے بعد سلام کے یہ فرما دیجئے کہ جب میں نے ابتداءً تبصرہ لکھنے کا ارادہ کیا، قلم ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا، کچھ لکھا پھر کاٹ دیا، پھر کچھ لکھا پھر لکیر کھینچ دی، سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں؟ وقت کا

حصہ اسی، چہ نویسم میں گزر گیا، یکایک قلب میں ایک سرور کی لہر دوڑ گئی قلم خود بخود چلنے لگا اسی محویت کے عالم میں لکھتے گئے اور برابر لکھتے گئے مگر کیا لکھا اس کی خبر تو ہم کو بھی نہیں ہے۔

ہم نے گھر آکر یہ واقعہ سلمیٰ سے بیان کیا، انہوں نے کہا میں نے تو پہلے ہی یہ رائے قائم کی تھی۔

میں نے مضمون کے اہم اور الطف مقامات پر خط لگا دئے ہیں خاں صاحب کو بھی دیکھنے کے لئے دیدیجئے۔

ہم نے وہ خط زدہ رسالہ خاں صاحب کو پہنچا دیا، خاں صاحب اپنے ہی مضمون کے خط زدہ مقامات کو دیکھ کر اس قدر محظوظ اور مسرور ہوے کہ شاید ہی کبھی مسرور ہوئے ہوں۔ اپنے ہی خیالات سے آپ حیران تھے اور اپنی ہی تحریر پہ انگشت بدنداں صرف کسی کے توجہ دلانے کی ضرورت تھی۔

آخر تنِ مُردہ روح سے زیر ہوا — دل عقل کا خون پی کے کیا شیر ہوا
بیں کس چکر کے بعد پہنچا مجھ تک — سیدھے رستے میں بھی بڑا پھیر ہوا

اس بصیرت افزا تبصرے کے چند خط زدہ مقامات یہاں بھی نقل کئے جاتے ہیں۔ فافہموا فتدبروا لعلکم تفلحون

چند خط زدہ مقامات

(۱) حیات مستقبل کے علم اور اس کی روشنی میں حیات ارضی

کی تربیت کو معرفت یا تصوف کہتے ہیں۔

(۲) معرفت کا اصل اصول یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق ایک ہے اور اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے ارادے کا ظہور ہے۔

(۳) روشن دل شعرا کا کلام عوام کو صاحب حال تو نہیں بنا سکتا البتہ ان کے جذبات کے تاروں کو ضرور تھرتھرا دیتا ہے جو معرفت کی جان ہیں۔

(۴) معرفت کا مقصد اللہ تعالیٰ کا جاننا اور پہچاننا ہے، شاعرانہ پہلو سے جب معرفت کے مسائل پر نظر دوڑائی جائے تو لازمی ہو جاتا ہے کہ معرفت کی روح رواں خالق کائنات کی تصویر کھینچی جائے ایسی شباہت کے بھانپنے، تاڑنے اور اڑانے کے لئے سورج کی کرن سی تیز نظر اور حسن کی برق سے کپکپاتا دل درکار ہے۔

(۵) باری تعالیٰ کی سب سے بڑی صنعت پیدا کرنا ہے جب تک انسان کے دل و دماغ میں پیدا کرنے کی قوت موجزن نہ ہو یا دوسرے الفاظ میں جب تک انسان کا تخیّل شاعرانہ نہ ہو، خالق کائنات کے حُسن کا احساس ممکن نہیں، زندگی نہ صرف پیدا ہونا ہے بلکہ پیدا کرنا بھی ہے۔

(۶) عشق کی بہترین مثال اور عشق کی جڑ وہ کشش ہے جو کلیتے کے نکلنے اور سینے کے اُبھرنے کے بعد ایک تندرست نوجوان، اور ایک دوشیزہ کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتی ہے۔ اس کشش کا اصلی

راز وہ زبردست انجان خواہش ہے جو جانداروں کو پیدا کرنے پر اُبھارتی اور ڈھکیلتی ہے۔ نر اور ناری کی میل سے اپنی طرح جانداروں کو پیدا کرنا یہ ایک معجزہ ہے جو ہر لحظہ دنیا کے ہر آباد گوشہ میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے وہ صنفی میل جس سے دو مست قالب ایک جان ہو جاتے ہیں اس تخلیقی قوت کی بنیادی خصوصیت ہے یہی مستی جب اس کائنات کی بے مثال قوت کی جستجو، ادراک اور فہم میں منہمک ہو جاتی ہے تو اس رجحان اور طلب ادراک میں انہماک کو بھی عشق ہی کہتے ہیں، جس طرح ایک جوانی کی راتیں، اور مرادوں کے دن والی محبوبہ کے لئے صنفی میل کا سینے میں طوفان لئے ہوئے ایک نوجوان کی وارفتگی اور محویت کو عشق کہتے ہیں۔

(۷) ہر انسان پر ایک نہ ایک دفعہ ضرور ایک آدھ لمحہ ایسا گزر جاتا ہے کہ اس کی آنکھوں پر سے تھوڑی سی دیر کے لئے اندھیری اُٹھ جاتی ہے اور بجلی کی کوندکی طرح اس سراپا کمال ہستی کی جھلک دکھا دے جاتی ہے، اور انسان اس حواس والی دنیا کو دم بھر اور ہی رنگوں سے رنگین اور اور ہی کیفیتوں سے رچا ہوا دیکھتا ہے۔ لیکن جو نفوس اس جھلک کے بعد پھر محض حواس والے عالم کے طلسمات میں پھنس کر اس کیفیت کو دل سے مٹنے نہیں دیتے۔ وہی لوگ معرفت کے جنون میں مبتلا ہو جاتے ہیں ورنہ عام طور پر لوگ اس جھلک کو تخیل کا دھوکہ قرار دے کر پھر روزمرّہ کی حواسی زندگی میں منہمک ہو جاتے، اور بدستور

اعتقاد اور فلسفہ کے لفظی روحانی کھلونوں سے، ظاہری اطمینان کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔

(۸) تصوف کا تمام دار و مدار اسی پر ہے کہ محنت اور مصائب کی چوٹیں دل پر ایسی لگائی جائیں کہ دل پکا پھوڑا، انتہائی صاحب احساس بنجائے۔ درد کی آگ میں دل کو ڈالنے ہی سے انسان کے دل پر کا زنگ صاف ہو جاتا ہے، یعنی بے حسی دور ہو جاتی ہے۔

زمانہ کا ہر نیش تقویت کی پچکاری ہے اور ہر ناسازگار حادثہ قوت کا سرچشمہ ہے۔

(۹) چشم ظاہری کا بند ہونا یعنی حواسی طلسمات کے الجھاوے سے اپنے آپ کو نکالنا معرفت کی پہلی اور بڑی کٹھن سیڑھی ہے اگر انسان پر کوئی کیفیت ایسی طاری ہو جائے کہ اس کے حواس میں خلل پڑ جائے یعنی حواس والی قیدخانہ کی دیواریں جو اس روح کو چوطرف سے دبائے رہتی ہیں، اس کیفیت میں پگھل سی جائیں تو ظاہر ہے کہ روح کا دوسرا رُخ اپنی حقیقت کا خزانہ کھول دے گا۔ یہ کیف یہ نشہ، حُسن بمثال کے احساس اور اس حسن بمثال ذات کے عشق سے پیدا ہوتا ہے۔

(۱۰) خیر و شر کا اصل مفہوم ہی معین کرنا ناممکن ہے جب تک کہ نظام عالم کے کل اسرار الم نشرح نہ ہو جائیں،

خیر و شر کو سمجھ کہ وہ ہی زہر سانپ کی زیست ہے تجھے سم ہے الخ

رباعیات امجد پر تقریظ

ایک دفعہ ہم رباعیات امجد کے ریویوز پڑھ پڑھ رہے تھے۔

مولوی عمادی صاحب نے لکھا تھا کہ معراج سخن میں شاہد معنی کو ہر ہفت دیکھنا ہو تو رباعیات امجد کو دیکھئے۔

مولوی عبدالقدیر صاحب پروفیسر نے لکھا تھا کہ ہر رباعی سے ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہر عنوان سے حیرت؟

مولوی جمال الدین نوری نے لکھا تھا کہ رباعیات امجد بےمثل ہیں الخ

مولوی عبدالواسع صاحب پروفیسر نے لکھا تھا کہ ہر رباعی مضامین کا ایک دفتر ہے اور ہر مصرعہ دلکشی کا ایک بےبہا گوہر، الخ

مولوی علی حیدر طباطبائی صاحب نے لکھا تھا کہ رباعیات امجد کی داد دینا سخن شناسی کا مقتضا ہے الخ

مولوی مناظر احسن صاحب پروفیسر نے لکھا تھا کہ حضرت امجد ہندوستان کے ان شعرا میں ہیں جن کو زمانہ صدیوں کے بعد پیدا کرتا ہے

مولوی محب الحق صاحب (پٹنہ) نے لکھا تھا کہ ہر رباعی ضرب المثل ہونے کے قابل ہے۔

ڈاکٹر سر اقبال نے لکھا تھا کہ ہر رباعی قابل داد ہے ان کے پڑھنے سے روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

مولوی عبدالماجد صاحب بی۔اے نے لکھا تھا کہ رباعیات امجد

معنویت کی بلندی اور طرزِ ادا، دونوں حیثیت سے قابل داد ہیں ۔
رسالہ سہیل علیگڑھ نے لکھا تھا کہ اس مجموعہ کا نقطہ نقطہ اس قابل ہے کہ اہل دل اس کو اپنا وظیفۂ روحانی بنائیں ۔
مولوی عظمۃ اللہ خاں صاحب بی اے نے لکھا تھا کہ رباعیات امجد زندگی کی اعلیٰ ترین رُخ کی تفسیر ہیں اور بلحاظِ ادب اظہار خیال کا بہترین نمونہ ہے ۔
مولوی الیاس برنی صاحب نے لکھا تھا کہ ایسے ہی کلام سے یقین ہوتا ہے کہ شاعری جزویست از پیغمبری
مولوی وحید الدین صاحب سلیم نے لکھا تھا کہ امجد صاحب قدرتی شاعر ہیں ۔ مبصرین کی رائے میں اس وقت ہندوستان میں ان کی ٹکر کا رباعی کہنے والا کوئی شاعر نہیں ہے ۔
مولوی غلام قادر صاحب گرامی نے لکھا تھا کہ

امجد بہ رباعی است فرد امجد — کلکِ امجد کلید گنج سرمد
گفتم کہ بود جواب سرمد امروز؟ — روح سرمد بگفت امجد، امجد

تفصیل بہت ہے قس علیہ الباقی
سب ریویوز پڑھ کر سلمیٰ نے کہا ان تمام تبصروں سے آپ کے کلام پر کوئی خاص روشنی نہیں پڑ سکتی اور آپ کی شاعری کا نقطۂ نظر معلوم نہیں ہو سکتا، آپ بُرا مانیں یا بھلا، میری رائے ان سب سے بالکل الگ ہے وہ یہ کہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کمال نقص ہے یا کمال

کمال؟

لیکن یہ ضرور ہے کہ سلاست الفاظ اور نثر نما ترکیبوں کی وجہ سے اہم سے اہم مسئلہ بھی آپ کی رُباعی کے قالب میں ڈھل کر پایۂ اہمیت سے اتر جاتا ہے۔ کثیر التعداد عوام کے فائدے کے لئے ہونا بھی یہی چاہئیے کہ کلام کا رستہ پیچیدہ، مغلق، عالمانہ، صوفیانہ اصطلاحات کے روڑوں سے پاک صاف ہو کر شارع عام ہو جائے جس پر سے ادنیٰ و اعلیٰ مبتدی و منتہی باسانی گذر سکے۔ رحمت الٰہی کافۃ للناس ہونی چاہئیے نہ کہ خاصۃً للناس۔

اگرچہ بیدل کہتے ہیں کہ کلام تا بہ حضیض نقصان نہ رسد طبع عوام را از جہل نہ رہاند، و پرتو آفتاب تا جبہ بخاک نمالد زنگ از طبیعت سادہ مرتفع نہ گرداند، مگر تعجب ہے کہ خود ان کا کلام اس سے منطبق نہیں ہے۔

کلام ایسا اکثر سنا ہو گا تم نے ۔۔۔ سُنا آج اور کل اثر دل میں اُترا
کہو شعر ایسا جو ہو تیز خنجر ۔۔۔ اِدھر منہ سے نکلا اُدھر دل میں اُترا

مرضائے وجود

ایک دفعہ کہنے لگیں۔ تمام انسان مرض وجود میں مبتلا ہیں۔

وجودک سُقم لایقاسُ بہ سُقم

لیکن امیر وہ بیمار ہیں جن کو کوئی پرہیز نہیں کرایا جاتا بغیر کسی دک

ٹک کے جو چاہا کھایا، جو چاہا پیا، باغ اُن کے لئے ایاغ ان کے لئے حسن ان کے لئے راگ ان کے لئے، اُن کی بیماری تو ہر شخص کو بہت بدا محسوس ہوتی ہے۔

خود اپنا وجود آپ پر بھاری ہے
ہر کام میں نوکر کی مددگاری ہے
مشکل ہے امیر کو جگہ سے ملنا
دولتمندی بھی ایک بیماری ہے

(ب) غریب وہ بیمار ہیں جن کو پرہیز کرایا جاتا ہے۔ کھانا چاہتے ہیں، غذا نہیں ملتی۔ پینا چاہتے ہیں شراب نہیں ملتی، پہننا چاہتے ہیں لباس نہیں ملتا۔ دیکھتے ہیں للچاتے ہیں رہ جاتے ہیں، کسی کی عید ہے کسی کی دید ہے۔

اب مردِ آخربیں خود غور کرسکتا ہے کہ ان دونوں قسم کے بیماروں میں زیادہ ترکس کی صحت کی امید کی جاسکتی ہے۔

اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و الحقنی بالمساکین ۔ فطوبیٰ للغربا۔

نفس و روح

ایک دفعہ نفس و روح کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی، کہنے لگیں کہ میرے خیال میں نفس اور روح کوئی علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی جوہر ہے جو مختلف حیثیت سے مختلف نام پاتا ہے جب ادراک، مادی مقتضیات کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو نفس کہتے ہیں اور جب مادیت اور جسمانیت سے قطع نظر کرکے

اپنی اصلیت اور بساطت کا رُخ کرتا ہے تو اس کو روح کہتے ہیں۔

مثال کے لئے ایک رومال کا گیند بناؤ، دیکھو کہ اس وقت گیند کی نوعیت اور حالیہ وضع اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ پھینکی جائے اُچھالی جائے پٹکی جائے، لیکن اس کی اصلیت یعنی رومال پن کا یہ اقتضا ہے کہ اس کو بچھایا جائے اوڑھا جائے۔

اسی حالیہ ترکیب اور موجودہ وضع کا نام جسم اور مادیت ہے اور اصلیت کا نام روحانیت۔

کس طرح میں آپ کو ٹٹولوں یا رب کس کانٹے میں اس جنس کو تولوں یا رب
مخفی ہے تعین ہی میں اطلاق کا راز کیونکر گرہ وجود کھولوں یا رب

حق باطل

ایک دفعہ ہم اور سلمیٰ مدراس میں ہائیکورٹ کی عمارت دیکھنے گئے دیکھا ایک جج صاحب کی آمد ہوئی جس شان و شکوہ سے تشریف آوری ہوئی اور جس انداز تمکنت سے کرسی پر اجلاس فرمایا اور جس مسکنت اور غربت کے ساتھ دوسروں نے ان کے سامنے گردن جھکادی، اس کا مقتضا یہی تھا کہ ہم بے ساختہ کہہ اُٹھے "خدا کی شان بندوں کا بھی کیا دربار عالی ہے" ساتھ ہی سلمیٰ نے کہا "خدا کے بعد انھیں کو اب خدائی ملنے والی ہے"۔

عاجل کا بھی آخر کوئی حق ہے کہ نہیں زائل کا بھی آخر کوئی حق ہے کہ نہیں

کچھ دن تو بتوں کی بھی خدائی دیکھو
باطل کا بھی آخر کوئی حق ہے کہ نہیں

مشاطۂ قدرت

ایک دفعہ ذکر سے فارغ ہو کر کہنے لگیں تسبیح سبحان اللہ، تحمید والحمد للہ مشاطۂ قدرت ہیں۔ تسبیح و تحمید میں جس قدر کثرت ہو گی، مسیح بر محاسن قدرت اُسی کثرت سے جلوہ گر ہوں گے۔

حمد ان امور سے متعلق ہے جو موافق عقل ہوں۔

اور تسبیح ان امور سے متعلق ہے جو عقل میں نہ سما سکیں۔

ہماری بیداری

ایک دفعہ کہنے لگیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ تنام عینای ولا ینام قلبی اور ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہماری نیند تو نیند ہی ہے لیکن خیریت سے ہماری بیداری بھی اونگھ ہے۔

کس وقت ہوا و حرص کا جوش نہیں
کس وقت خدا ہم کو فراموش نہیں
اک وہ ہیں کہ جن کی نیند بیداری ہے
اک ہم ہیں کہ بیداری میں بھی ہوش نہیں

عجیب سبق

ایک روز مولوی عبدالقدیر صاحب پروفیسر عثمانیہ کالج ہمارے

مکان پر تشریف لائے ہم گھر میں نہ تھے۔ اطلاع کرائی، ماما نکلی۔ نام پوچھا، مولوی صاحب نے کہا امجد صاحب آئیں تو کہدو کہ شاہ علی بندے سے ایک ہیولا، باؤلا شخص آیا تھا چونکہ مولوی صاحب موصوف سلمیٰ کے والد مولوی سید نادرالدین صاحب کے قدیم شاگرد ہیں آواز پہچان کر سلمیٰ نے جواب میں کہلایا کہ آنے والے صاحب سے کہدو کہ اُن کو کیا حق ہے کہ ہمارے عبدالقدیر کو ان ناشائستہ الفاظ سے یاد کریں۔

ان معنی خیز الفاظ کا حقیقت نگر مولانا پر ایسا اثر ہوا کہ سہم گئے اور گھر واپس آکر اس واقعے کو بیان کر کے کہنے لگے آخر وہ میرے استاد ہی کی بیٹی تھی جس نے مجھے ایسا لطیف سبق پڑھایا خودستائی تو خودستائی ہے حق تو یہ ہے کہ ہم کو اپنے آپ کو بھی بُرا کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کیونکہ ہم آپ اپنے نہیں ہیں انا للہ

یہ، بدصورت ہے، وہ، حسین ہے	کیوں کر کہیں دوسروں کو امجد
افسوس، اتنا بھی حق نہیں ہے	کچھ اپنے ہی حق میں کہہ سکیں ہم

آگے بڑھو آگے بڑھو

ایک دفعہ ایک مشہور اور بڑے پیر صاحب نے ہماری دعوت کی۔ جلسۂ دعوت میں، ہماری مقدرت سے زیادہ قدر افزائی کی گئی ہم کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے، روپے نذر دئے گئے قیمتی حریر کی چادر پیش کی گئی۔ پیر صاحب کی نظر توجہ دیکھ کر ان کے مریدین

بھی ہم پر ٹوٹ پڑے ۔ کوئی دست بوسی کر رہا ہے ۔ کوئی قدموں کو ہاتھ لگا رہا ہے کوئی سر نیاز خم کر رہا ہے ۔ کوئی ہماری تعریف کے پُل باندھ رہا ہے ۔ غرض ہم اس مسرت خیز ہنگامے سے فارغ ہو کر اُسی طرح پھول پہنے، موٹر میں اُڑتے، خوشی میں پھولے ہوئے مکان واپس آئے اور نہایت شرح و بسط کے ساتھ مزے لے لے کر سارا واقعہ سلمیٰ کو سنایا۔ سلمیٰ سب کچھ سنکر خاموش ہو گئیں اور ہماری مسرت میں اُنہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ یہ کہنے لگیں سنو صاحب! یہ آج کا تماشا، یہ جھوٹی مسرت منازل سلوک کی ایک منزل ہے یہاں ٹھیرنا سالک کا کام نہیں۔

بس اتنے ذرا سے نشے میں چور ہیں آپ؟ اصلی آرام سے ابھی دور ہیں آپ

ایک عملیات کے عامل کے سامنے کیسی کیسی صورتیں پیش آتی ہیں مگر سچا عامل ان سب سے قطع نظر کر کے برابر اپنی عمل خوانی میں مصروف رہتا ہے جہاں عمل چھوٹا، رشتہ مقصود ٹوٹا۔

وہی ہے ہر ایک شکل عامل کیلئے آئینہ ہے ہر حجاب، شاغل کیلئے

حقیقت محبت

ایک دفعہ حقیقت محبت پر گفتگو ہو رہی تھی۔

سلمیٰ نے کہا کہ محبت کی حقیقت کیا بیان کی جا سکتی ہے محبت عین حقیقت است و رحمت عین رحمت ۔

محبت کا عالم ہے سب سے نرالا　　　جہاں اک جگہ ہے اندھیرا اجالا
محبت مرض ہے محبت شفا ہے　　　یہ بربادکن نسخۂ کیمیا ہے
محبت ہمہ رحمت و زحمت آمد　　　کہ مجموعۂ عزت و ذلت آمد
طلسم محبت میں ہر اک ہے حیراں　　　کنواری کو ارمان بیاہی پشیماں

افشائے محبّت

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ کسی عام مجالس میلاد یا وعظ یا سماع میں اگر کبھی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں یا کوئی اضطراری کیفیت ظہور میں آجاتی ہے تو ہم کو بہت دیر تک اس کا انفعال رہتا ہے کہ کیوں ہم سے ایسی حرکت صادر ہوئی اور کیوں ہم نے اپنی کم ظرفی سے اس کے پاک دامن کو اپنی محبّت کے داغ سے بدنما کر دیا۔

یہ سنکر سلمٰی نے کہا مجھے تو اس صورت میں انفعال اور شرمندگی کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

سنئے ایک دفعہ میں نے چار سادھوؤں سے پانچ دوہے سنے تھے۔ پانچویں دوہے سے آپکی تشفی ہو کر صورت انفعال مٹ جائے گی۔

۔ ۔ ۔ ۔ وہ یہ ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے کسی عالم میں دیکھا ہے کہ رات کے وقت کھلے جنگل میں برگد کے درخت کے نیچے، چار سادھو نہایت تباہ حال، سر سے پاتک برہنہ۔ خاک آلود جٹائیں دھونی رمائے، چلم کے دم لگاتے ایک دوسرے کے بالمقابل اکڑوں

بیٹھے ہوئے تھے یکایک ایک سادھو نے چلم کا دم کھینچکر دھواں چھوڑتے ہوئے ایک دوہا پڑھا جس کے الفاظ تو مجھے یاد نہیں، مگر مضمون یہ ہے

پریم کا کانٹا جس کو چبھتا ہے اس کی جان ہی لے کے چھوڑتا ہے، اور جو اس کانٹے کی لذت سے نا آشنا ہے اس کے لئے تو دائمی موت ہے۔

(۲) اس کے جواب میں اس کے مقابل والا سادھو چلم کا دم لگا کر اس مضمون کا دوہا پڑھتا ہے کہ "بیشک" پریم، فانی انسان کے لئے موت ہے مگر پریم کی موت فانی ہستی کو جاودانی اور لافانی ذات میں ضم کر دیتی ہے

(۳) تیسرا سادھو آنکھوں میں آنسو بھر لاتا ہے اور گرتے ہوئے آنسوؤں کو اسی طرح ضبط کر کے اپنے زانو پر ہاتھ مل، اپنے جلد کی بتی بٹ کر آنکھوں میں رکھ لیتا ہے اور اُس خاموش بتی کو مضمون ذیل کا دوہا پڑھتے ہوئے آہ کر کے روشن کر دیتا ہے۔ "پریم کے کانٹے سے تیرا بدن چھلنی ہی کیوں نہ ہو جائے مگر تو ان کانٹوں سے دامن چھڑانے کی کوشش نہ کر کیونکہ کنواری جب تک اپنا خون نہیں بہا لیتی، اصلی لذت سے نا آشنا رہتی ہے۔ (میں اس مضمون کے بھولے ہوئے لفظوں کو بدسلیقگی سے جوڑ جوڑ کر اس طرح کہہ سکتی ہوں

نینوں کا دیولا، کھال کی بتی، آنسو کا تیل بنائی

اپنے من کے اندھیرے گھر میں پیت کا دیا جلائی

سکھی ری سن سادھو کی بات

ساجن کارن توڑ دے بیتری، تن من وھن کے بند
استری (لڑکی) اپنا خون بہا کے ہوتی ہے آنند
سکھی ری سن سادھو کی بات

چوتھا سادھو اسی طرح دم لگاتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔
پیت میں عزت و آبرو گنوانے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں، دونوں جہاں میں بدنام ہونا سب کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہونا محبت کا انجام ہے۔

پھر وہی تیسرا سادھو (چراغ جلانے والا) اس چوتھے سادھو کا اس طرح جواب دیتا ہے، عزت و آبرو گنوانا، دونوں جہاں میں بدنام ہونا یہ سب غیر کی محبت کے نتیجے ہیں۔

لیکن اپنے پتی پیارے سے محبت کرنے میں کوئی بدنامی نہیں عصمت جیسی چیز بھی شوہر کے حوالے کرنا کوئی شرمناک بات نہیں بیشک وہی عصمت اگر کسی غیر کے حوالے کی جائے تو دونوں جہاں میں اس کا منہ کالا ہوتا ہے۔

غیر کی پیت پتی ورتا کو کرتی ہے بدنام (شوہر والی[۱۲]) اپنے پتی پہ صدقے ہونا یہ تو ہے اپنا کام
سکھی ری سن سادھو کی بات

خوف و رجا

انہوں نے ایک دفعہ کہنے لگیں کہ جس طرح ایمان، خوف و رجا کے درمیان

ہے۔ اسی طرح انسان بھی دنیا و آخرت کے وسط میں ہے اس کی لف ونشر کی ترتیب بھی قابل غور ہے۔ یعنی خوف کا تعلق دنیا سے ہے اور رجا کا آخرۃ سے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے العاقبۃ للمتقین، یعنے دنیا میں خدا سے ڈرنے والوں کے لئے آخرۃ میں بہتری ہی بہتری ہے۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ ۔ ۔ ۔ ۔ و فی الآخرۃ حسنۃ ۔ ۔ ۔ ۔

توبہ

ایک دفعہ توبہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سلمیٰ نے کہا کہ توبہ دامن روح کو پاک اور اُجلا کرنے کا بہترین صابن ہے۔

(۱) ایک وہ کپڑا ہے جو میلا ہونے کے خوف سے صرف صندوق میں تہ کیا ہوا رکھا ہے۔

(۲) ایک وہ کپڑا ہے جو صرف میلا ہی ہوتا رہے اور اس کے دھلنے کی کبھی نوبت نہ آئے۔

(۳) ایک وہ کپڑا ہے جو میلا بھی ہوتا رہے اور وقتاً فوقتاً دھلتا بھی رہے۔

ان تینوں قسموں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ کونسی قسم بہتر ہے؟

ہم نے کہا سب سے اخیر قسم سب سے بہتر ہے۔

سلمیٰ نے کہا بالکل صحیح۔ انسان کا من حیث الانسان، نسیان و خطا سے احتراز ناممکن ہے۔ ہزار احتیاط پر بھی مادی خواہشوں کی لگاتار تھپیڑوں

ہیں روح کا دامن تر ہو ہی جاتا ہے (الا ماشاء اللہ) اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ جسمانی لباس کی طرح جامۂ روحانیت کو بھی (گناہ کا نقش اچھی طرح مرتسم ہونے سے قبل) عرق انفعال سے فوراً دھو لیا جائے۔ خیر الخاطئین التوابون

اک بدلی سی چھا رہی ہے پیچھے پیچھے
رحمت منڈلا رہی ہے پیچھے پیچھے
توبہ بھی تو آرہی ہے پیچھے پیچھے
اے میری بدی! ٹھہر کدھر جاتی ہے

انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجہالۃ ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیہم

لذّتِ عبادت

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ نماز پڑھتے پڑھتے عمر گذر گئی مگر آج تک نہ کبھی لذّت ملی، نہ نماز کی عادتؔ ہوئی۔

سلمٰی نے کہا، لذت نہ ملنے کی وجہ تو یہ ہے کہ کبھی آپ نے نماز توجہ اور یکسوئی دل سے نہیں پڑھی، قرارت پوری ختم ہو جاتی ہے مگر کبھی ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ہم نے کیا پڑھا؟ ارکان نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ لذّت کا سارا دار و مدار توجہ پر ہے، نماز ہی پر کیا موقوف ہے، دنیا کی کسی چیز سے بھی، آپ بغیر توجہ کے کبھی کسی قسم کی لذت حاصل نہیں کر سکتے۔

اسی لئے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم حالت سکر میں اس وقت

تک نماز نہ پڑھو جب تک یہ نہ سمجھنے لگو کہ تم کیا پڑھ رہے ہو۔

بڑھتا جاتا ہے شب و روز گناہوں کا مرض ۔۔۔ ایسی کچھ بگڑی ہے قسمت کہ سنورتی ہی نہیں

ہیں سب الفاظ عبادت کے زباں کی حد تک ۔۔۔ یہ دوا حلق سے نیچے تو اُترتی ہی نہیں

اک حرف بھی فہم میں نہیں آتا ہے ۔۔۔ کیا کہتے ہیں کیا منہ سے نکل جاتا ہے

یوں پڑھتے ہیں ہم نماز بیداری میں ۔۔۔ جس طرح کوئی نیند میں بَرّاتا ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ لذّت اور تعمیل حکم دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے اگر لذیذ تر لقمہ بھی حکم کے تحت آپ اپنے حلق میں اتاریں تو باوجود لذیذ ہونے کے آپ کو اس کی لذّت نہیں مل سکتی، اگر نماز میں لذّت نہ بھی ملے تو تعمیل حکم کا فائدہ کہیں گیا نہیں جو شانِ عبدیت ہے۔

اسی طرح بہ نسبت حسنات کے سیئات کی عادت جلد ہو جاتی ہے، اور حسنات باوجود امتداد اور ممارست کے بمشکل صادر ہوتے ہیں اگر حسنات بھی عادۃً صادر ہونے لگیں تو ثواب کیا ہوگا؟

کیونکہ ثواب تو مخالفت نفس سے متعلق ہے، جب حسنات یا عبادات عادۃً صادر ہونے لگیں گے تو مخالفت نفس کی کوئی صورت باقی نہیں رہیگی

دنیا کے ہزاروں خطرے ہیں اس خلوت شاہنشاہی میں
ملتی نہیں لذّتِ نفسانی، تعمیل حکم الٰہی میں

انما الاعتبار بالخواتیم

میں بہت تکلیف میں ہوں (ایک دن ہم نے کہا)

کیوں، کیا کفر پر خاتمہ ہوگیا؟ (سلمیٰ نے پوچھا)

" نہیں ایسا تو نہیں ہوا، ابھی تو زندہ ہوں (ہم نے کہا)

" پھر تکلیف کی کوئی وجہ نہیں ہے، اگر کوئی بات صحیح طور پر تکلیف دہ ہوسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ انجام کفر پر ہو (سلمیٰ نے کہا)

(۲) میں بہت خوش ہوں (ایک دن ہم نے کہا)

" کیوں کیا خاتمہ بخیر ہوگیا؟ (سلمیٰ نے پوچھا)

" نہیں ایسا تو نہیں ہوا، ابھی تو زندہ ہوں (ہم نے کہا)

" پھر تو خوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اگر کوئی بات صحیح طور پر موجب مسرت ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ خاتمہ بخیر ہو (انما الاعتبار بالخواتیم) (سلمیٰ نے کہا)

مقام تحیّر ہے دنیائے فانی ۔۔۔ نہ یاں جاگنے کی نہ سونے کی جا ہے
رہو خوف و امید کے درمیاں تم ۔۔۔ نہ ہنسنے کی جا ہے نہ رونے کی جا ہے

لیلیٰ مجنوں

ایک دفعہ نیند سے اٹھ کر کہنے لگیں رات میں نے عجب تماشا دیکھا۔

وہ یہ کہ لیلیٰ محمل میں سوار ہے اس کے ناقے کی مہار قیس کے ہاتھ میں ہے کیونکہ ناقۂ لیلیٰ کا جمّال قیس کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟ قیس انتہائے مسرت میں کودتا پھاندتا، ناچتا، اچھلتا، مہار تھامے ہوئے چلا جا رہا ہے قیس کی طرح ناقہ تو مجنوں نہیں تھا وہ اپنی معمولی رفتار سے

ریتیلے میدان میں ایک ایک قدم رکھتا ہوا چل رہا ہے مہار ہے کہ خود بخود لمبی ہوتی چلی جارہی ہے۔

اسی اُچھل کود میں قیس کوسوں آگے نکل گیا، ناقہ لیلیٰ کوسوں پیچھے رہ گیا۔

مہار بھی کوسوں تک لمبی ہوتی چلی گئی مگر اس کھینچنے میں مہار کی موٹائی ایک خفیف خط کی طرح باریک ہو کر رہ گئی جو مشکل سے محسوس ہو سکتی تھی بہت دور جاکر قیس کی آنکھیں کھلیں۔

اب جو دیکھتا ہے تو ناقہ مع محمل اور محمل مع لیلیٰ غائب، جس کے صدمے سے اُس کے حواس بھی غائب ہوگئے دیوانہ وار ناقہ لیلیٰ کو ڈھونڈھتا چاروں طرف دوڑ رہا ہے رو رہا ہے چیخ رہا ہے، ہر آنے جانے والے سے اپنی لیلیٰ کا پتہ پوچھ رہا ہے۔

دیوانہ قیس اس کو نہیں دیکھتا کہ ناقہ کی مہار تو میرے اپنے ہاتھ میں ہے جب چاہوں سانس کی طرح آہستہ آہستہ اس کو کھینچ سکتا ہوں یا ناقے کے آنے تک یہیں کہیں صبر کرکے بیٹھ سکتا ہوں، یا مہار کے باریک حبل المتین کو پکڑے ہوئے بخط مستقیم ناقہ لیلیٰ تک پہنچ سکتا ہوں جنوں ہے کہ کچھ سمجھنے نہیں دیتا دیوانگی ہے کہ عقل کو سلب کئے ہوئے ہے،

وکاین من آیۃ فی السموٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون ۲۰۲ دیکھو تیرا صفحہ

تو اپنے پاس گر اس کو بلا نہیں سکتا
خودی سے اپنی گزرنا تو تیرے ہاتھ میں ہے

بھٹک رہا ہے کہاں کو وہ دشت میں آئے قیس
زمامِ ناقۂ لیلیٰ تو تیرے ہاتھ میں ہے

رادھا کِشن

ایک دفعہ نیند سے اُٹھ کر کہنے لگیں کہ

میں نے رات رادھا اور کشن کو دیکھا کہ دونوں ایک پُر فضا جنگل میں جھرنے[*] کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں۔

جھرنے کا صاف شفّاف گرتا ہوا پانی اپنی مستانہ چال سے پہاڑوں، دروں میں بہتا ہوا چلا جا رہا ہے پانی کی روانی، لہروں کا تموج دیکھ کر رادھا آپے سے باہر ہو جاتی ہے اور اپنے جسم سے کپڑے پھینک کر پانی میں

---

[*] ہم نے بھی سلمٰی کی زبان سے جھرنے کی تعریف سُنکر حسب ذیل نظم کہی

کوئی سوئے کوئی جاگے صبح رہے یا شام
کوئی آئے کوئی جائے اس کو کام سے کام

جھرنا جھر جھر جھر جھر ہے

سورج چمکے، چاندنی نکلے، دھوپ رہے یا چھاؤں
تھکتے نہیں ہیں ایک ذرا بھی چلنے سے اس کے پاؤں

جھرنا جھر جھر جھر جھر ہے

دکھ، بیماری، راحت، غم کا اس کو نہیں احساس
موج میں اپنی یکسوئی سے بہتا ہے بارہ ماس

جھرنا جھر جھر جھر جھر ہے

دونوں جہاں کی مدحت و ذم سے اسکو نہیں کچھ کام
بے آرامی ہر پل ہے اس کے لئے آرام

جھرنا جھر جھر جھر جھر ہے

کود پڑتی ہے۔ ساتھ ہی کشن جی غائب ہو جاتے ہیں، نہیں معلوم کیا ہو جاتے ہیں جب رادھا نہا کر باہر نکلتی ہے اور کپڑے پہن لیتی ہے کشن جی بھی نمودار ہو جاتے ہیں پھر دونوں اسی طرح بیٹھ کر باتیں کرنے لگتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد پانی کی موجوں کو دیکھ کر رادھا پھر نہانے کیلئے بےچین ہو جاتی ہے اور کپڑے نکال، پانی میں کود پڑتی ہے، کشن جی بھی پھر غائب ہو جاتے ہیں اور پھر رادھا کے پانی سے نکل کر کپڑے پہننے کے بعد موجود ہو جاتے ہیں، اسی طرح دو چار مرتبہ یہی تماشا ہوتا رہا کہ ادھر رادھا کپڑے اُتار کر پانی میں اُتر گئی اُدھر کشن جی غائب ہو گئے۔

عورت آئے بچہ جائے دل ہے اس کا پاک
کوئی اس میں پتھر پھینکے کوئی ڈالے خاک

جھرنا جھر جھر جھر جھر بہے

منہ میں امرت بھر کر نکلی کالوں کی اک فوج
جھلمل جھلمل ہو جل سے اسکی اُٹھتی ہے دلمیں موج

جھرنا جھر جھر جھر جھر بہے

لہریں لیتی ہیں اس کی موجیں جیسے ستار کے تار
خاموشی میں اگ سریلا گاتا ہے ہر بار

جھرنا جھر جھر جھر جھر بہے

صاف عیاں ہے اس میں میری آنکھوں کی تصویر
بہنا اس کا گہنا ہے اور رونا ہے تقدیر

جھرنا جھر جھر جھر جھر بہے

آپ اس کی لہروں میں ہے عمر رواں کی چال
دیکھو امجد! ہر حالت میں ایک ہے اسکا حال

جھرنا جھر جھر جھر جھر بہے

آخر کشن جی نے تنگ آکر کہا۔

"رادھا تو گھڑی گھڑی جسم سے کپڑے نہ اتارا کر کیوں کہ تیری عریانی سے مجھے تجھ میں چھپنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملتی۔

باقی نہ رہے گی میری خو بو مجھ میں
دیکھیگا نہ کوئی میرا پہلو مجھ میں
اک روز اٹھا ہی دوں گا یہ کا پردہ
دیکھوں کیونکر چھپے گا پھر تو مجھ میں

خدا کی تلاش

ایک رات نمازِ عشار کے بعد ہم دونوں حرم کعبہ میں، کعبہ شریف کی عظمت و شان پر گفتگو کر رہے تھے ہم نے کہا کہ حرم محترم کے عظمت و شان میں کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارا مقصود نہ یہاں حاصل ہوا نہ وہاں، خدا عجم میں ملا نہ عرب میں، ملا کی طرح حاجی کی دوڑ مسجدِ حرام تک ختم ہو گئی ایک ہیں پر کیا منحصر ہے۔ اب تک ہزاروں نے تلاش کی بہتوں نے سر مارا مگر اس کا پتہ نہ ملا پر نہ ملا۔

اس مہر جہاں تاب کا ذرہ نہ ملا
لاکھوں میں کسی ایک کو رستہ نہ ملا
زہلین میں اُڑا ریل میں دوڑ لیکن
بندے کو کہیں پتہ خدا کا نہ ملا

کوئی تو خدا کا بندہ اتنی کوشش اور تلاش پر خدا کو پا سکتا۔ کسی ایک کی محنت تو ٹھکانے لگتی

سلمیٰ نے کہا سنو صاحب، انسان کی طبیعت فطرۃً متجسس واقع ہوئی ہے اگر تجسس اور تلاش سے خدا مل جاتا تو متجسس طبیعت کبھی نچنت

نہ بیٹھ سکتی بلکہ پھر دوسرے خدا کی تلاش میں پڑ جاتی ۔

فطرت کا تقاضا ہے کہ کوشش میں رہے — دلچسپی عقل ہے کہ کاوش میں رہے
جب تودۂ خاک پھر رہا ہے دن رات — خاکی انسان کیوں نہ گردش میں رہے

مقصودِ حج

(۲) پھر ہم نے کہا کہ جب بیت اللہ میں بھی اللہ کے ملنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو یہاں تک آنے اور اس قدر مصائب اٹھانے کا کیا حاصل ہو سکتا ہے، آخر مقصود حج کیا ہے ؟

کہا مقصود حج اولاً تو حکم الٰہی کی تعمیل ہے

دوسرے یہ کہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ ملک حجاز وادی غیر ذی زرع ہے جہاں سب مسلمان ہی رہتے ہیں کیا اخوت اسلامی اور مذہبی محبت کے لحاظ سے دیگر ممالک کے مسلمانوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ اپنے بھوکے پیاسے دینی بھائیوں کی دستگیری کریں ؟

ہم نے کہا کیوں نہیں ؟ ہے اور ضرور ہے ۔

کہا بس میرے خیال میں اور عورت ہونے کی وجہ سے میری ناقص عقل میں مقصود اور منشائے حج غریب پروری ہے اسی لئے تو حج مستطعین پر فرض ہوا ہے اور یہاں کے ایک پیسے کی خیرات لاکھوں پیسیوں کی خیرات کا ثواب رکھتی ہے ۔ سال میں ایک مرتبہ حاجیوں کے آجانے سے ارض مقدس کے بھوکے پیاسے مسلمانوں کے سوکھے دھانوں میں مینہ سا برس جاتا ہے،

انہیں حاجیوں کی آمد پر تمام باشندگان حجاز آس لگائے بیٹھے رہتے ہیں اتنے طویل سفر میں لاکھوں غریبوں کی موجودگی میں پھر ارض مقدس اور بلدالامین میں صحیح طور پر ایک غریب خستہ حال کی دل جوئی کا موقع مل گیا تو سمجھ لیجئے کہ اس نے حج اکبر کر لیا

اندرون حج تنعقد مضمرست — دل بدست آور کہ حج اکبراست
از ہزاران کعبہ یک دل بہترست

سجدۂ شوہر

ایک روز رباط مکہ میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ یہاں عرب کی عورتیں شوہر کی کوئی عزت نہیں کرتیں حالانکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اگر خدا کے بعد کسی دوسرے کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے مردوں کو سجدہ کریں

سلمیٰ نے کہا آپ نے سمجھا بھی کہ یہ حکم اور یہ اعزاز کن مردوں کیلئے ہے۔ یہ خلعت عزت ان مردوں کیلئے ہے جن کا سلوک اپنی عورتوں کے ساتھ مربیانہ ہو)

یہ سہرا ان مردوں کے سروں کے لائق ہے جن میں عورتیں (ان ربی احسن مثوائی کہتی ہوئی) شان ربوبیت کا مشاہدہ کر سکیں۔

بیگانوں کے دل سے آشنا بھی تو ہو — دل نذر ہے پہلے دلربا بھی تو ہو
تم بندۂ احسان تو بنا لو ہم کو — ہم سجدہ کریں گے تم خدا بھی تو ہو

بست و کشاد

ایک روز ہم رباط دلاور النساء بیگم واقع مکہ مکرمہ میں بیٹھے ہوئے اپنے مقام سکونت کی تعریف کر رہے تھے کہ اس سے بہتر ہوادار اور وسیع حصہ رباط بھر میں نہیں ہے کہ یکایک قافلہ حیدرآباد آنے کی خبر معلوم ہوئی ہم نے سلمیٰ سے کہا کچھ سنتی ہو حیدرآباد کا قافلہ آرہا ہے۔ اور سب آنے والے اسی رباط میں اتریں گے نہیں معلوم ہماری کیا گت بنتی ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی زبردست آنے والا ہم کو کہہ دے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔

کہنے لگیں کوئی پرواکی بات نہیں۔ جب کوئی جاؤ کہنے والا ہوگا تو کوئی آؤ، کہنے والا بھی ضرور ہوگا۔

بروئیم اگر بند گردد درے شود باز ناگہ درے دیگرے

الم ترا الی الابل

مدینہ طیبہ جاتے ہوئے راستے میں اونٹوں کا قافلہ دیکھ کر ہمارے رفیق سفر حسن حسینی نے ہم سے پوچھا کہ اونٹ میں ایسی کیا خوبی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے الم ترا الی الابل کیف خلقت ارشاد فرمایا ہے۔ ہم نے کہا یہی کہ اس کی ساخت بالکل عجیب ہے، اس کی قوس نما لمبی گردن، اونچا قد لمبے پاؤں، وضع، قطع اپنی طرز میں نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔

حسن حسینی تو یہ سنکر خاموش ہو گئے مگر سلمیٰ کہنے لگیں کہ یہ تو کوئی ابھی

وجہ نہیں ہے جس کے لئے صانع کونین، خالق ارض وسما، الم ترا الی الابل کیف خلقت فرمانا صرف جسمی بناوٹ کے اعتبار سے تو اس سے کہیں زیادہ عجیب الخلقت مخلوق الہٰی موجود ہے۔

بات یہ ہے کہ اس ریگستانی علاقوں میں جہاں قدم قدم پر زمین میں پاؤں دھنستے ہیں کوئی جانور دو قدم بھی اچھی طرح چل نہیں سکتا وہاں یہ اونٹ بغیر کسی تکلیف کے اپنے پولے پولے تلوے رکھتا ہوا بے تکان چلا جاتا ہے۔ الم ترالی الابل کیف خلقت۔

(۲) جہاں تمازت آفتاب کی وجہ سے ریگستان کا ذرہ ذرہ بھاڑ کی طرح جل اٹھتا ہے۔ انتہائی سوزش سے کوئی متنفس قدم نہیں رکھ سکتا وہاں اونٹ بغیر کسی تکلیف کے بڑی سی بڑی منزل طے کرتا ہے، الم ترالی الابل کیف خلقت

(۳) ریگستانی میدانوں میں جہاں کوسوں پانی نہیں ملتا۔ دنوں دانہ چارہ نصیب نہیں ہوتا۔ یہ غریب جانور کئی دن بھوکا پیاسا رہ کر اپنی سواریوں کو منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ الم ترالی الابل کیف خلقت

(۴) اس قدر، بلند قامت اور عظیم الخلقت ہوتے ہوئے، غریب اور فرماں بردار ایسا کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ لے تو بغیر کسی سرکشی کے اس کی اطاعت کرتا ہوا کوسوں چلا جاتا ہے۔ الم ترالی الابل کیف خلقت

(۵) بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تمام پیٹھ زخمی ہو جاتی ہے اور زخمی بھی اس طرح کہ آنکھ بھر کر دیکھی نہیں جا سکتی۔ اس پر بھی اس غریب پر منوں

بوجھ لاد دیا جاتا ہے اور یہ صابر اور جفاکش جانور جان رہنے تک برابر جفاکشی سے اپنا کام کئے جاتا ہے۔ الم ترالی الابل کیف خلقت۔

اتنی خوبیوں پر بھی آپ کے اردو محاورے میں کہا جاتا ہے اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی؟ میرے خیال میں تو اس کی ہر کل سیدھی ہے بشرطیکہ دماغ میں کجی نہ ہو۔

صانع بیکار شئے بناتا ہی نہیں
حق جانب باطل کبھی جاتا ہی نہیں
ہر چیز اپنے وجود میں کامل ہے
مجھ کو کوئی ناقص نظر آتا ہی نہیں
ذرہ ذرہ ہے حسن پیکر دیکھو
تفصیل سے ہر ایک کا جوہر دیکھو
دیکھو ہر چیز کو بحیث المجموع
پتھر کو بھی دیوار میں رکھ کر دیکھو

موجودہ تصوف

ایک دن مکے میں موجودہ علم تصوف پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ہم نے کہا کہ آجکل تصوف نے تو ہر شخص کو خدا بنا دیا ہے۔

آیا ہے زمانہ ترقی
گندہ بندہ خدا ہوا ہے
ایمان سے دل کو صاف کر کے
امجد صوفی بنا ہوا ہے

ہنس کے کہنے لگیں تو اس ادعائے خدائی میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اس لئے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے لیکن خدائی تو ختم نہیں ہوئی

استغفار

حرم مکہ میں اکثر یہ استغفار پڑھا کرتی تھیں۔

استغفر اللہ الذی لا یغفر الذنوب الا ہو واتوب الیہ، انہ یحب التوابین۔

انجام شاعری

حج کو جاتے وقت، بمبئی میں ہمارا یہ شعر

حضرت امجد بھلا کعبے کو کیونکر جائیں گے ہو گئے وہ تو یہیں محو بتان بمبئی

سُنکر کہنے لگیں کہ

شاعرے را باید کہ تخلص خود قیس نہد زیرا کہ انجامش بجنوں کشد،

(ملاحظہ ہو حج امجد)

گالی

ایک دفعہ سلمیٰ کی ایک دوست مہمان آئیں جن کے ساتھ چند خادمائیں بھی تھیں۔ امیری کی ترنگ میں جب کسی خادمہ کو بلاتیں گالی پہلے ہوتی اور بات پیچھے۔ غریب خادمائیں پیٹ کی ماری خون کے گھونٹ پی پی کر رہ جاتیں مگر اُف نہ کرتیں۔ سلمیٰ اپنی مہمان عزیز کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے تو دنگ ہوگئیں پھر ان سے نہایت نرم لہجے میں کہا کہ میری پیاری بہن

ہیں ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ساری جس نے عالم کو غیر سمجھا، چوکا

منہ اپنا کیا خراب گالی دے کر تم نے میلا چیا کے منہ پر تھوکا

فرقِ موت وحیات

ایک دفعہ ہم نے پوچھا کہ موت اور زندگی میں کیا فرق ہے؟

کہنے لگیں جو فرق غم اور غم میں ہے وہی فرق موت اور زندگی میں ہے

آئینہ مرگ وزیست حیرتناک است | ہر سینہ بکشف سرقدرت چاک ست
امجد چہ تفاوت ست درموت وحیات | یک بر سرِ خاک و دیگرے درخاک ست

تکمیل خواہش

ایک دفعہ ہم نے کہا دنیا میں بہت کم خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جو پوری ہوتی رہیں۔

سلمیٰ نے کہا (۱) دنیوی خواہشوں کا پورا ہونا بڑی خوفناک بات ہے بکرے کو زیادہ دانہ چارہ ملنا اس کے ذبح کی تمہید ہے (۲) نفس کی خواہش کی ہر تکمیل روحانیت کی تنقیص کا باعث ہے۔ (۳) ایک دفعہ ایک عجیب شہر میں میں نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی ہے جو ببانگ دہل آواز دے رہا تھا کہ اس شہر میں ہر شخص کی خواہش پوری کی جاتی ہے، جسکی جو خواہش ہو کل باب کریم (نام محلہ) پر حاضر ہو کر پیش کر سکتا ہے۔ میں یہ سنکر دوسرے دن مقام مقررہ پر پہنچ گئی جہاں لاکھوں کروڑوں آدمی مجھ سے پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ ہر شخص اپنی خواہش پیش کرنے کی خواہش میں آپے سے باہر ہو رہا تھا باوجود اس قدر ازدہام کے نہایت سہولت سے میں بھی مقام

مقصود تک پہنچ گئی۔ دیکھا کہ وسط میں ایک تخت بچھا ہے تخت پر ایک انسان جیسی ہستی جلوہ فرما ہے جو بیک نظر صاف اور نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ لیکن غور سے دیکھنے پر نور نظر میں تحلیل ہو جاتی ہے اگرچہ میرے دل میں کوئی خاص خواہش نہ تھی مگر وہاں تک پہنچنے کے بعد کوئی نہ کوئی خواہش پیش کرنی ضروری تھی اس لئے میں نے بھی اپنے دل میں ایک خواہش فرض کر لی اور کہا کہ ...... " میں رباعیات امجد زمرد یں حروف سے سونے کے اوراق پر لکھوانا چاہتی ہوں" میری یہ خواہش سُنکر جواب ملا یہ خواہش نا قابلِ التفات ہے" میں نے کہا" کیا کل منادی نے غلط کہا یا میں نے غلط سنا۔ میں نے تو سُنا ہے کہ یہاں ہر شخص کی خواہش پوری کی جاتی ہے۔

جواب ملا کہ بے شک ہر شخص کی خواہش پوری کی جاتی ہے مگر شریعت کے موافق ..

اس وقت مجھے شریعت کے معنی ضرورت معلوم ہوئے۔ یعنی ہر خواہش ضرورت کے موافق پوری کی جاتی ہے۔

اب جو میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موافق تو میری ہر خواہش خود بخود پوری ہو رہی ہے دیکھنے کے لئے آنکھیں، سننے کے لئے کان، سونگھنے کو ناک، چکھنے کو زبان کیا کم نعمتیں ہیں کہ ان انمول نعمتوں پر مزید نعمت کی خواہش کی جائے۔ سانس لینے کے لئے کافی ہوا پینے کے لئے پانی، پیٹ بھرنے کے لئے ماحضر، تن ڈھانکنے کے لئے ایک معمولی کپڑا تو مل ہی

رہا ہے۔ اس کے سوا زیادہ کی طلب، مزید برضرورت اور آزادانہ زندگی کے لئے مصیبت ہے۔

گرمی میں غم لبادہ نازیبا ہے　　مستی میں خیال بادہ نازیبا ہے
کافی ہے ضرورت کے موافق دینا　　جامہ قد سے زیادہ نازیبا ہے
(رباعیات امجد حصۂ اول)

ضرورت اسلام

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ توحید یعنی ایک خدا کا تو عالم میں ہر شخص قائل ہے اور علی العموم ہر مذہب کی اسی پر بنیاد ہے۔ مسیحی بھی توحید فی التثلیث کے قائل ہیں پھر اسلام کی توحید میں مابہ الامتیاز کونسی خصوصیت ہے؟

سلمیٰ نے کہا کہ صرف خدا کو ایک سمجھ لینا کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا جس طرح صرف دوا معلوم کر لینے سے ازالۂ مرض نہیں ہو سکتا جب تک کہ دوا کا استعمال نہ کیا جائے اسی طرح احکام الٰہی پر عمل کئے بغیر محض الوہیت واحدہ کا قائل ہونا نہ حاصل دین ہے نہ حاصل دنیا اور احکام الٰہی کا علم اور اس کی تعمیل بغیر تصدیق رسالت نہیں ہو سکتی کوئی شخص بادشاہ کو بادشاہ تو مانتا ہے مگر بادشاہ کے احکام نہ سنتا ہے نہ ان کی تعمیل کرتا ہے اس سے تو بہتر تھا کہ سرے سے اس کی بادشاہی ہی تسلیم نہ کرتا۔

انسان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں　　ہر جان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں
یہ کلمہ طیبہ کے دو جزو نہیں　　ایمان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں
لا الٰہ الا اللہ　　محمد رسول اللہ

طریقۂ وعظ

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ ...... ہمارے واعظین کے وعظ کا اثر سامعین پہ کیوں نہیں ہوتا؟ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو حج کرو، ہر وقت سنا کرتے ہیں مگر عمل کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی۔

سلمیٰ نے کہا" اگر میں یکایک آپ سے ڈرو، ڈرو کہنے لگوں تو کیا آپ ڈر جائیں گے؟

ہم نے کہا کبھی نہیں، ڈرنے کی دو صورتیں ہیں، یا تم ہماری نظر میں اس قدر معظم ہو جاؤ کہ تمہاری ہر بات کو وحی سمجھ کر بلا چون و چرا تسلیم کر لیں یا اس خوفناک شئے کا نام بتا کر خوف کی وجہ ثابت کرو۔

سلمیٰ نے کہا سچ ہے جب تک کسی کی عظمت اور ہیبت دل میں قائم نہ ہوگی اس کے احکام کی تعمیل ہی کس طرح ہوگی حاکم کی عظمت اور ہیبت کا نقش دل پہ جم جانے کے بعد پھر احکام کی تعمیل پر اصرار کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لئے میری رائے میں واعظوں کو چاہیئے کہ پہلے واحد قہار خدا کا نقش دلوں میں جما دیں احکام کی تعمیل ہم خود ہی کر لیں گے صرف مرض کی اہمیت سمجھا دی جائے، مریض تلخ سے تلخ دوا کھانے کے لئے آپ ہی تیار ہو جائے گا۔

(۲) عدم تاثیر کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ علی العموم خود قائل اپنے قول سے بے خبر متاثر رہتا ہے، تا بہ دیگراں چہ رسد۔

اس خانۂ رنگیں میں کوئی ہے کہ نہیں | بات اپنی ہی اپنے دلنشیں ہے کہ نہیں
جس بات کا کر رہے ہیں دعوی حضرت | خود آپ کو بھی اس کا یقیں ہے کہ نہیں

ناٹک کی بادشاہی کسی کو کیا مرعوب کر سکتی ہے ان کا نصب العین تو کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

دل میں کچھ ہے زباں پر کچھ ہے | دیکھتے کچھ ہیں، دھیان میں کچھ ہے
وزن کیا ایسی بات کا امجد | یاں ہے کچھ اور مکاں میں کچھ ہے

چھا رہی ہے سیاہی اعمال | شام اسلام کی سحر کیا ہو
ہر مبلّغ ہے فکر مبلغ میں | ایسی تبلیغ کا اثر کیا ہو

مشکل آسان

ایک دفعہ ہم اخراجات کی تنگی سے تنگ آ کر ترقی کی سوچ میں پڑے ہوئے تھے۔ سلمیٰ نے پوچھا آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ ہم نے کہا، یہی اپنی ترقی کی تدبیریں۔

سلمیٰ نے کہا صاحب پیٹ بھرنے کے لئے چوبیس گھنٹے میں ایک سوکھا ٹکڑا، تن ڈھانکنے کے لیے ایک موٹا جھوٹا کپڑا، ہر شخص کو بغیر کسی خاص زحمت اور مشقت کے مل ہی جاتا ہے (وما من دابۃ الا علی اللہ رزقہا)* ختم ہونے والی زندگی ختم کرنے کے لئے یہی بہت کافی ہے۔ قناعت میں بڑی گنجائش ہے۔ لیس لابن آدم حق سوی ہذا الخصال بیت یسکنہ ثوب یواری بہ عورتہ وجلف الخبز والماء۔

*فی الارض

مگر ہم اپنے نفس کے ہاتھوں آپ مصیبت میں گرفتار ہیں اپنے ہوائے نفسانی کی تکمیل کے لئے غیر آدمی کو سمجھانے اور اس کی منت کرنے سے تو اپنے آپ کو سمجھا لینا زیادہ تر آسان ہے۔

یُرید اللہ بکم الیسر ولا یُرید بکم العسر

ہم اپنی زندگی غلط اُصول پر چلا رہے ہیں، خود اپنی ذات پر قابو نہ پا کر دوسروں پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا للعجب سارے عالم پر قبضہ کرنے والے سے وہ بہادر زیادہ قابل تعریف ہے جس نے خود پر قبضہ حاصل کر لیا ہو۔

اس خواہش نفس کو مقید کیجئے
ہر خام ہوس کو، عقل سے رد کیجے
غیروں کی خوشامد کی بہ نسبت امجد
بہتر ہے کہ اپنی ہی خوشامد کیجے
اس دل کو سنبھالنے کی قوت مل جائے
مجھ کو، میرے ہی گھر کی دولت مل جائے
کونین کی شاہی کی طرف رخ نہ کروں
اے کاش، مجھے، مجھ پہ حکومت مل جائے

مداخل و مخارج زبان

ایک دفعہ کسی نے ہمارے مکان پر دستک دی، چونکہ ہم کسی کام میں تھے، لڑکے سے کہدیا "جا کہدے کہ گھر میں نہیں ہیں"
سلمیٰ نے کہا، اگرچہ آپ کی اس گفتگو کو باہر آنے والا انسان نہیں سُن رہا ہے لیکن اندر اور دل کے اندر رہنے والے خدا کو تو ہر بات کی خبر ہے، میرے اچھے صاحب آپ مجھے معاف کریں۔ جھوٹ، خواہ

کتنا ہی کم ہو مگر دھوئیں کی طرح اندر ہی اندر قلب سلیم کے صاف اور پاک آئینے کو دھندلا اور تاریک کر دیتا ہے۔

اسی طرح لقمۂ حرام بھی، چاہے کتنا ہی قلیل ہو (قلت مقدار و اکثرت) رگ رگ میں خون کی طرح دوڑ کر معصوم روح کو محرمات کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ دنیا جہاں کی ساری ریاضتوں سے قطع نظر کر کے زبان کے مداخل اور مخارج کی طرف توجہ کرنے کی سخت ضرورت ہے اور صرف یہی دو باتیں دین و دنیا کی ترقی کے دو زینے ہیں۔

مداخل زبان یعنی ہر کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ میں کیا کھا رہا ہوں اور یہ چیز میرے لئے کہاں تک جائز ہے؟ مخارج زبان، یعنی ہر کہتے وقت یہ خیال رہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ اور ایسا کہنا میرے لئے کہاں تک جائز ہے۔

یہ دو باتیں شام و سحر یاد رکھئے   میں کیا کھا رہا ہوں میں کیا کہہ رہا ہوں
انھیں میں ہے سارا اثر یاد رکھئے   میں کیا کھا رہا ہوں؟ میں کیا کہہ رہا ہوں

حقیقی مسرت

ایک دفعہ ہم نے کہا، دیکھو ڈاکٹر ٹیگور نے اپنی شاعری کی بدولت نوبل پرائز کی دولت حاصل کی سنتے ہیں کہ اس دفعہ ڈاکٹر اقبال کی قسمت چمکنے والی ہے۔ ایک آپ کے امجد صاحب بھی ہیں جن کو آج تک ایک حبۂ سیاہ بھی نصیب نہ ہوا۔

سلمیٰ نے کہا سنئے صاحب! جب کوئی انسان کسی مدعا کو اپنا فرض سمجھ کر کوئی کیا کہے گا، کے خیال سے قطع نظر کرکے دنیوی جھوٹی تعریفوں اور زائل ہونے والے انعامات کی خواہش سے مستغنی ہوکر مسلسل کام کرتا چلا جاتا ہے تو خود اس کی ضمیر کی سچی مسرت اور روحانی خوشی اس کا اعلیٰ ترین انعام ہو جاتی ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ آپ لکھ پڑھ کر بھول جاتے ہیں، آپ اپنی کہی ہوئی رباعی بھول گئے؟ پڑھئے اور غور سے پڑھئے۔

کیا فکر ہے کوئی قدرداں ہو کہ نہ ہو
جھوٹی دنیا میں عزوشاں ہو کہ نہ ہو
اللہ مسرت حقیقی دے دے
ہم زندہ رہیں نام ونشاں ہو کہ نہ ہو

کل ہی کی بات ہے کہ ایک صاحب میرے سامنے آپ کی کمی اہمواری پر افسوس کرتے ہوئے ترقی کی مختلف تدبیریں بتا رہے تھے میں چپ چاپ بیٹھی سن رہی تھی۔ یکایک مجھے چینی کا ایک اُلٹا پلٹتا پیالہ نظر آیا جس کو چھوٹی سی پیندی بھی تھی جب پیالہ سیدھا ہوتا ہے تو پیندی نیچے ہو جاتی ہے جب اُلٹا ہوتا ہے تو پیندی اوپر ہو جاتی ہے پہلے تو یہ غیبی اشارات سمجھ ہی میں نہ آئے پھر بہت دیر کے بعد یہ سمجھا کہ پیالے کے دونوں رُخ کسی طرح بھر نہیں سکتے پیالہ (رضائے مولا) بھر گئے تو پیندی (رضائے نفس) خالی ہو جائے گی پیندی بھر گئے تو پیالہ خالی ہو جائے گا۔

متاعُ الدنیا قلیل والاٰخرۃ خیرٌ وابقیٰ

جس کے لئے جانِ زندگانی تو ہے
تسلیم مسلمانوں کی اصلی خو ہے

اے لذتِ عاجلہ کے طالب ہشیار معبود اپنا ہوا نہیں ہے ہوس ہے

اونچے محلوں میں لطف تو آتا ہے دل ہے کہ قدم قدم پہ اترا تا ہے

اچھی تو ہے دنیوی ترقی امجد غم یہ ہے کہ ایمان گھٹا جاتا ہے

سلامٌ علیکم

ہم سلمیٰ کو صرف دو وقت گھر سے باہر جاتے اور گھر میں واپس آتے وقت) سلام علیکم کہا کرتے تھے مگر بی سلمیٰ ہم کو دن میں سو مرتبہ سلام کہا کرتی تھیں، اِدھر سے آئیں سلام علیکم اُدھر سے آئیں سلام علیکم، ایک دن ہم نے کہا آخر تمہارے سلام کی کوئی حد بھی ہے۔ سلمیٰ نے کہا جب تک اسلام ہے اس وقت تک سلام ہے یاد رکھیئے، السلام من محاسن الاسلام

جب ملو تم کسی مسلماں سے ہو سلام اول کلام امجد

سچ تو یہ ہے کہ لفظاً اور معناً جزوِ اسلام ہے سلام امجد

سورۂ بقر

ایک دفعہ سورۂ بقر پڑھ کر سلمیٰ نے کہا کہ مردہ گائے کے لوتھڑے سے ایک مردہ کا زندہ ہو جانا صاحب بصیرت، اہل دل کے لئے عجب عبرت خیز واقعہ ہے وہ یہ کہ . . . .

مردہ از مردہ پارہ شد زندہ گشت از و حالت بتر بہتر

از دل زندۂ تو اے امجد پارۂ مردۂ بقر بہتر

حال

ایک دفعہ ہم وجود کائنات اور حیات بعد الممات پر گفتگو کر رہے تھے سب کچھ مسٹر سنکر سلمیٰ نے کہا کہ :- کائنات کا وجود کس طرح ہوا؟ یا یا بعد ممات کیا ہوگا؟

یہ وہ عقدے ہیں جن کی بہت تحقیقاتیں ہوئیں مگر آج تک کسی سے کسی طرح یقینی طور پر حل نہ ہو سکے قطب صاحب کی لاٹ دیکھ کر ایک فیلسوف صاحب نے کہا کہ گذشتہ زمانے کے انسان بھی کتنے بلند قد تھے جنہوں نے اتنا بلند منار تیار کیا تھا

دوسرے عقلمند نے جھلا کر کہا تم تو نرے بیوقوف ہو کہیں آدمی بھی اتنے اونچے ہو سکتے ہیں بلکہ لاٹ زمین پر رکھ کر بنائی گئی اور پھر سیدھی کھڑی کر دی گئی۔

تیسرے شیخ العقل نے فرمایا خدا کی قسم تم دونوں گاودی ہو۔ لاٹ زمین پر بنا کر کھڑی نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایک قدیم اور گہرا کنواں تھا زمانے کے انقلاب سے الٹ کر اس طرح لاٹ کی صورت میں قائم ہو گیا قصور معاف، آپ بھی ان تین کے چوتھے فیلسوف نہ بنیئے۔ گذشتہ کے ظنیات (ایسا ہوا ہوگا) آئندہ کے عقلی توہمات (ایسا ہوگا) میں پھنس کر حاصل شدہ حال کی بے مثال دولت کو پامال نہ کیجیے۔

آثار سے ظاہر ہے کہ میں بندہ ہوں سرتا بقدم حدوث کا پتلا ہوں

کیا تھا کیا ہوگا؟ اس سے کیا حاصل ہے   مجھ کو تو یہ دیکھنا ہے میں اب کیا ہوں

خودی اور خدا

ایک دفعہ ہم دنیوی مصیبتوں سے گھبرا کر کہہ اٹھے خدا ہے بھی کہ نہیں؟

ساتھ ہی سلمیٰ نے کہا۔ آپ بھی ہیں کہ نہیں؟

ہم نے کہا ہم؟ ہیں اور ضرور ہیں۔

سلمیٰ نے کہا، تو پھر خدا بھی ہے اور ضرور ہے اگر خدا نہ بھی ہو تو ہم کو اپنے اطمینان کے لئے بتوں ہی کی خدائی تسلیم کرنی پڑے گی۔

پہلے یہ غور کر لیجئے کہ خود آپ کا وجود مستقل ہے یا غیر مستقل؟

شکل اول، اپنے بے اختیارانہ حالات اور بغیر قصد و ارادہ آناً فاناً استحالات کے نظر کرتے بدیہی البطلان ہے۔

شکل ثانی اور اپنے وجود کا غیر مستقل ہونا، امر مستقل ہے۔ پھر غیر مستقل وجود، بغیر کسی مستقل وجود کے یا عرض بغیر جوہر کے یا رنگ بغیر کپڑے کے کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ آگے کی طرف بڑھو یا پیچھے کی طرف ہٹو دونوں صورتوں میں ایک ایسی ہستی پر ٹھیرنا پڑتا ہے جو اپنے قیام میں مستقل ہو

لولا الخالق لہلک المخلوق

بجتا ہو ستار اور مضراب نہ ہو؟   پھیلی ہوئی چاندنی ہو مہتاب نہ ہو؟
میں میں نہیں ہو سکتا نہ ہو تو جب تک   ممکن ہی نہیں حباب ہو آب نہ ہو

واذا الجبال سیّرت

ایک دفعہ ہم واقعات قیامت پڑھتے ہوئے کہنے لگے، کیا قیامت کے وقت پہاڑ بھی ہوا پر اڑتے پھریں گے؟

سلمیٰ نے کہا، قیامت کی دلّی تو ابھی بہت دور ہے اُس وقت جو بھی نہ ہو تھوڑا ہے۔

میں تو دیکھتی ہوں کہ اب بھی بڑے بڑے پہاڑ ہوا پر اڑ رہے ہیں

ہم نے کہا اب؟

سلمیٰ نے کہا ہاں اب اور اس وقت، دن رات ہماری آنکھوں کے سامنے۔

دیکھئے ہاتھی، گھوڑا، بیل، گائے، انسان، حیوان، یہ بھی مختلف قسم کے چھوٹے بڑے پہاڑ ہیں جو ہوا (یعنی سانس) پر ہر وقت اڑتے پھرتے ہیں پھر قیامت میں اڑیں تو کونسی تعجب کی بات ہے؟

تعمیر حیات ہے قضا پر قائم ایوان وجود ہے فنا پر قائم
دم کے دم سے ہے ساری نقل و حرکت یہ کوہِ عظیم ہے ہوا پر قائم

خطرات فی الصّلوٰة

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ خطرات و وساوس کا طوفان جس شدت سے نماز میں ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ہوتا، پھر نماز ٹھیک ہو تو کس طرح؟

اور حضور قلب ہو تو کیونکر؟ معراج مومنین کی یہ تاراجی قابل افسوس ہے۔

سلمیٰ نے کہا آپ کا ہر کام (اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا، چلنا، پھرنا) توجہ کے ساتھ ہوتا ہے اور نماز میں کوئی خاص توجہ نہیں ہوتی اور محض فرض کی طرح ادا کردی جاتی ہے۔ دماغ کو کچھ نہ کچھ کام اور توجہ کو کسی نہ کسی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ خلا کی طرح، خیال کا بھی کسی وقت کام سے خالی رہنا محال ہے پھر خطرات نہ آئیں گے تو کیا کریں گے۔ آپ نے سنا ہی ہوگا "خانۂ خالی را دیو می گیرد، و بر گنج لاوارث افعی نشیند" اسی لئے تو ہماری بے معنی نماز ہم کو منکر اور فحشا سے روک نہیں سکتی۔

ہم نے (ٹھنڈا سانس بھر کر) کہا جب یہ بات ہے تو نہ حضور قلب نصیب ہوگا نہ کبھی نماز صحیح ہوگی۔ پھر نماز ہی کیوں نہ چھوڑ دیں؟

سلمیٰ نے کہا صحیح اور غلط کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے ہم کو تو فرض کی تعمیل میں غلط سلط کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہیئے۔ حضرات خطرات ناخواندہ مہمان کی طرح تشریف لاتے ہیں تو لائیں اور وساوس آتے ہیں تو آئیں، جاہل کو تو ہر طرف شیطان ہی شیطان نظر آتے ہیں۔

فطرت ہر چیز کی طرف مڑتی ہے — ٹوٹی ہوئی چیز آکے پھر جڑتی ہے
ہوتا ہے نماز میں ہجوم خطرات — گھر جھاڑتے وقت خاک بھی اڑتی ہے

(خرقۂ امجد)

صلوٰۃ علی النبی

ایک دفعہ سلمٰی کی ایک ملنے والی، اہل حدیث کی مقلدہ نے سلمٰی سے پوچھا "بی بی! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود پڑھنے اور آنحضرت پر طلب رحمت کرنے سے ہم کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟

سلمٰی نے کہا کہ اپنے نبی کے لئے طلب رحمت کرنا عین اپنے ہی لئے طلب رحمت ہے۔

مستفسرہ نے کہا کہ جب صلوٰۃ علی النبی کا یہی منشاء ہے تو پھر ہم بلا وساطت وسیلہ، خود اپنے لئے طلب رحمت کیوں نہ کریں؟ توسل کی کیا ضرورت ہے؟

سلمٰی نے کہا، کہ کسی درخت کے پتے یا ڈالی کو آب حیات ہی میں کیوں نہ ڈبو دیا جائے مگر کبھی اُس میں شادابی اور تر و تازگی نہیں آ سکتی جب تک درخت کی جڑ میں پانی نہ پہنچایا جائے۔ جب پانی جڑ میں پہنچ جاتا ہے تو پھر برگ و ثمر کی تازگی کے لئے علیحدہ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اُم الشجر (یعنے جڑ) سب کی نظر بچا کر اندر ہی اندر اپنے سے پیدا ہونے والے بچوں (شاخ و برگ و ثمر) کو اپنے دودھ جیسے پانی سے سیراب کرتی ہے اُنظر الی آثار رحمۃ اللہ

اسی طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اصل عالم ہیں جو رحمت الٰہی، اس رحمت عالم سے ہو کر ہم تک پہنچتی ہے وہی ہمارے لئے زیادہ تر

مفید ہے۔ اللھم صلی علی وسلیتنا محمد وبارک وسلم

اے تنگ نظر بہ عقل دیوانہ مباش
پرکرمک شب تاب تو پروانہ مباش
گر تازگی برگ و ثمر می خواہی
اے فرع ز اصل خویش بیگانہ مباش

افضلیت سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

ایک دفعہ کسی پرچے میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر کسی کا مضمون پڑھ رہی تھیں۔

جس میں مضمون نگار نے، افضلیت جناب امیرؓ ثابت کرنے کے لئے خلافت بلافصل ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

سلمیٰ نے مضمون ختم کرکے کہا کہ واقعات حقہ پر پردہ ڈال کر خلفائے ثلثہ کی خلافت سے انکار کرکے جناب امیر کی افضلیت کا اثبات تعجب خیز بات ہے اگر حب علی لبغض معاویہ کے تحت جناب امیر کی افضلیت مقصود بھی ہو تو اس کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ خلفائے سابق کی خلافت کا انکار کردیا جائے۔ میری رائے میں تو واقعات مسلمہ کو تسلیم کرکے خلفائے سابق کو خلفا تسلیم کرنے اور جناب امیر کو خلیفہ آخر اور خاتم الخلافت ثابت کرنے میں زیادہ افضلیت ثابت ہو سکتی ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اس میں نہیں ہے کہ ہم آپ کو نبی بلافصل کہہ کر انبیائے سالف کی نبوت کا انکار کردیں بلکہ افضلیت علی الانبیاء اسی وقت ثابت ہوگی کہ انبیائے گذشتہ کی نبوت بھی تسلیم کیجائے

فافہموا فتدبروا لعلکم تفلحون

مومن وہ کہ امن میں رہے جس سے ہر ایک　　اعدا کو بھی وجد آئے وہ بات کرو
اچھا کہ برا ہنر ہو یا عیب مگر　　جو کام کرو اصول کے سات کرو

قرآن کریم

ایک دفعہ ذکر سے فارغ ہو کر سلمیٰ نے کہا کہ آپ نے ذکر لا الہ الا اللہ کا جو طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ لا سے تمام مناظر و مرایائے محسوس کی نفی کر کے الا اللہ کے ذریعہ غیر مدرک اور غیر محسوس ہستی کا اثبات کیا جائے میں اب تک یہی کرتی رہی لیکن آج کے ذکر میں اقتضائے طبع یہ تھا کہ جس طرح نفی محسوسات کی ہوئی ہے، اثبات بھی کسی محسوس کا ہونا چاہیے

ہم نے کہا یہ تو ممکن نہیں۔ کیا تم نے قرآن پڑھا نہیں لیس کمثلہ شئی۔

سلمیٰ نے کہا کیا آپ نے قرآن میں پڑھا نہیں ولہ المثل الاعلیٰ،

ہم نے کہا بیشک پڑھا تو ہے مگر ہماری نظر میں اس ہستی بیمثال کی کوئی مثال نظر نہیں آتی سبحانک لا علم لنا

سلمیٰ نے کہا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم، میری آنکھوں کو تو اس بے مثال کی ایک مثال نظر آتی ہے۔

میں نے پوچھا وہ کیا؟

سلمیٰ نے کہا۔ . . . . . اس کا کلام

وہ نور لطیف برملا آیا ہے　　گمراہ کے پاس رہنما آیا ہے

جہات نسبت

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ جب لا قوۃ الا باللہ آیۃ قرآنی اور مسلم بات ہے اور ہر حول اور قوت کا مرکز اعلیٰ وہی وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے تو کیا ہمارے اعمال سیئہ بھی اس کی طرف منسوب ہوں گے۔

سلمیٰ نے کہا اسی دقت اور مشکل کے مدنظر خدا کے مہربان بندوں نے اپنے خدا کو سیئات سے بچانے کے لئے دو مستقل ہستیوں یزدان واہرمن کو تسلیم کر لیا مگر یہ نہ سمجھے کہ اس سے اس محیط الکل خدا کی تعطیل اور قادر مطلق کی تقدیر کا انکار لازم آتا ہے۔ ایک شخص صرف جنت بنا سکتا ہے اور ایک جنت و دوزخ دونوں بنا سکتا ہے۔ ہر معمولی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں میں کون خدائی کے لائق ہے۔

ہم نے کہا کہ بعض عالم محقق یہ کہتے ہیں کہ خدا ہمارے اعمال کا مرکز اعلیٰ نہیں ہے بلکہ اس کو صرف ہمارے اعمال کا علم ہے، علم کے سوا خدا کو ہمارے عمل میں کوئی دخل نہیں ہے۔ یعنی ہم مستقل ہم ہو کر جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

سلمیٰ نے کہا یہ عقیدہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔
یا تو ہمارے اعمال علم الٰہی کے مطابق صادر ہوں گے
یا علم الٰہی کے خلاف صادر ہوں گے۔

اگر علم الٰہی کے موافق صادر ہوں گے اور ضرور ہوں گے تو لفظی تغیر کے قطع نظر اس کے یہی معنیٰ ہوں گے کہ ہمارے اعمال اس کے علم اور منشار کے تحت صادر ہو رہے ہیں فہو المقصود۔

اگر ہمارے اعمال علم الٰہی کے مطابق صادر نہ ہوں گے تو علم باری کا جہل لازم آتا ہے وہو الباطل۔

ہم نے کہا کیا تو پھر تمہاری رائے میں ہمارے اعمال سیئہ خدائے پاک کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں؟

سلمیٰ نے کہا میں کیا اور میری رائے کیا؟ اور منسوب ہو سکتے ہیں کیا معنی؟

یوں کہیے کہ منسوب ہیں مگر عجیب بات ہے کہ نسبت سے کیفیت بھی بدل جاتی ہے یعنی ہم سے صادر شدہ اعمال جب ہماری طرف منسوب ہوتے ہیں تو ان کا نام سیّات ہوتا ہے اور جب ان کی نسبت حکیم علی الاطلاق کی طرف ہوتی ہے تو اس کو حکمت اور مصلحت کہا جاتا ہے۔ ایک ہی زخم جو کسی آلہ جارحہ سے وقوع میں آتا ہے ڈاکٹر کی طرف منسوب ہو کر "آپریشن" اور غیر ڈاکٹر کی طرف منسوب ہو کر "ضرر شدید" کہلاتا ہے۔ ایک ننھی سی چڑیا تنگ دہن باؤلی میں گرتی ہے تو اس کا پانی ناپاک اور ناقابل استعمال ہو جاتا ہے اور سمندر میں ہاتھی ہی کیوں نہ گرے لیکن اس کی طہارت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اطلاق کی نسبت تمام قیود سے مطلق کر دیتی ہے اور متعین کی اضافت تمام قیود میں جکڑ

دیتی ہے۔

من اللہ و من نفسک میں یہی اطلاق و تعین مراد ہے۔

الوجود (الواحد) اذا نسبت الی الحق قلت قدیم و اذا نسبت الی الخلق قلت محدث (شیخ ابن عربی)

یہاں ہے ایک آیت میں ہدایت بھی ضلالت بھی
وہی اک غل اے امجد! ادھر خیر اور ادھر شر ہے
نظر آتے ہیں ہر اک چیز میں قدرت کے دو جلوے
ادھر دیکھو تو آئینہ ادھر دیکھو تو پتھر ہے
ہے سلمیٰ ایک لیکن مختلف ہیں نسبتیں اس کی
ادھر امجد کی بی بی ہے ادھر اعظم کی مادر ہے
یہ سمجھایا ہے جو کچھ ہم نے سمجھانے کی باتیں ہیں
حقیقت میں جو پوچھو، خیر ہے اس جا نہ کچھ شر ہے
نہ یہ ہے اور نہ وہ ہے اعتبارات اپنے اپنے ہیں
خدائی کارخانہ خیر و شر دونوں سے برتر ہے

ہماری شیخی

ایک دفعہ ہم نے کہا کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم بھی مرشد بن بیٹھیں سلمیٰ نے کہا خدا خیر کرے آخر اس سے آپ کی علت غائی کیا ہے ہم نے کہا علت؟ وہ تو بالکل صاف ہے محنت نہ مشقت، اور

دولت ہی دولت۔ ہم کسی کے پاؤں پر لاکھ سر رکھیں، ایک پیسہ نہیں ملتا اور مرشد ہیں کہ ان کے پاؤں پر سر رکھ کر نذریں پیش کی جاتی ہیں واہ جی واہ سر بھی دیں اور نذر بھی۔

ہم بھی کنز مخفی کے اسرار بیان کر کے کنز جلی کھینچنے کی فکر کریں گے اور مسند ارشاد پر متمکن ہو کر کسی جاگیر کی سند حاصل کریں گے۔

جہاں میں سب کی ہے صرف ایک داستان پیسہ
سوال عاشق مولا کا ہے، میاں پیسہ

سلمیٰ نے کہا کیا بے ایمانی کے لئے دنیا میں تمام راہیں بند ہو کر یہی ایک کفر خیز ایمان نما پگڈنڈی رہ گئی ہے؟ دین کی آڑ میں دنیا کمانا اپنے شیطانی اور نفسانی اعمال سے، بزرگوں کے روحانی برکات کو داغدار کر دینا مجھ ناقص رائے عورت کی ناقص رائے میں شرک کی طرح ظلم عظیم بلکہ اعظم ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا

دنیا کو کیا خراب اچھا بنکر
لی جان ہزاروں کی مسیحا بنکر
شیخ نجدی! خدا ہی سمجھے تجھکو
ڈھایا کعبے کو تو نے قبلہ بنکر
شیخ نجدی شیطان کو کہتے ہیں ۱۲
مراد دل

زندگی کا سب اہتمام کیا
موت کا کچھ نہ انتظام کیا
دینداری کا اوڑھ کر برقع
دین کا کام ہی تمام کیا
شیخ نے دوستوں کی صورتیں
دشمنوں سے زیادہ کام کیا
قطعہ
بھید کھلنے پر کہا شیطان نے
واہ جی واہ خوب کام کیا

جب مسلمان ایسے ہوتے ہیں　　　ہم نے اسلام کو سلام کیا

کوئی پیر و مرشد، مسند ارشاد پر مسند آرا کسی نو وارد شخص سے سرگرم گفتگو تھے، یکایک ان کا پرستار مرید آگیا۔ اور بحالت رکوع خم ہو کر بے ساختگی کے ساتھ حضرت اقدس کے مقدس قدموں پر گر پڑا نو وارد خدا پرست نے اس سے پہلے کبھی اس قسم کی مادہ پرستی دیکھی نہ تھی متحیر ہو کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اور اس کو کیا ہو گیا ہے؟

حضرت نے عجب شان تمکنت سے ارشاد فرمایا کہ یہ ہمارا مرید ہے، اور ہم میں تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کر کے ہمارے قدم چوم رہا ہے۔

نو وارد نے پوچھا، کیا کبھی آپ کو بھی اپنے اس مرید میں کسی تجلی کے دیکھنے اور اس کے قدموں پر گرنے کا اتفاق ہوا ہے۔

پیر و مرشد نے فرمایا "کبھی نہیں"

نو وارد نے کہا پھر تو آپ کی بہ نسبت آپ کا مرید ہی صاحب بصیرت ثابت ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بہتر یہی ہوگا کہ آپ مسند ارشاد کو خیرباد کہہ کے اپنے مرید کے ہاتھ پر بیعت فرمائیں اور اپنے مرید کے ہمچشم ہو کر مشاہدۂ تجلیات کا سبق حاصل کریں۔

ایسے زاہد سے کہ جس میں ہو غرور　　　معصیت خواہ گناہ گار اچھا

جس نے پتھر میں بھی جوہر دیکھا　　　بے بصیرت سے پرستار اچھا

لقمۂ حلال

ایک دفعہ ہم نے کہا. کاش لقمۂ حلال پیٹ بھر مل جاتا۔
سلمیٰ نے کہا، لقمہ حلال اور پیٹ بھر؟ ناممکن ناممکن،
جیسے کل ہی میری ایک ملنے والی نے مجھ سے کہا تھا کہ بی بی تم تو بڑی راحت میں ہو، میں نے کہا کہ بی بی مسلمان کبھی راحت میں نہیں رہ سکتا مقام خشیت اور راحت تعجب خیز بات ہے

مشکل ہے بہت صاحب ایماں ہونا
کچھ کھیل نہیں ہے حق پہ قرباں ہونا
یاں مثل حسین، سر قلم ہوتا ہے
امجد آساں نہیں مسلماں ہونا

اسی طرح اس مردار دنیا میں لقمہ حلال پھر بدرجہ کمال ان ہونی بات ہے۔

ہے رحمت ذوالجلال سوکھا ٹکڑا
ہے نعمت لازوال سوکھا ٹکڑا
بہتر ہے جہاں کی پیٹ بھر نعمت سے
ایک سدِ رمق حلال سوکھا ٹکڑا

قدر دانی

ایک دفعہ ہماری یہ رباعی

کیا ڈر ہے کوئی قدرداں ہو کہ نہ ہو
جھوٹی دنیا میں عزوشاں ہو کہ نہ ہو
اللہ مسرت حقیقی دے دے
ہم زندہ رہیں نام ونشاں ہو کہ نہ ہو

سنکر سلمیٰ نے کہا کہ سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ کوئی تصنیف

یا تالیف یا اظہار کمال کیوں کیا جاتا ہے؟ اپنے لئے یا غیر کے لئے یا خدا کے لئے۔

اگر اپنے لئے ہے:۔ تو براہ کرم آپ اپنی ہی قدر کر لیجئے۔

اے حضرت شیخ اپنی خبر لو پہلے   دامن خود موتیوں سے بھر لو پہلے
دنیا میں کوئی قدر کرے یا نہ کرے   تم آپ تو اپنی قدر کر لو پہلے

اگر غیر کے لئے ہے:۔ تو آپ کسی دوسرے کو مان نہ مان میں تیرا مہمان خواہ مخواہ اپنی قدر دانی پر مجبور نہیں کر سکتے۔

دنیا نہیں اپنی کامرانی کے لئے   مجلس یہ نہیں مرثیہ خوانی کے لئے
جب ما قدرُوا اللہ خدا کہتا ہے   کیا روتے ہو اپنی قدر دانی کیلئے

مجھے تو غیروں کی قدر دانی کی بہ نسبت ان کی بے قدری ہی زیادہ مفید معلوم ہوتی ہے۔

میری دانست میں مشیت الٰہی جس کے کام کو ادھورا اور اس کو مستقبل کے لذت سے محروم رکھنا چاہتی ہے تو اس کی قدر دانی زندگی ہی میں شروع ہو کر اس کو اپنے کام کی تکمیل سے محروم کر دیتی ہے اور مشیت جس کے کام کو مکمل کرنا چاہتی ہے زندگی بھر اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی تاکہ وہ قدر دانی کے لذات میں محو ہو کر اپنے اصل کام سے فارغ نہ ہو جائے اور اپنے ناقص کام کو کامل نہ سمجھ بیٹھے اور جھوٹی سچی تعریفوں اور خوشامدوں کے دلدل میں پھنسکر یہ نہ کہنے لگے

پہلے قبلہ تھا، اب کعبہ بھی ہوں   میرے اطراف سب پھر رہے ہیں

کیا کروں اب کسی کو میں سجدہ — سب مرے پاؤں پہ گر رہے ہیں
بندہ ہو کر خدا کے مانند — ہر اک دل میں اتر گیا ہوں
گھیرے ہوئے ہیں مرید دن رات — گویا پھوڑوں میں بھر گیا ہوں

ممکن ہے کہ کسی اور کو پجوانے میں لطف ملتا ہو مگر مجھے تو پجوانے سے کہیں زیادہ پوجنے میں لذت ملتی ہے

قید زلفش بہ زصد آزادی ست — صید بودن بہتر از صیادی ست
العبدُ من لا عبد لہ — سبحانہ ما اکملہ
مست حب را با می و ساغر چہ کار — بندہ را با بندۂ دیگر چہ کار

اگر خدا کے لئے ہے ، اور آپ کا نصب العین محیائی ومماتی للہ ہے اور ہر مسلمان کا نصب العین یہی ہونا بھی چاہیئے تو پھر مخلوق سے کوئی بحث ہی باقی نہیں رہتی -

مسرت حقیقی اور ہم زندہ رہیں، یہ دونوں کیفیتیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں جب کہ افوض امری الی اللہ کہہ کر اپنی موت اور حیات حی لایموت کے تفویض کر دی جائے -

ناحق پھر پھر کے سر پھرایا میں نے — اپنی کوشش سے کچھ نہ پایا میں نے
طوفان میں ہے کشتی امید مری — لے تو ہی سنبھال ہاتھ اٹھایا میں نے
(رباعیات امجد حصہ اول)

مالا مال

ایک دفعہ ہم حافظ شیرازی کا یہ شعر

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں طوق زریں ہمہ در گردن خرمی بینم

پڑھتے ہوئے ہنس رہے تھے سلمٰی نے کہا کہ اس میں ہنسی اور تعجب کی کیا بات ہے؟ یہی ہونا چاہیے اور یہی مقتضائے انصاف ہے۔ اگر اسپ تازی کو طوق زریں اور گدھے کو پالان دیجائے یا صاحب کمال کو مال دیکر بیکمالوں کو تیہ حال رکھا جائے تو ایک کے دونوں پہلو کامل اور ایک کے دونوں رخ ناقص ہوجائیں گے جو شان رب العالمین کے منافی ہے۔

داہنے ہاتھ کی فضیلت بائیں ہاتھ پر مسلّم ہے مگر پھر بھی انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنی جاتی ہے کیوں اس لئے کہ داہنے ہاتھ کے لئے اپنی راستی اور سیدھے پن کی فضیلت، کیا کم ہے کہ خاتم اس پر مزید براں ہو سکے یہ طوق زریں خرکا اور خاتم زردست چپ کا حق ہے" باطل کا بھی آخر کوئی حق ہے کہ نہیں۔

الکمالُ کمال

محنت کرو یا سوال، جیسی مرضی سُکھ مول لو یا ملال، جیسی مرضی

یہ مال ہے یہ کمال اب ان دونوں میں تم مال لو یا کمال، جیسی مرضی

دو رُباعیاں

ایک دفعہ ہم یہ کسی کی مشہور رباعی پڑھ رہے تھے۔

زاہد بنماز و روزہ ضبطے دارد عاشق بمئی دو سالہ ربطے دارد

معلوم نشد کہ یار مشغول کیست ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

سلمیٰ نے کہا میں ایسے خبطی خیال سے متفق نہیں ہوں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ . . . . . .

ہر فرع باصل خویش نسبت دارد — ہر کس از دوست حسن نیت دارد
ہر کس بخیال خویش صحت دارد — معلوم شد کہ یار مشغول بماست

نبی جی کی لوری

ایک دفعہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں گہوارے میں جھولتے دیکھا، نیند سے اُٹھ کر ہم سے لوری کہنے کی فرمائش کی گئی۔ ہم کو بھی تعمیل فرمائش میں کوئی تعویق نہیں ہوئی اور فوراً حسب ذیل نظم کہی۔ جو خدا کے فضل سے بلا کسی رد وقدح کے نہایت پسند آئی اور مجھ سے کہا کہ الحمد للہ اس نظم میں میرا ما فی الضمیر پوری پوری طرح ادا ہو گیا۔ جزاکم اللہ خیرا۔

نبی جی کی لوری

پڑھتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم آج در و دیوار — آمنہ بی بی کے گلشن میں آئی ہے تازہ بہار

نبی جی اللہ اللہ اللہ، ہو لا الٰہ الا ہو

چھین لیا دل من موہنے نے چاند سا مکھڑا دکھائے — سیدہ کی راہ مدینہ پیارے نبی جی آئے

نبی جی اللہ اللہ اللہ ہو لا الٰہ الا ہو

سوتا ہے اس میں ماہ رسالت نور بھری ہر لوری — ننھے دل کا جھولا بنائی تار نظر کی ڈور

نبی جیؐ اللہ اللہ اللہؐ ہو لا الہ الا ہو

جبریل آئے جھولا جھلانے، لوری دے رحمٰن
سو جا سو جا رحمت عالم میں تیرے قربان

نبی جیؐ اللہ اللہ اللہ ہو لا الہ الا ہو

جان اور دل تو لے لیا تم نے ایک نظر کر کے
مانگ رہے ہو اب کیا مجھ سے پھیلا دونوں ہاتھ

نبی جی اللہ اللہ اللہؐ ہو لا الہ الا ہو

ہونٹ گلابی، ہنستا چہرہ جھڑتے ہیں منہ سے پھول
نور کا پتلا، چاند کا ٹکڑا، حق کا پیارا رسول

نبی جی اللہ اللہؐ ہو لا الہ الا ہو

موہنی صورت نام محمدؐ دو جگ کا سردار
جان سے پیارا، راج دلارا رحمت کی سرکار

نبی جی اللہ اللہؐ ہو لا الہ الا ہو

دونوں جہاں سے کھوئی گئی میں آنکھ ملائے
نیناں رسیلے اس میں کاجل، میں تو مر گئی ہائے

نبی جی اللہ اللہؐ ہو لا الہ الا ہو

امجد کا دل مٹھی میں لیکر سوتے ہو کیا انجان
ننھے قدموں پہ سر کو رکھ کر ہو جاوں قربان

نبی جیؐ اللہ اللہؐ ہو لا الہ الا ہو

یہ نظم امجد کے نام سے پہلے شائع ہو چکی ہے اگرچہ تقریر ہماری ہے مگر مافی الضمیر سلمیٰ کا ہے اس لئے امجد کی جگہ سلمیٰ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

محسوس کنم معیت تو ہر دم
من نقطۂ مثال و تو محیط اعظم

در عالم وصل نیست فرق من و تو
گہ تو گویم گہے بگویم کہ منم

نواں نوشتہ

جمالیات جمال سلمیٰ حصہ دوم

حسن حصین ۔ وہ آیا ۔ جوتی چور لڑکی ۔ کثرت میں وحدت، میری صورت، دھوپ چھاؤں ۔ ایک منقفہ سوال ۔ یک در گیر محکم گیر ۔ لباس ایمان ۔ ایک وجود و ذات ۔ انقلاب ۔ فکر ہر کس ۔ ایک خیال ۔ انا الیہ راجعون ، ماں اور بچہ ۔ کبریت ۔ ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی ۔ (نظم) عزیٔ آقا ۔ عالم اصغر ۔ رباعیاں ۔ آخری قطعہ ردِ امانت

صورت نما تصویر

حسن تن کی تفسیر ہوئی معلوم نہیں
کس ہاتھ کی تحریر ہوئی معلوم نہیں
میں ہوں کہ مرے پیکر میں آج اور کوئی
صورت ہوں کہ تصویر ہوئی معلوم نہیں

رباعیات امجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمالیات جمال سلمٰی حصّہ دوم

حصن حصین

آنے والی مصیبت کے خیال سے جب انسان گھبرا اٹھتا ہے تو حلی العموم اس کو یہ کہکر تسکین دی جاتی ہے

"مترس از بلائے کہ شب درمیان است"

لیکن اس گرتی دیوار کا سہارا کب تک؟ جب یہ گزر جانے والی شب بھی درمیان سے گزر جائے تو سوائے اس کے تسکین کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ

مترس از بلائے کہ شب درمیان ست
چو شب از میاں رفت رب میان ست
سلمٰی

ہے کون جہاں میں جو پریشان نہیں
ہے کون جو آئینہ سا حیران نہیں
بس اک حصار عافیت ہے ایماں
ملتا نہیں امن جب تک ایمان نہیں

بے دین کی جاں ہمیشہ گھبراتی ہے
تسکین کسی طرح نہیں پاتی ہے
ممکن نہیں زندگی، عقیدت کے بغیر
گتھری میں گرہ نہ ہو کھل جاتی ہے

وہ آیا

اور اس طرح آیا کہ میں پہچان نہ سکی کیوں کہ وہ رسمی لباس سے عریاں

گرد و غبار میں اَٹا ہوا سر سے پاؤں تک خاک آلودہ تھا۔ وہ میری دہلیز پر سر جھکائے کھڑا تھا اور میرے رحم و کرم کا متمنی۔ میں پہچان نہ سکی کہ وہ کون ہے لیکن اس کی تباہی اور شکستہ حالی کو دیکھ کر جی بھر آیا۔

میں نے کہا کہ، اے شکستہ حال آ اندر آ۔

لیکن اس نے اپنے صدپارہ لباس اور خاک آلود پاؤں کے نظر کرتے قدم آگے رکھنے کی ہمت نہ کی اور ہچکچا کے رہ گیا۔

میں نے کہا اے غریب، اور اے عجیب و غریب آنے والے آ اور بے خوف و خطر آ۔ کل صبح سویرے صائب (امجد) سے کہہ کر تیرے لئے کپڑوں کا جوڑا بنا دوں گی۔ تجھے نہلا دھلا کر پاک صاف کردوں گی۔ نہیں پاک نہیں، صرف صاف کرسکوں گی کیونکہ تو تو پہلے ہی سے پاک ہے

اس نے یہ سنکر کپکپاتے ہوئے قدم اندر رکھا اور اپنا میلا کچیلا دامن میرے گھر کے صاف اور سپید فرش سے بچا کر بیٹھ گیا۔

اس وقت دل نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ حاجت روا، محتاجوں کے شکل میں کبھی کبھی آیا کرتا ہے یہ وہی تو نہیں؟

لیکن آنکھوں نے لاتدرکہ الابصار کہہ کر فوراً اس کی تردید کردی بہرحال اب میرے دل میں یقین اور شک دونوں پیدا ہو گئے تھے

جب میں نے اس سے کہا کہ اے آنے والے آ تیری جگہ میرے دل میں ہے تو اس نے کہا اے مذبذب ہستی اے شکی انسان اس وقت تو تیرے دل میں شک موجود ہے، پھر یقین کی (یعنی میری) گنجائش کہاں

تو نے پالیا، لیکن سمجھا نہیں، اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ تو نے پایا بھی اور کھویا بھی" یہ کہا اور چشم زدن میں میری شکی نظر سے غائب ہو گیا اس کے غائب ہونے پر عقل حاضر ہو کر بے ساختہ پکار اٹھی "افسوس وہ وہی تھا"

ممکن ہی نہیں قطرے کا دریا ہونا — دریا کو تو آسان ہے قطرہ ہونا
بندے کا خدا ہونا بہت مشکل ہے — کچھ بات نہیں خدا کو بندہ ہونا
شک چپکے سے کوئی بات کہہ جاتا ہے — پانی کی طرح یقین بہہ جاتا ہے
تسکین، فریب کے پلٹ جاتی ہے — دل ہے کہ تڑپ تڑپ کے رہ جاتا ہے

جُوتی چور لڑکی

ایک بزرگ اپنے مکان میں داخل ہوتے ہیں - ان کی کمسن معصوم بچی نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑ کر ان کو لپٹ جاتی ہے۔ لڑکی کو اپنے باپ سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق ہے اس لئے ایسی تدبیر سوچتی ہے کہ باپ گھر سے باہر ہی نہ جا سکے اور دم بھر کے لئے اس کی صورت آنکھوں سے اوجھل نہ ہو لیکا یک اس کی نظر باپ کی جوتیوں پر جا پڑی اور اس نے جوتیاں دیکھ کر چشم زدن میں طے کر لیا کہ باپ کے روکنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیے اس تہیے کی خوشی میں اس نے اپنے گلے سے لگے ہوئے باپ کو بھی چھوڑ دیا، اور باپ کی نظر بچا فوراً جوتیاں اُٹھا کر اپنی بغل میں چھپا لیں

جاہلے را عشق عاقل می کند — عاقلے را عشق جاہل می کند

تھوڑی دیر کے بعد جب باپ نے باہر جانا چاہا - جوتیوں کا پتہ نہ چلا، اپنی صاحبزادی کی طرف جو نظر کی تو دیکھا کہ جوتیاں چھپائے ہوئے ایک فاتحانہ تبسم کے ساتھ باپ کو دیکھ رہی ہے۔ باپ نے معصوم بچی کے ننھے اور مسرور دل کو مکدر نہ کرکے اپنی بیوی سے کہا بچی سے اس طرح جوتیاں دلوادو کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور اس کے دل کو دکھ نہ پہنچے بیوی اپنے باحکمت اخلاق سے بچی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگیں پیاری سلمٰی! آج تم نے ہم سے مصافحہ نہیں کیا آؤ مصافحہ کرو بھولی دیوانی بچی اقتضائے عمر سے مغلوب ہو کر بغل میں دبی ہوئی ایک جوتی نیچے رکھ دیتی ہے اور ماں سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے۔ ماں نہایت محبت سے بچی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دوسرا ہاتھ بڑھا کر کہتی ہے کہ لاؤ دوسرے ہاتھ سے بھی مصافحہ کرو۔ سلمٰی دوسری جوتی بھی نیچے رکھ کر دوسرا ہاتھ بھی ماں کے ہاتھ میں دے دیتی ہے، ماں بچی کے دونوں ہاتھ اپنی طرف کھینچ کر سینے سے لپٹا لیتی ہے اور والد بزرگوار لڑکی کی بے خبری میں جوتیاں پہن کر غائب ہو جاتے ہیں۔

غم پر مرے انکی چشم تر تک نہ ہوئی ظاہر میں تو ان کی اک نظر تک نہ ہوئی
دیکھی نہیں دلبر کی صفائی ایسی اس طرح لیا دل کہ خبر تک نہ ہوئی
دل کا کوئی ارمان نکلنے نہ دیا اس شاخ کو باغباں نے پھلنے نہ دیا
اپنی سی ہزار کوششیں کیں لیکن تقدیر نے تدبیر کو چلنے نہ دیا

کثرت میں وحدت

کیا تو میری قدیم داسی نہیں ہے؟ (ایک غیبی آواز)

" پران ناتھ! کیوں نہیں؟ ہوں اور ضرور ہوں (میں نے جواب دیا)

" تیرے کرم سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوتی تو نے تو مجھے چھوڑ کر کسی مالک، اور آقا پیدا کر لئے ہیں تو پھر میری داسی کس طرح ہو سکتی ہے۔

(میں عرق انفعال میں ڈوب کر) میرے آقا تیرا فرمان برحق ہے، میں تیرے سوا بہتوں کی لونڈی بنی ہوئی ہوں ہر ایک کے پیچھے دوڑی دوڑی پھرتی ہوں، کاش مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جاتی، کہ میں ایسا کیوں کرتی ہوں۔

" اچھا کہہ اجازت دیجاتی ہے"

پران ناتھ! یہ سچ ہے کہ میں نے تیرے سوا غیروں سے جی لگایا، آشنا کو چھوڑ کر بیگانوں سے رشتہ جوڑا مگر کیوں؟ محض اس لئے کہ تو ہاں میرے پیارے ناتھ تو جب سے میری نظروں سے اوجھل ہو گیا، میں تیری تلاش میں ہر طرف ماری ماری پھری، تیری جستجو میں جنگل جنگل خاک چھانی تو نہ ملا، پر نہ ملا مگر تیرے جلوے ہر طرف علٰحدہ علٰحدہ نظر آئے کسی میں تیری رفتار کی ادا دیکھی کہیں تری گفتار کی لذت محسوس ہوئی کسی میں تیرا جمال دیکھا۔ کسی میں تیرا جلال دیکھا

غرض جس میں تیری کوئی بات دیکھی جان و دل قربان کر بیٹھی، ترے ملنے کے لئے ملتی تھی ہر ایک سے ہیں

محبت سینکڑوں سے کی مگر مقصود واحد تھا　　کئے سجدے ہزاروں جا مگر مسجود واحد تھا
کہیں سورج کہیں تارے کہیں صحرا کہیں دریا　　نظر سارے جہاں پر تھی مگر مشہود واحد تھا

میری صورت

کیا یہ میری صورت ہے؟

جس صورت کو آج تک دیکھنا ہی نصیب ہوا اس کو اپنی صورت کیونکر کہوں؟

لوگ کہتے ہیں کہ آئینہ دیکھو. آئینہ میں کیا دیکھو؟ عکس، سایہ، پرچھائیں عکس شخص تو نہیں ہو سکتا۔ عکس، عکس ہے۔ شخص، شخص ہے۔

دیکھنے والے کہتے ہیں، تم بہت حسین ہو، تمہاری آنکھوں میں جادو ہے، نگہ میں اعجاز ہے۔ دو گال حسن کے تالاب میں دو کھلے ہوئے کنول ہیں. دونوں ہونٹ گلابی پنکھڑیاں ہیں لیکن میں کس طرح باور کر لوں میں نے تو آج تک دیکھا ہی نہیں۔ شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ۔ ہائے کیا ستم ہے میری صورت مجھی سے زیر نقاب ہے. میری آنکھیں مجھی سے آنکھیں چراتی ہیں، لوگ تعریفیں کر کر کے اور بھی ترپا رہے ہیں۔

ہے اپنے وجود پہ تبسم مجھ کو　　تقدیر نے مجھ سے کر دیا گم مجھ کو
اپنی صورت کسی نے دیکھی ہی نہیں　　میں دیکھ رہا ہوں تم کو اور تم مجھ کو

اے اہلِ نگاہ میری ہستی دیکھو ۔ یہ صنعتِ حق ہے کیسی اچھی دیکھو
اپنی آنکھوں سے اپنی صورت افسوس ۔ میں تو نہیں دیکھ سکتا تم ہی دیکھو

جس صورت کو ایک مرتبہ دیکھ لیا تصور میں جم گئی مگر نہیں معلوم میری اپنی صورت میں کیا راز ہے ہزار مرتبہ آئینے میں دیکھنے پر بھی خیال میں نہیں آتی، آئے کس طرح ؟ عکس کی دید شخص کے تصور کی مفید نہیں ہو سکتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہاتھ سے ٹٹولنے سے کوئی گول مول چیز معلوم ہوتی ہے کیا اسی گولائی کا نام صورت ہے مگر یہ تو کوئی خوبصورت نہیں میری صورت بھی عجب طلسمی کارخانہ ہے، ہے تو ضرور مگر میری آنکھوں سے دور چشم بد دور کا مصداق ہے جس صورت کو دیکھا ہی نہیں اس کو سب سے بڑھ کر حسین سمجھ رکھا ہے ۔ سارے عالم میں اسی کی عزت اسی کی نمائش مطلوب ہے ۔

ہم کو نہ ہوئی نصیب رویت اپنی ۔ ہم پر نہ کھلی کبھی حقیقت اپنی
ساری دنیا کی دیکھ ڈالیں شکلیں ۔ لیکن دیکھی کبھی نہ صورت اپنی

میری صورت، میری اپنی صورت ہوتی تو ضرور نظر آتی، جی بھر کر دیکھ سکتی، پیار کرتی، منہ چومتی، تصور میں جما سکتی ۔ خیال میں لا سکتی نہیں معلوم میری صورت کس کی صورت پر مبنی ہے جو میری ہی نظروں سے اوجھل اور میرے ہی تصور سے دور ہے ۔

خلق الانسان علی صورتہ

دل سے مخفی ہو آہ، سبحان اللہ　　آنکھوں سے چھپے نگاہ سبحان اللہ
پردہ کیا اس نے مجھ سے مجھ میں چھپکر　　کیا آڑ بنائی واہ سبحان اللہ

دھوپ چھاؤں

میں دھوپ سے جلکر چھاؤں میں بھاگی - ابھی دم بھر بھی دم نہ لینے پائی تھی کہ چھاؤں کی جگہ دھوپ آگئی اور دھوپ کی جگہ چھاؤں

کس کا دنیا میں اعتبار کریں　　آہ بے اعتبار ہے دنیا
جم سکے کیا یہاں کسی کا قدم　　ایک اڑتا غبار ہے دنیا

ایک متفقہ سوال

ایک گلی میں چند لنگڑے لولے، اندھے، اپاہج محتاج اکٹھے ہوکر یہ سوال کر رہے ہیں کہ سخی داتا، ہم سب معذوروں میں ایک پیسہ دیدے راستہ کا ہر گزرنے والا جب اس سوال کو سنتا اور اس پر غور کرتا ہے کہ صرف ایک پیسے میں اتنے محتاجوں کی خوشی ہوتی ہے اور ایک سیاہ پیسہ اتنے شکستہ دلوں کے لئے مومیائی کا کام دیتا ہے تو غریب سے غریب اور خسیس سے خسیس شخص بھی اپنی گہری جیب سے پیسہ باہر نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہے

ہم تھوڑی دیر تک تو اس تماشے کو یوں ہی دیکھتے رہے پھر یکایک خیال آیا کہ اس موثر طریقے سے ہم بھی فائدہ کیوں نہ اٹھائیں اور کسی کی تسخیر کے لئے یہی عمل کیوں نہ پڑھیں۔

آؤ میرے بھائی مسلمانو! آؤ دامن سوال پھیلاؤ، ان ہاتھ پاؤں کے معذوروں کی طرح ہم ایمان کے معذور بھی اکٹھے ہو کر درد بھری آواز میں دلی صداقت کے ساتھ پکاریں

اِنَّ رَبِّی سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ

ہم کور دلوں کو چشم عرفاں دیدے — ہم مردہ تنوں کو ذرہ جاں دیدے
کر رحم ہم ایمان کے معذوروں پہ — ہم سب لوگوں میں ایک ایماں دیدے

یک در گیر و محکم گیر

ہم راستے پر بھیک مانگنے والے معذور، مفلوج، نابینا کو کبھی تو کچھ بھی نہیں دیتے اور اگر کبھی دیتے بھی ہیں تو پیسے دو پیسے سے زیادہ نہیں۔

۲۔ اگر کوئی شخص، چاہے قوی اور تندرست ہی کیوں نہ ہو ہمارے گھر آکر پڑ جاتا ہے تو ہم اُس کے اکل و شرب، لباس و خوراک کی کفالت اور اس کے مایحتاج کی تکمیل پر مجبور ہو جاتے ہیں . . . . . . یہ کیوں؟ حالانکہ حالات کے اعتبار سے پہلا شخص اس دوسرے شخص سے مستحق تر ہے۔ صرف اس لئے کہ پہلے شخص کا ہاتھ ہر ایک کے آگے پھیلا ہوا ہے۔

اور دوسرا شخص آپ اور صرف آپ ہی کا دست نگر ہے اور بس۔

مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

ساری دنیا سے ہاتھ دھو کر دیکھو — جو کچھ بھی رہا سہا ہے کھو کر دیکھو
سب کچھ نہ ملے اگر تو میرا ذمہ — اک مرتبہ تم ایک کے ہو کر دیکھو

من لہ المولیٰ فلہ الکل

لباس ایمان

کسی شخص نے ایک مجذوب بزرگ کو دیکھا جو سر سے پا تک برہنہ ہیں صرف ایک بوسیدہ کپڑے کی لنگوٹی لگی ہے وہ بھی ایسی جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اس شخص نے مجذوب صاحب کے قریب جا کر پوچھا "شاہ صاحب! آپ برہنہ کیوں ہیں؟ شاہ صاحب نے کہا "بابا! ایمان عنقا ہو گیا حقیقت برہنہ ہو گئی۔

اس شخص نے شاہ صاحب کی باتوں کو مجذوب کی بڑ سمجھ کر اس پر کوئی توجہ نہیں کی اور اپنی چادر شاہ صاحب کو اڑھا دی۔

سپید چادر نے شاہ صاحب کے جسم سے مس ہوتے ہی عجیب رنگ پیدا کیا یعنے چھینٹ کی طرح منقش ہو گئی۔ نقش سے حروف بن گئے حروف سے فقرے، وہ غریب گھبرا گھبرا کر دیکھ رہا ہے نقش سے حروف بن گئے حروف سے فقرے بن گئے۔ اب نہ معلوم کیا ہونے والا ہے؟ یکایک فقروں سے مطلب کا ظہور ہوا، سیاہ کرداری کا باطنی نقش، چادر پر حرفوں کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ چادر اڑھانے والے کی زندگی کی تمام لغزشوں کی ایک ایک حرکت ایک ایک حرف کی صورت بن گئیں

ہو گئی۔ یہ کیفیت دیکھ کر اس شخص نے شاہ صاحب کے سر سے چادر کھینچکر فوراً آگ لگادی اور نہایت خفیف ہو کر کہنے لگا واہ شاہ صاحب واہ آپ کی تن پوشی نے مجھی کو برہنہ کر دیا۔ میرے سارے گنہ زمین میں دبے ہوئے بیج کی طرح دفعتاً نمایاں ہو گئے۔ اب تو میں نے ان گناہوں کو مٹانے کے لئے چادر ہی جلادی، خس کم جہاں پاک شاہ صاحب نے کہا کیا خوب!

خوب یاد رکھو کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ یا ادنیٰ سی ادنیٰ حرکت بھی کبھی مٹ نہیں سکتی بلکہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی رنگ میں برابر قائم اور دن رات ترقی کر کے اپنا کام خاموشی سے کرتی رہتی ہے ہمارا مستقبل ہمارے افعال ماضیہ ہی سے مشتق ہوتا ہے بچپن کی چوٹیں بڑھاپے میں جا کر ظاہر ہوتی ہیں

من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ

ک حرف عمل کوئی نہیں دھو سکتا — مٹ جائے کوئی شئے یہ نہیں ہو سکتا
ذرے ذرے کا یاں خدا حافظ ہے — اس شہر میں کوئی کچھ نہیں کھو سکتا

اس شخص نے شاہ صاحب کی اس ہولناک گفتگو سے قطع نظر کر کے پوچھا شاہ صاحب آخر آپ کے تن ڈھانکنے کے لئے کس لباس کی ضرورت ہے؟ شاہ صاحب نے کہا کہ یہ دنیوی تار و پود ہماری برہنہ اور عریاں حقیقت کی تن پوشی نہیں کر سکتا ہم کو تو لباس ایماں کی ضرورت ہے، ایمان ہی ایک ایسا لباس ہے جو روح کے جسم عریاں کو حقیقی طور پر ڈھانک سکتا ہے"

لباس التقوٰی ذٰلک خیر

دیکھو کہ اُدھڑ گیا یہ کاری ہے — پیراہن روح کو لگاؤ ٹانکے

یہ جسم کھلا رہا تو کچھ ہرج نہیں   پہنو وہ لباس جو گنہ کو ڈھانکے

ایک وجود دو ذات

میرے سامنے ایک صاف شفاف آئینہ ہے جس میں میں اپنی صورت دیکھ رہی ہوں۔ دیکھتے دیکھتے صورت کی محویت میں آئینہ کا خیال بھی خیال سے نکل جاتا ہے۔ میں یہ سمجھنے لگتی ہوں کہ بغیر کسی آئینے کے اپنے آپ کو دیکھ رہی ہوں۔ تھوڑی دیر میں اس اپنے آپ کا تخیل بھی مٹ جاتا ہے میں اپنے عکس کو شخص غیر سمجھ کر اس سے باتیں کرنے لگتی ہوں اب دھوکا سمجھو یا اصلیت، اس شخص غیر سے اپنے سوالات کے جوابات بھی سنتی ہوں، بہت دیر تک اچھا خاصا مکالمہ قائم ہو جاتا ہے۔ بیچ میں عکس اور شخص، متکلم اور مخاطب بنکر دو ہستیاں نظر آتی ہیں۔

یہی شخصی تفریق کیا کم تھی کہ میری بائیں طرف سے ایک شخص نمودار ہو کر مجھ سے پوچھتا ہے کہ ایک تم اور دو شخصوں سے باتیں کر رہی ہو؟

میں (نو وارد سے مخاطب ہو کر) نہیں ایسا تو نہیں ہے، میں تو صرف ایک ہی شخص سے بات چیت کر رہی ہوں۔ نو وارد! دیکھو غور سے دیکھو تمہارے سامنے ایک نہیں بلکہ دو شخص موجود ہیں۔

اس کے اس کہنے کے بعد اب جو دیکھتی ہوں تو واقعی میری آنکھوں کے سامنے دو شخص نظر آتے ہیں مجھے حیرت اور سخت حیرت تھی کہ چشم زدن میں یہ کیا ہو گیا۔

کیا نہیں حقیقت میں غلط طور پر دو کو ایک سمجھ رہی تھی -

یا اب غلطی سے ایک کو دو سمجھ رہی ہوں ؟

نہایت غور و فکر اور آنکھیں گڑ و گڑ و کر دیکھنے کے بعد بھی یہی رائے قائم ہوئی کہ واقعی میری مخاطب دو ہستیاں ہیں، صرف ایک ہی نہیں -

لہذا . . . . . تحقیق اول غلط، تحقیق ثانی صحیح . . . بعین الیقین

اس نقش دوئی پر قائم ہو جانے کے بعد اب میری داہنی طرف سے ایک شخص نمودار ہو کر کہتا ہے -

دیکھو سلمٰی غور سے دیکھو تمہارے مخاطب دو نہیں ہیں، ایک ہی ہے ذرا اور سمجھو تو وہ ایک بھی نہیں۔ تم تو کھلی آنکھوں سے سو رہی ہو نیند اور گہری نیند سے چونکو، اس بائیں طرف سے آنے اور بہکانے والے کے ہوشربا طلسم سے باہر نکلو۔

اس دوسرے آنے والے کی صداقت خیز ہدایت کے چند فقرے گہری نیند سونے والے کی آنکھوں پر چھینٹوں کا کام دیتے ہیں اور میرے دل و دماغ سے ایک نشہ اور جن اترتا ہوا معلوم ہوتا ہے اب دیکھتی ہوں تو آئینہ کی طرح صاف صاف معلوم ہو رہا ہے کہ میرے سامنے ایک ہی ہستی ہے مگر کبھی دو ہو کر نظر آتی ہے اور کبھی ایک ہو کر۔ لا الی ہو لا ولا الی ہو لاء

اللہم اھدنا الصراط المستقیم

یکایک توحید کی تائید ہوئی - نور ہدایت کی روشنی میں اثنینیت رخ موڑ

صاف صاف نظر آگیا کہ حقیقت میں ایک ہی ہستی جلوہ آرا ہے لیکن اس پہلے نووارد شخص کا عکس آئینہ کے وسط میں بال کی طرح پڑ گیا ہے یعنے آئینہ میں بال آگیا ہے، ابلیسی تلبیس سے ایک ہی صورت دو ہو کر نظر آتی ہے اس جزو کو اور بھی تحلیل کرتی ہوں یعنی وہ ایک شخص بھی کوئی نیا شخص نہیں ہے بلکہ میرا ہی عکس ہے اور وہ عکس بھی میں ہی ہوں یعنے، تین (دو ذات اور ایک وجود) بھی میں ہوں، دو (ایک وجود ایک ذات) بھی میں ہوں ایک (باتحاد ذات وجود) بھی میں ہوں۔ لاموجود الا اللہ۔

دل میں اب غیر کا خیال آیا ہے ۔۔۔ وحدت کے کمال میں زوال آیا ہے

دو ذات اور اک وجود کا قائل ہوں ۔۔۔ آئینۂ توحید میں بال آیا ہے

یاں عرش سے فرش تک کوئی غیر نہیں ۔۔۔ یاں کعبہ و دیر میں کوئی بیر نہیں

بزم وحدت میں غیر کا نام نہ لو ۔۔۔ جب غیر کا ذکر آگیا خیر نہیں

با دیدۂ وا بخواب غفلت خفتم ۔۔۔ در سلکِ خرد دُرِ حماقت سفتم

از چشمِ دو بین خود فتادم بہ دوئی ۔۔۔ یک چیز دو بار دیدم و دو گفتم

انقلاب

ایک دولت مند کا انتقال ہو گیا کسی نے . . . اُن کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہو کیا حال ہے؟ کہا ایک وہ وقت تھا کہ فقرا اور غربا میری طرف اس نظر سے دیکھتے تھے کہ میں ان کو دیکھوں تو وہ مجھے سلام کریں، اب یہ دور ہے کہ میں ان غربا اور فقرا کو اس نظر سے دیکھتا

ہوں کہ وہ میری طرف ایک نظر دیکھ لیں تاکہ میں ان کو سلام کر سکوں۔

دولت کا غرور سب ہوائی نکلا سونے کا پہاڑ آج رائی نکلا
میں تاج شہنشہی سمجھتا تھا جسے تقدیر سے کاسۂ گدائی نکلا

فکرِ ہر کس

اندھیری رات ہے، سنسان بیابان، چٹیل میدان میں ایک گھاس کی جھونپڑی پڑی ہے۔ جھونپڑی میں ایک مدھم سا چراغ ٹمٹا رہا ہے جس کی روشنی میں ایک خُرد سال بچّہ کھیل رہا ہے اس کی ضعیفہ ماں اِدھر اُدھر پڑا ہوا سامان ایک جگہ لا لا کر جمع کرتی جاتی ہے۔ بچّہ نادان بچّہ پوچھتا ہے ماں! تم یہ کیا کر رہی ہو؟

ماں:- بیٹا سب قیمتی سامان نقد و زیور اکٹھا کر کے سرہانے رکھ لیتی ہوں۔

بچہ۔ کیوں؟

ماں۔ رات بہت تاریک ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ اس اندھیرے میں کوئی چور مجھ غریب بیکس بیوہ کا زر و نقد لوٹ کر لے جائے۔

بچہ۔ ماں تم خود ہی کہہ رہی ہو کہ رات نہایت تاریک ہے بھلا ایسے اندھیرے میں کوئی گھر سے باہر قدم ہی کیوں باہر نکالیگا۔ واہ اماں۔ واہ جس تاریکی کو ماں زیور کی چوری کا سبب سمجھ رہی ہے۔

اندھیرے سے ڈرنے والا بچہ اسی تاریکی کو زیور کی حفاظت کا سبب سمجھ رہا ہے۔ واہ بچے واہ۔

علم ایک نقطہ ہے اور کچھ نہیں امجد
نقطۂ نظر اک کا ایک سے جدا پایا
گرچہ سارے عالم میں اک وجود ساری ہے
ایک نے بھلا سمجھا ایک نے بُرا پایا

ایک خیال

آفتاب عشق کی آوارہ گردی پر حسن کی کرن متبسّم ہے جس کے تبسّم کی پنکھڑی تنگ و تاریک خانۂ دل میں کھٹک کر بیسیوں گوہر آبدار پیدا کرتی ہے۔ عشق ان موتیوں کو رشتہ الفت میں پرو کر حُسن کے گلے کا ہار بناتا ہے جس سے شاہد حسن کے حُسن میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور اس جگمگاتے ہار کی ضیا باری ہیں اس کے مکرر تبسّم کی شعاعیں عشق کے گلے میں پیار سے باہیں ڈالکر پھر اپنے لئے نیا ہار طلب کرتی ہیں۔

تبسّم اس کا ہر دم چھیڑ کر مجھ کو رُلاتا ہے
اُدھر سے فضل ہوتا ہے اِدھر رحمت برستی ہے
یہ کیوں اک جاتے ہیں کیوں ہوکے حملے جان سلمیٰ پر
تری کتنی ہوئی تلوار کیا ہم کو بھی کسنی ہے

انا الیہ راجعون

میں اس عالم سے آنکھ بند کر کے دوسرے عالم میں منتقل ہوتی ہوئی چلی جا رہی ہوں۔

تھوڑی ہی دیر چلنے کے بعد ایک مکان نظر آتا ہے جس میں ہر طرف

سمور و سنجاب، مخمل و دیبا کا قیمتی اور بہترین فرش بچھا ہوا ہے چونکہ میں چلتے چلتے تھک جاتی ہوں اس لئے تھک کر اس نرم اور گدگدے فرش پر نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ لیٹ جاتی ہوں مگر لیٹنے کے بعد نہ مخمل کی نرمی محسوس ہوتی ہے نہ دیبا کی لطافت نہ قاقم کی حس ہوتی ہے نہ سمور کی جس کی وجہ سے

بے حسی لامسہ:- میرے دل پر سخت چوٹ لگتی ہے اور میں وہاں سے اپنی قوت لامسہ کی بے حسی پر ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوتی ہوں۔

بیحسی ذائقہ:- پھر تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک باغ نظر آتا ہے جہاں ہر طرف مختلف قسم کے باردار درخت لگے ہیں پھلوں کی کثرت سے ڈالیاں زمین پر جھکی پڑتی ہیں، ہر ڈالی میں سرخ و سبز رنگ کے میوے لٹک رہے ہیں میں چونکہ بھوکی ہو رہی تھی اس لئے بڑی خواہش کے ساتھ ان پھلوں کو توڑ کر کھاتی ہوں مگر افسوس کہ مجھے ان پھلوں کا کوئی ذائقہ نہیں ملتا جس سے میرے دل کو سخت چوٹ لگتی ہے اور میں اپنی قوت ذائقہ کی بیحسی پر ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم کہتی ہوئی آگے چل نکلتی ہوں۔

بیحسی شامہ:- تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر ایک مقام دیکھتی ہوں جہاں ہر قسم کے پھول، جوئی، چنبیا، چنبیلی، گلاب موتیا کھلے ہوئے نظر آتے ہیں جنکی خوشبو دور ہی سے مشام جان کو معطر کر رہی ہے میں خوشبو کے شوق میں قریب جا کر ان خوشبودار پھولوں کو توڑ کر سونگھتی ہوں مگر افسوس مجھے ان پھولوں کی بو نہیں آئی

جس سے میرے دل پر سخت چوٹ لگتی ہے اور میں اپنی قوت شامہ کی بیچسی پر ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں کہتی ہوئی آگے بڑھی چلی جاتی ہوں۔

بیچسی باصرہ:۔ کچھ دور چلنے کے بعد دور سے ایک شہر نظر آتا ہے جہاں سرخ و سپید رنگ اور حسن و خوبی کی سینکڑوں ہستیاں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں میں انکو جی بھر کر نزدیک سے اچھی طرح دیکھنے کے لئے لپکتی ہوں مگر قریب جا کر کچھ بھی نظر نہیں آتا جس سے مرے دل پر سخت چوٹ لگتی ہے۔

اور میں اپنی قوت باصرہ کی بیچسی پر ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم کہتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہوں۔

بیچسی سامعہ:۔ کچھ دور چلنے کے بعد دور سے مختلف سریلے راگوں اور دلکش نغموں کی آواز آتی ہے میں ان راگوں کو نزدیک سے سننے کے شوق میں اڑتی چلی جاتی ہوں مگر جوں جوں بڑھتی ہوں آوازیں، مدھم پڑتی جاتی ہیں حتیٰ کہ قریب پہنچکر بالکل ہی غائب ہو جاتی ہیں جس سے میرے دل پر سخت چوٹ لگتی ہے اور میں اپنی قوت سامعہ کی بیچسی پر ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم کہتی ہوئی اور آگے نکل جاتی ہوں۔

اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے میرے تمام آلات چھین لئے گئے ہیں اگرچہ طاقت باقی ہے مگر طاقت کے استعمال کی طاقت باقی نہیں ہے میں اس وقت ایک بخار یا بھاپ کی گیند بنی ہوئی کسی غیر معلوم طاقت کی طرف کھنچتی ہوئی معلوم ہوتی ہوں مجھے بداہتہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی میری ہی ہم قوت، قوت جو مجھ سے کہیں زیادہ قوت والی ہے مجھے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ رہی ہے

اور میں اس کی طرف بے ساختہ کھنچی چلی جا رہی ہوں۔

یہاں تک کہ کھنچتے کھنچتے اپنی تمام مادیت اور روحانیت کی کثافتوں سے پاک اور لطیف تر ہوتی ہوئی کسی اعلیٰ اور زبردست طاقت میں جذب ہو کر اس محیط الکل طاقت کے ساتھ ساتھ کائنات کے ذرّے ذرّے پر محیط ہو جاتی ہوں اور میری انانیت مجھ سے سلب ہو کر کسی اعلیٰ انانیت کے تحت آ جاتی ہے۔

فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی و الیہ ترجعون

چوں بندہ، بہ رب فنا شود، رب گردد | آثار ربوبیت مرتب گردد
حب، از صور برگ و ثمر برگشتہ | آخر بمثال اولیں حب گردد

ماں اور بچہ

جنین۔ ماں تم کہاں ہو؟

ماں۔" تجھے کس طرح سمجھاؤں کہ میں کہاں ہوں؟

جنین" اچھی اماں! اچھا تو یہی بتا دو کہ میں کہاں ہوں؟

ماں۔ تو؟ تو تو مجھ میں ہے۔

جنین۔" ماں! میرے کان تمہاری غیر مادی آواز سنتے ہیں۔ لیکن یہ باتیں میری آنکھوں ہی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں۔ آنکھیں کہتی ہیں کہ کانوں میں ایسا کونسا سرخاب کا پر لگا ہے کہ وہ ہر وقت تمہاری لذت بخش اور شیریں آواز سے لذت حاصل کریں اور ہم نے ایسا کونسا گناہ کیا ہے کہ

ایک وقت بھی تمہاری صورت نہ دیکھ سکیں۔

سر سے پا تک غلاف میں لپٹا ہے، واللہ عجب لپیٹ میں ہے بچہ
دیکھی نہیں اب تک اپنی ماں کی صورت ہر چند کہ ماں کے پیٹ میں ہے بچہ

غریب نادیدی آنکھیں کہتی ہیں کہ اگر ہم کبھی دیکھنے کی خواہش بھی کریں تو لن ترانی کی صدا آتی ہے اور وہ بھی ہمارے ہی رقیب نہ کانوں کے ذریعہ سے تمہارا پیغام ہم تک پہنچتا ہے۔

خط بھیجتے ہیں مجھ کو رقیبوں کے ہاتھ سے ان کی عنایتوں پہ کوئی کیوں نہ مر مٹے

ماں۔ "بچے میں نے ابھی کہا ہے کہ تو مجھ میں ہے اور تیرا مجھ میں ہونا ہی تیری ہستی کا باعث ہے۔

دیکھنے کے لئے رائی اور مرئی میں بقدر مناسب فاصلہ ضرور ہے مجھ سے تیرا انچ بھر بھی ہٹنا تیرے مٹنے کا سبب ہے۔ ارے ننھے نادان تجھے معلوم نہیں، کہ شہود کی خواہش وجود کی منافی ہے۔

دعویٰ خودی۔ خدا کے آگے نہ رہا نیرنگ ہوا ہوا ہوا، ہو آیا
جب تک تو سامنے نہ تھا میں ہی تھا میں کا نہ رہا نشان جب تو آیا

تجلیٔ کبریت

میں ایک دفعہ دیا سلائی جلا رہی تھی، ہوا کے جھونکوں سے دیا سلائی ہر وقت بجھ بجھ جاتی تھی، لیکن میں بھی ہر دفعہ ضروری احتیاط کرتی جاتی تھی آخر دو چار دفعہ کی احتیاط میں باوجود شدت ہوا کے دیا سلائی جل اٹھی

اور ہیں نے چولھا جلالیا۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ اس ہماری دنیا میں بھی مادّیت کی ہوائیں بہت تیز اور تند چل رہی ہیں جو روحانیت کے چراغ کو جلنے نہیں دیتیں لیکن ہر وقت اور ہر دفعہ کے احتیاط سے اس سیہ خانے میں بھی روشنی ہو سکتی ہے۔

اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہر عبادت نہایت توجہ سے کیجائے اور ہر نماز کمال غور و فکر کے ساتھ پڑھی جائے۔ مثلاً فجر کی نماز میں لذّت نہ ملے تو گذشتہ نقائص کا انسداد کر کے ظہر کی نماز زیادہ توجہ اور احتیاط سے پڑھو ظہر کی نماز بھی یوں ہی گذر جائے تو عصر کی نماز میں اور زیادہ احتیاط کرو اسی طرح دس پانچ نمازوں میں کسی نہ کسی وقت کمال ذوق میں تم خود ہی "الصلوٰۃ معراج المومنین" پکار اٹھو گے۔ ان الّذین جاھدو افینا لنھدینھم سُبلنا پہلے روش ہے، بعد کشش ہے، من کان للہ کان اللہ لہ

کیا پھل ملتا ہے بیج بو کر دیکھو ۔۔۔ پانے کی اگر ہوس ہے کھو کر دیکھو
کیا عرض کروں کہ اس میں کیا لذت ہے ۔۔۔ ایک مرتبہ تم، کسی کے ہو کر دیکھو

اسلام یا ارکان اسلام کی یہ شان نہیں کہ اپنے عروج و کمال کے ثبوت میں گڑے مردوں کی استخواں فروشی کرے بلکہ اس کے برکات اس کے کمالات ہمیشہ اس کے ساتھ قائم ہیں جس طرح نار کے لئے احراق (جلانا)، اور پانی کے لئے اطفا (بجھانا) لازمی ہے اسی طرح اسلام کے لئے بھی مسلم کو معراج کمال تک پہنچانا ضروری ہے۔

ایں ملت ما، چراغ لیل داج ست ۔۔۔ فضل و کرم کریم را آماج ست

ہر عبد ضعیف از و رسد تا بخدا   گوئی اسلام سلّم المعراج ست

اگرچہ پہلے پہلے اقتضاءات مادیت کو توڑ کر روحانیت کی طرف توجہ کرنا بہت شاق گزرتا ہے لیکن جب آہستہ آہستہ حجابات مرتفع ہوتے جاتے ہیں تو ظہور میں بطون کی اور عالم کثرت میں شاہد وحدت کی تجلی صاف اور نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور حاضر ہستی کا ناظر دین و دنیا کے جھگڑوں سے الگ ہو کر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

کونین سے اپنا دل شکستہ پایا   دل میں ترے گھر کرنے کا رستہ پایا

پایا تجھے میں نے دین و دنیا دیکر   پھر بھی خوش ہوں کہ کیا ہی سستا پایا

ان مشاہدات میں بعض تجلیاں نہایت خوفناک اور دل دہلانے والی ہوتی ہیں اور بعض بے انتہا محبوب اور دلکش۔

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ قسم اول الوہیت محضہ سے متعلق ہے اور قسم دوم حقیقت محمدی سے (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایمان اسی کو سمجھتی ہوں کہ خدا سے خشیت اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو تبعیت سنت (محبت) ہی کا دوسرا نام ہے اس نقطہ نظر پر اہل سنت کا بھی دوسرا نام اہل محبت ہو سکتا ہے، وللہ الحمد

دریائے محبت ہے سفینہ اپنا   ہے حسن کی خاتم پہ نگینہ اپنا

روشن ہے چراغ عشق سے کعبۂ دل   معمور ہے نور سے مدینہ اپنا

اِنَّ اللّٰہ و ملائکتہ یصلون علی النبی

میں کسی بلانے والے کی سریلی آواز اور آ آ آ کی صدا پر خلا میں اُڑی چلی جا رہی ہوں۔ روحانی راگ کی دلکش آواز مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور میں ہاں صرف میں اس صدا پر کان لگائے ٹھیک اس آواز کی سیدھ چلی جا رہی ہوں۔

نغمے کے ہر ایک سر پہ سر دُھنتا ہوں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سُن ہو کے گل گلشن ہو چُنتا ہوں

آ آ آ کی آ رہی ہے آواز ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھا نہیں آنکھ سے مگر سنتا ہوں

نہیں معلوم کہاں تک جانے اور کتنی مسافت طے کرنے پر ایک جلالی نور کا دائرہ عظیم میرے سامنے نمودار ہوتا ہے اور ابتداً اس دائرہ میں ایک زبردست گونج یا گرج کی آواز سنائی دیتی ہے پھر اس گونج کی آواز مدھم ہوتی ہوئی غیر مفہوم الفاظ کی کیفیت پیدا کرتی ہے پھر غیر مفہوم الفاظ میرے کانوں تک پہنچکر اس مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں ....

کیا تجھ پر میرے احسانات ہیں ؟

یہ سنکر میں (جو کسی روحانی اور مادی تفریق کے بغیر صرف میں محسوس ہو رہی تھی) اس عجیب سوال کے جواب میں سر نیاز خم کر دیتی ہوں اس وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے ساتھ اور بھی ہستیاں اس اداے نیاز میں شریک ہیں اور زبان خاموش سے اپنے محسن کے احسانات کا اقرار کر رہی ہیں پھر اس دائرۂ عظمیٰ سے انہیں تدریجی منازل کے ساتھ یہ

سوال ہوتا ہے کہ "ہمارے احسانات بیان کرو اس حکم پر میں اور میری ساتھی دوسری ہستیاں نہایت لطیف اور میٹھے سروں میں اپنے محسن کی حمد کا گیت اس طرح گاتی ہیں۔

خداوند ارض و سما عرش والے
کریں تیری تعریف کیا فرش والے

ستاروں سے سقفِ فلک کو سجایا　　چراغِ مہ و مہر تو نے جلایا
تری حکمتیں کون سمجھے خدایا　　کہ ہے دھوپ بھی تیری رحمت کا سایا

خداوند ارض و سما عرش والے
کریں تیری تعریف کیا فرش والے

کبھی خشک صحرا کو دریا بنایا　　کبھی سطحِ دریا کو صحرا بنایا
ہمارے لئے تو نے کیا کیا بنایا　　بہت کچھ بنایا اور اچھا بنایا

خداوند ارض و سما عرش والے
کریں تیری تعریف کیا فرش والے

عجب ظلمت و نور کا پردہ ڈالا　　کبھی ہے اندھیرا کبھی ہے اجالا
ہر اک آن ہے تیرا جلوہ نرالا　　تیری حمد ہم کیا کریں حق تعالیٰ

خداوند ارض و سما عرش والے
کریں تیری تعریف کیا فرش والے

ترا فیض ہے جوہرِ زندگانی　　ترا فضل بال و پرِ زندگانی
نچھاور ہے تجھ پر زرِ زندگانی　　ترے پاؤں پر ہے سرِ زندگانی

خداوند ارض و سما عرش والے
کریں تیری تعریف کیا فرش والے

نہ جاگے تھے دم بھر کہ پھر سو گئے ہم
چلے دو قدم تھے کہ گم ہو گئے ہم
پلٹ کر نہ پھر آسکے جو گئے ہم
نہ پاکر تجھے آپ خود کھو گئے ہم

خداوند ارض و سما عرش والے
کریں تیری تعریف کیا فرش والے

یہاں تک پہنچکر ہم خاموش ہو جاتے ہیں، پھر اسی دائرہ سے اسی تدریجی طور پہ یہ آواز آتی ہے۔

کہو اور کیا احسانات ہیں؟

ہم سب اس کے جواب میں کہتے ہیں سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا
پھر آواز آتی ہے اچھا تو یہی کہو کہ ہم نے تم کو کیا کیا سکھایا؟

ہم کہتے ہیں:

ہمیں شرک کی آفتوں سے بچایا
ہزاروں خداؤں سے ہم کو چھڑایا
عجب درس توحید تو نے سکھایا
ضلالت زدوں کو ہدایت پہ لایا

خداوند ارض و سما عرش والے
کریں تیری تعریف کیا فرش والے

منور کیا حق سے ساری فضا کو
بھرا نور ایماں سے ارض و سما کو
اڑا کر دلوں سے خودی کی ہوا کو
کیا دلنشیں کلمۂ طیبہ کو

خداوند ارض و سما عرش والے

کریں تیری تعریف کیا فرش والے

اس وقت ہمارے اس بیان پر ہماری مخاطب (غائب) ہستی سے ہم کو وجد و سرور کی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور ہمارے بیان کے ہر جملے پر سبحان اللہ سبحان اللہ کی آواز آتی ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ تم کو راہ توحید کس نے دکھائی، کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ کس نے سکھایا؟

اس سوال پر میں اور میرے تمام ساتھی دم بخود ہو کر رہ جاتے ہیں اپنے راہنما کا نام کسی کے منھ سے نہیں نکلتا۔ یکایک اس ہماری تشویش اور پریشانی کے عالم میں کسی اذاں دینے والے کی آواز کی طرح ایک آواز

محمد رسول اللہ

فضائے کائنات میں گونجتی ہوئی ہمارے کانوں تک پہنچتی ہے اور ہم سب اس آواز کے ختم ہونے سے پہلے اس گونجتی ہوئی آواز کے ہمنوا ہو کر "محمد رسول اللہ" پکار اُٹھتے ہیں۔

اس جواب پر پھر پہلے سے زیادہ ہم کو اپنی مخاطب ہستی سے وجد و سرور کی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندے کے (ممنون احسان) بندو واقعی محمد کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ احسان ہے کہ اُس نے تم گمراہوں کو راہ دکھائی اور میرا پیغام کما حقہ تم تک پہنچا کر حق رسالت ادا کیا، اسی لئے میں اور میرے فرشتے اس پر ہمیشہ رحمت نازل کیا کرتے ہیں لیکن تمہارے پاس ہمارے ان احسانات کا کیا معاوضہ ہے؟ اس سوال پر ایک مرتبہ ہم سب گھبرا اٹھتے ہیں اور جواب کی جگہ کانپتے اور کپکپاتے ہوئے نہایت

عجز والحاح کے ساتھ رکوع کی حد تک خم ہو جاتے ہیں۔

یکایک وہی پر جلال اور دل ہلا دینے والی آواز نہایت نرم اور شیریں لہجے میں تبدیل ہو کر یہ کہتی ہوئی سنائی دیتی ہے گھبراؤ نہیں، تم بھی ان احسانات کا معاوضہ ادا کر سکتے ہو اگر خدا نے چاہا۔

اس ارشاد فضل بنیاد پر ہم سب ادبدا کر (کسی کے قدموں پر) سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اس وقت ہمارے دل و دماغ میں بے پایاں سرور کی لہریں دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، پھر حکم ہوتا ہے سجدے سے سر اٹھاؤ اچھی طرح آنکھیں کھولو اور دیکھو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حکم کے اتباع میں، ہمارے سجدے سے سر اٹھاتے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے ابتداءً انسانی صورت کی طرح ایک صورت نمایاں ہوتی ہے۔

میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ صورت کسی انسان کی تھی یا انسان کے مانند تھی یا انسانوں کی سی اس میں کوئی خاصیت تھی، صورت ضرور تھی، مگر کیسی صورت جس میں ہزاروں ماہتابوں کے نور کا حسن اور سینکڑوں آفتابوں کی روشنی کا جاہ و جلال تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے بجلی کی چمک کی طرح اس کی آب و تاب، چمک دمک بڑھتی گئی اور بڑھتے بڑھتے اس روشن بدلی سے ایسا بدر کامل اور اس نورانی نقاب سے ایک ایسا دلفریب اور دلکش نقشہ یا چہرہ برآمد ہوا جس کی تعریف نہ کوئی آسمانی شاعر کر سکتا ہے نہ کوئی روحانی مصور اس کی تصویر کھینچ سکتا ہے اس کا نقشہ نہ تصور میں آسکتا ہے نہ کسی کا خیال وہاں تک پہنچ سکتا ہے

مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر،

جب وہ صورت یا صورت والا اپنی سراپا اعجاز، نیم باز محبت بھری آنکھوں سے ہم پر نظر ڈالتا ہے بے ساختہ میں اور میرے تمام ساتھی صلی اللہ علیک یا محمد صلی اللہ علیک یا محمد پکار اٹھتے ہیں۔

اے ایمان والو احسانات الٰہی کا معاوضہ یہی ہے کہ اپنے رسول پہ ہر وقت صلوٰۃ پڑھا کرو۔

یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما تحب ترضی بان تصلی علیہ

رباعی

احساں ہر آن ہے یا الٰہی تیرا
ممنون جہاں ہے یا الٰہی تیرا
میں اور معاوضہ ترے احساں کا؟
کتنا احساں ہے یا الٰہی تیرا

عربی آقا

ایک دفعہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ کر سوتے سے روتی اٹھیں اور اسی خواب کے خیال میں حسب ذیل نظم کہی۔

وہ یوسف گم گشتہ کس جا سے نہاں ہوگا
کس پہلو میں پوشیدہ وہ راحت جاں ہوگا
یہ عالم کثرت کب توحید نشاں ہوگا
اس جسم کی مسجد میں کب شور اذاں ہوگا

میرا عربی آقا اللہ! کہاں ہوگا

میں سینہ دل میں نقش اس کا جما لوں گی
ضد کر کے مناؤں گی رو رو کے ہنساؤں گی

میں آنکھوں کا فرش اس کے رستے میں بچھا دونگی
میں اس میں سما کر پھر خود میں سما دونگی

میرا عربی آقا اللہ! کہاں ہوگا

اس کا دم جاں افزا بے جاں کو جلا دے گا
سوتی ہوئی قسمت وہ ٹھوکر سے جگا دیگا
تو اُس کا پتہ تبلا وہ میرا پتا دے گا
تو مجھ سے ملا مجھ کو وہ تجھ سے ملا دیگا

میرا عربی آقا اللہ! کہاں ہوگا

دیکھوں اسے گلشن میں ڈھونڈھوں اسے صحرا میں
ہے عالم بالا میں یا عرش معلیٰ میں
دل میں ہے مقام اس کا یا دیدۂ بینا میں
وہ کعبے میں رہتا ہے یا گلشن طیبہ میں

میرا عربی آقا اللہ! کہاں ہوگا

کب میم کے پردے کو چہرے سے ہٹا دے گا
تشبیہ میں کب شان تنزیہ دکھا دیگا
یہ نقش خودی میرا ہو کہہ کے مٹا دیگا
کثرت سے چھڑا دے گا وحدت سے ملا دیگا

میرا عربی آقا اللہ! کہاں ہوگا

آنکھوں میں تن خاکی کانٹا سا کھٹکتا ہے
یہ طائر جاں ہر دم سینے میں پھڑکتا ہے
یہ آہوئے رم خوردہ سایہ سے بھڑکتا ہے
اس عالم کثرت میں دل میرا دھڑکتا ہے

میرا عربی آقا اللہ! کہاں ہوگا

جنگل میں بھٹکتی ہوں اب راہ دکھا دیجے
ہاں دامن سلمیٰ کو کانٹوں سے چھڑا دیجے
بچھڑی ہوئی لونڈی کو آقا سے ملا دیجے
یا سیدنا صدیقؓ کچھ آپ پتا دیجے

میرا عربی آقا اللہ! کہاں ہوگا

عالم اصغر

کس نے اعجاز اپنا تجھ میں بھر دیا
کس نے تجھ کو خیر عالم کر دیا
حضرت حق کا خلیفہ کون ہے؟
مظہر اسماء حسنیٰ کون ہے؟
آپ سے تو ہو کے ناداں! بیخبر
غیر کی خوبی پہ کرتا ہے نظر

باصرہ

سارا عالم ہے جو یہ پیش نظر
ہے یہ سب تیری بصارت کا اثر

سامعہ

راگ میں، جو ہے کمال دل کشی
ہے یہی صورت سماعت کی تری

شامہ

بوئے گل سے ہے جو دلچسپی تری
شامہ کی شکل و صورت ہے یہی

لامسہ

مخمل و دیبا و قاقم کا لباس
ہے یہ حس لامسہ کا انعکاس
پیکر واحد ہیں پانچوں حواس
سارا عالم ہے انہیں کا انعکاس

حسن عالم تجھ میں سب مستور ہے
تو سراپا حسن سے معمور ہے
کہتی ہے صورت تری شام و سحر
اچھی سلمیٰ ہاں ادھر بھی اک نظر
اے تماشہ گاہ عالم روئے تو
ہست روئے جملہ عالم سوئے تو

رباعیاں

خالی ہے مکاں، مکین پیدا کر دے
دل میں مرے دل نشین پیدا کر دے
اے مردہ دلوں کے زندہ کرنے والے
شکی دل میں یقین پیدا کر دے

تن میرا ترا رین بسیرا ہو جائے
سونی نگری میں ایک پھیرا ہو جائے
میں اپنے لئے ذرا بھی باقی نہ رہوں
میرا سارا وجود تیرا ہو جائے

جب راکھ نکل گئی، دہک کر اٹھے
سورج کی طرح چمک دمک کر اٹھے
یوں موت نے صاف کر دیا دامن روح
جس طرح کوئی گرد جھٹک کر اٹھے

اب روح قدم قدم پہ اتراتی ہے
ہر سانس میں تازہ زندگی پاتی ہے
اک روز قدم حضور کے چومے تھے
اب تک مرے منہ سے بوئے عطر آتی ہے

غزل

نہ ہو کوئی ہمرہ، یہی ہمرہی ہے
رہوں بےخبر میں یہی آگہی ہے

کبھی ہے قیام اور کسی وقت سجدہ
کبھی سرکشی ہے، کبھی عاجزی ہے

کبھی ہیں دل میں کبھی لب پہ آہیں
مری جان کو اک نہ اک دل لگی ہے

نہ میری سنینگے نہ بولیں گے مجھ سے
عجب بیکسی ہے عجب خامشی ہے

عجب ہے کہ شاخیں تو ہیں آسماں پر
مگر اصل مٹی کے اندر دبی ہے

نہ معلوم جب تجھ کو دیکھوں تو کیا ہو
ترے نام ہی میں مجھے بیخودی ہے

ہے سلمیٰ دل و جاں سے امجد کی لونڈی
اور امجد، غلام غلام نبی ہے

آخری قطعہ

موت کیا ہے؟ حکم کی تعمیل ہے
زندگی کی موت سے تکمیل ہے
زندگی کیا ہے اپنے رب کی بندگی
حکم کیا؟ روح روان زندگی

ردِ امانت

اب تک جو خوش ذائقہ تر نوالے ہم اندر ہی اندر نگل گئے تھے اور اور سمجھتے تھے کہ ہضم بھی ہو گئے ہوں گے، اب قدرت، ہمارا گلا گھونٹ کے ان کے اگلنے پر مجبور کر رہی ہے لہٰذا ہم کسی باطنی دباؤ سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ریاض امجد حصہ دوم میں فی الموت حیواۃ، مردہ زندہ نما، انا اللہ مکالمہ جان و تن، میرا مکان، ان الدین عند اللہ الاسلام، یہ سب جمال سلمیٰ کی نظمیں ہیں۔ چونکہ یہ نظمیں ریاض امجد میں طبع ہو چکی ہیں اس لئے انکا یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری غزل کا ایک مشہور شعر اک آفتاب وحدت ہے جلوہ بخش کثرت نکلی ہوئی ہیں گلیاں، صدہا تری گلی میں" بھی جمال سلمیٰ کا ہے

مندرجہ ذیل رباعیاں بھی خاص انہیں کی صفائی قلب کے آئینے ہیں انہوں نے کیا کہا، ہم نے کس طرح موزوں کیا۔ اس کی تفصیل اگرچہ ناظرین کے لئے دلچسپ ہو گی مگر طوالت کی وجہ سے نظر انداز کی گئی۔

قدموں میں ترے گری ہیں لاکھوں آنکھیں صفحہ (۱۴۵) رباعیات امجد حصہ اول
ہر دم اس کی عنایت تازہ ہے ״ (۱۱) ״ ״

اس سینہ میں کائنات رکھ لی میں نے صفحہ ۶۱ رباعیات امجد حصہ اول

نعلین مبارکش بہ تارک بادا " ۱۰۴ " " "

بجتا ہے شکستہ ہوکے ارگن میرا " ۴۷ " " دوم

بیداد پہ صیاد کمر بستہ ہے " ۳۱ " " "

جو ذہن میں تھا صدور میں آیا ہے " ۳۹ " " "

آخر کی دو رباعیاں جمال سلمیٰ کو بہت پسند تھیں۔

"یا ایہا المزمل قم اللیل" دنیا بھی اپنی لوٹ پہ خود لوٹ پوٹ ہے... جج امجد

(۲) مولوی عظمۃ اللہ خاں مرحوم کے مرثیے میں مقام ختم پر ہم یہ معرعہ "رو دھو کے تجھے کر دیا مولا کے حوالے"، کہہ کر رک گئے، مستزاد کے بہت سے ٹکڑے لگائے مگر کوئی حسب منشا پیوند نہ ہوا۔

ہمارا مقصود یہ تھا کہ ختم مرثیہ پر مرثیہ کا سارا زور ختم ہو ایسا جملہ ہو جو سارے مرثیے کا ملخص اور مرحوم کے خصائص مذکورہ پر بالاجمال مشتمل ہو۔ لفظ کم مضمون بہت۔ دامن تنگ موتی زیادہ آخر تھک کر بیٹھ رہے سلمیٰ نے پوچھا کیوں کیا سوچ رہے ہیں؟

ہم نے اپنا ساراما فی الضمیر بیان کر کے کہا کہ اگر ہمارے حسب منشا ایک مستزادی جملہ دیدو تو ہم پورا ایک روپیہ دے سکتے ہیں یہ سنتے ہی سلمیٰ نے کہا اچھا تو لیجئے۔

رو دھو کے تجھے کر دیا مولا کے حوالے، اے خوبیوں والے

اس مستزادی جملہ سے کسی اور کو لذت ملے یا نہ ملے، خدا کی قسم ہم تو......

لوٹ پوٹ ہو گئے لیکن غضب تو یہ ہے کہ ابھی مسرت ختم نہ ہونے پائی تھی کہ موعود روپے کا تقاضہ شروع ہو گیا۔

کیا کرتے وعدہ کر چکے تھے، دے اور پھر دئے، ایک معمولی دو چار لفظی فقرہ سولہ آنے والے روپے میں خرید لیا گیا۔ اگرچہ یہ مرثیہ علیحدہ طبع ہو چکا ہے مگر یہاں بھی اس کا اعادہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس مرثیے کے ختم پر ہمارے دائمی ماتم کا آغاز ہوتا ہے۔

تقدیر نے دکھلایا عجب واقعہ جانکاہ	العظمت للہ
بجلی سی گری خرمن امید پہ ناگاہ	العظمت للہ
رخصت ہوا دنیا سے عجب دوست ہمارا	تھا آنکھ کا تارا
ہر دوست کا دل شدت غم سے ہوا پارا	العظمت للہ
وہ جس کو کبھی چین بجبیں ہم نے نہ دیکھا	اخلاق کا پتلا
کیا آن تھی کیا شان تھی کیا صورت زیبا	العظمت للہ
وہ جس کو تنفر رہا شہرت طلبی سے	کم ہوتے ہیں ایسے
وہ، پھول جو مرجھا گیا کھلنے ہی سے پہلے	العظمت للہ
وہ، جو تھا بہت عمر میں کم عقل میں بوڑھا	اس سے بھی زیادہ
اٹھتیس برس میں کیا دنیا سے کنارا	العظمت للہ
وہ، لعل شکر ریز وہ تصویر محبت	وہ چاند سی صورت
یوں خاک میں مل جائے سراپائے شرافت	العظمت للہ
وہ، جس کی ہر اک بات تھی تفریح دل و جاں	بے مثل سخنداں

چپ چاپ چلا جائے سوئے شہر خموشاں   العظمت للہ

وہ، مصدر الطاف، وہ اخلاص کا مظہر   اخلاق کا محور
افسوس کہ ہو جائے نہ ہونے کے برابر   العظمت للہ

وہ علم ادب کے لئے جو روح رواں ہو   اعجاز بیاں ہو
یوں دیکھتے ہی دیکھتے بے نام ونشاں ہو   العظمت للہ

وہ چھوڑ کے بچوں کو یہاں سے ترا جانا   ہونا وہ روانا
وہ عالم غربت میں تری موت کا آنا   العظمت للہ

ظالم نے نہ کچھ رحم کیا ایسے حسیں پر   خاک ایسی زمیں پر
یہ چادر خاک، اور رُخ ماہ جبیں پر   العظمت للہ

ان چھوٹے سے بچوں کو کیا کس کے حوالے   ہیں نازوں کے پالے
اک مادر بیوہ، انہیں کس طرح سنبھالے   العظمت للہ

محروم رہے آخری دیدار سے بھی ہم   بیمار سے بھی ہم
گویا گئے گزرے ہوئے اغیار سے بھی ہم   العظمت للہ

تھا قدر شناس آہ جو امجد کا وطن میں   اس ملک دکن میں
منہ اپنا لپیٹے ہوئے سوتا ہے کفن میں   العظمت للہ

ہیہات گل سرسبد از باغ جہاں رفت   در شوق جناں رفت
ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں رفت   العظمت للہ

رو دھو کے تجھے کر دیا مولا کے حوالے   اے خوبیوں والے
اللہ تجھے کیوں قریب میں اپنے نہ بلالے   العظمت للہ
مبتدا   خبر

دسواں نوشتہ

الکمال مقدمتہ الزوال، جانے والے تو آیا ہی کیوں تھا۔
غم اور ہم، حج امجد کی تکمیل،
صبر و شکر، تو من شدی،
وضع الشی فی محلہ
تحریر جمال سلمیٰ

رنجیدہ و احساء

جب سانس نفس نفس سے گھٹتا ہے
فولاد سا سخت دل بھی ٹوٹا ہے
کلی غم سے کڑکڑا اٹھتا ہے
جب ترس سے بھک سے اڑ جاتا ہے

سرکا پتہ جھولا

رباعیات امجد

الکمال مقدمۃ الزوال

جمال سلمی ۱۳۴۶ھ میں ہمارے ساتھ حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئیں۔ تمام سفر حمل اور صعوبات سفر کی وجہ سے مسلسل چھ مہینے تک بیمار رہیں۔ اسی حالت میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کر کے ۸ محرم ۱۳۴۷ھ کو وطن واپس ہوئیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حج امجد) واپسی کے دو مہینے بعد وضع حمل ہو کر جمال سلمی کی مثال ایک حسین و جمیل بچہ پیدا ہوا۔ پہلے دو بچے جانے کے بعد اس تیسرے بچے (اور اس بچے کی جبکو طواف کے وقت پیٹ میں لئے پھرتی تھیں جو خوشی ہوئی اس کو ماں ہی کا دل سمجھ سکتا ہے۔

جب دایہ بچے کو نہا کے میں لپیٹ کر ماں کے سامنے لے گئی تو ماں نے کھینچکر اپنے بچے کو چھاتی سے لپٹا لیا۔ بچے نے اپنی ماں سمجھ کر اس کی صورت پر ٹکٹکی لگا دی لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ نہ بچہ اپنی ماں کا تھا نہ ماں اپنے بچے کی۔ کیونکہ دو چار ہی دن میں بچے نے ماں سے منہ پھیر لیا اور ماں نے اس کو اپنی گود سے الگ کر کے قبر کی آغوش میں دیدیا۔

می برد برعرش و گاہے در زمیں ۔۔۔ گہ چنیں بنماید و گاہے چنیں
جز کہ حیرانی نباشد کار دیں

پھر بچے کی مفارقت کے دو چار ہی دن بعد ۲۲ ربیع الاول

۱۳۴۷ھ وقت فجر روز جمعہ سفر زندگی کے تینتیس ۳۳ منازل طے کرکے
کسی چپ چاپ آنے والے کے خیر مقدم اور خاموش بلانے والے
کی صدا پر لبیک اللہم لبیک، کہتی ہوئی رفیق اعلیٰ تک پہنچ گئیں،
الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب، ان کا کالبد خاکی درگاہ
حضرت شاہ خاموش رح کے شہر خموشاں میں سپرد خاک کیا گیا اور
ہماری ہی قبر میں (جو ہم نے اپنے لئے تیار کر رکھی تھی) ہمارے
ہی ہاتوں دفن ہوئیں، زندگی، امجد کے گھر میں گزاری مر کر بھی گور
امجد ہی پسند آئی۔ بقول انھیں کے زندگی کی، موت سے تکمیل
ہوگئی اور

جب راکھ نکل گئی دہک کر اٹھے | سورج کی طرح چمک دمک کر اٹھے
یوں موت نے پاک کردیا دامن روح | جس طرح کوئی گرد جھٹک کر اٹھے

جسم خاکی پیوند خاک ہوگیا۔ کہنے کو تو مر گئیں مگر اپنے ذی حیات
انفاس سے بہت سے زندہ دلوں (من کان حیًا) کے لئے زندگی
حاصل کرنے کا سامان چھوڑ گئیں۔

ہمارے باغ راحت کی چہکتی ہوئی بلبل ہزار داستان ہمیشہ
کے لئے خاموش ہوگئی۔ اس کی روح دنیوی آلائشوں سے پاک
ہوکر وسیع کائنات کی ہم وسعت ہوگئی وہ نیرہ خاکدان سے نکلکر
ایک روشن اور پر نور ستارہ بنگئی جس کے گرد، اخذ نور کے لئے ستارے
چکر لگاتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — حسن زوال یافتہ تابندہ شد بعشق
جراح رگ ہمی زند و مرہمے نہد — ہر دل بعشق سوختہ تابندہ شد بعشق

میری روح میری جان، میری ملکی صفات ملکہ۔ میری خدا والی سلمیٰ گئی اپنے خدا کے پاس گئی۔

آہ سلمیٰ! سلمیٰ، سلمیٰ، کہاں ہے؟ وہ یہاں ہے، نہ وہاں ہے صاحبان بصیرت کہتے ہیں کہ وہ ہر جگہ ہے اس کے جلوے سے سارا عالم معمور ہے پھولوں میں، درختوں میں، ہواؤں میں، سمندر کے شور میں صحرا کی خاموشی میں، رات کی تاریکی میں، صبح کے اجالے میں، ثوابت میں، سیاروں میں، آفتاب میں، ماہتاب میں زمین میں، آسمان میں، حاصل یہ کہ قید تن کو توڑ کر نکل جانے والی ہستی اب سارے عالم میں طاری و ساری ہے۔ اب وہ لطیف ہے۔ لازوال ہے غیر فانی ہے، پردۂ غیب میں مستور ہے، اتھر اُس کے جلووں سے معمور ہے مادے کی حیثیت سے وہ ایک بادل ہے نور کی حیثیت سے قوس قزح ہے وہ خدا کا جوہر ہے وہ ایک صورت پر ہمیشہ نہیں رہتی مگر ہمیشہ غیر فانی ہے۔ پردۂ غیب کی بلندیوں پر پرواز کرتی ہے۔ کبھی متشکل ہو کر نظر آتی ہے کبھی ایک وسیع نادیدہ عالم میں مثل کہر کے تحلیل ہو جاتی ہے۔

وہ دیکھتے دیکھتے بدل جاتا ہے — جس سانچے میں چاہتا ہے ڈھل جاتا ہے
بن بن کے بگڑ جاتا ہے تقدیر کا رنگ — آ آ کے گرفت میں نکل جاتا ہے

اے آنکہ نہ فال سوئے حال آمدہ | وز چشم نہفتہ در خیال آمدہ
از مرگ تو اے جمال معلومم شد | از شان جمال در جلال آمدہ

اب میں ہوں اور تیرا غم ہے۔ تیرا غم دل سے کس طرح نکالوں اگر نکال بھی سکوں تو کہاں رکھوں؟

رہتا ہی نہیں درد کہیں دل کے سوا | غم کا نہیں کوئی ہم نشیں دل کے سوا
اس پھانس کو میں دل سے نکالوں بھی اگر | رکھنے کو کہیں جگہ نہیں دل کے سوا

لوگ کہتے ہیں جانے والا گیا اب واپس نہیں آسکتا۔ صبر کرو صبر کرو اچھا یہی سہی۔

ممکن ہے کہ تیری جستجو بھی نہ کروں | ممکن ہے کہ تیری گفتگو بھی نہ کروں
ممکن ہے زباں پر کوئی حرف نہ آئے | لیکن کیا دل میرا آرزو بھی نہ کروں

تو نے بے موت مجھ کو مارا | مرنے والے ترا بھلا ہو
دل ہو گیا خون، خون پانی | اب دیکھئے آگے اور کیا ہو
تم اور مجھے چھوڑ دو غضب ہے | ناخن، اور گوشت سے جدا ہو؟

میری نظروں سے چھپ گئے کیوں
کب میں نے کہا کہ تم خدا ہو؟

رب اغفرلی، ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا وللمومنین والمومنات

سہ رنگی تصویر

جانے والے تو آیا ہی کیوں تھا

پہلا رنگ، نہایت ہلکا غنچہ ناشگفتہ کی طرح پاک اور برف کی طرح بے داغ تھا۔

سن کتھا میری اچھی سہیلی — رات میں سو رہی تھی اکیلی
آئی خوشبو مجھے عطر کی سی — چھو گئی سانس مجھ کو کسی کو
چھا گئی مجھ پہ بدلی کرم کی — بند آنکھوں میں بجلی سی چمکی
ہو گیا فضل باری تعالیٰ — آیا گھر میں مرے عرش والا

(۲) دوسرا رنگ نہایت شوخ، مگر کچا، دھوپ میں اڑ جانے والا میری انتہائی مسرت اور اس کے معنی خیز تبسم پر شامل تھا۔

محو دید رخ یار ہوں میں — خواب میں ہوں کہ بیدار ہوں میں
اب جلے آگ میں میری سوتن — ہیں تو باندھونگی دامن سے دامن
اب کہیں اس کو جانے نہ دونگی — غیر کو منہ دکھانے نہ دونگی
غم کدے میں مرے عید ہوگی — اب تو آنکھوں بھر دید ہوگی

(۳) تیسرا رنگ نہایت گہرا اور پختہ دھونے سے بھی نہ دھلنے والا، خون کی طرح جسم کی رگ رگ میں دوڑنے والا تھا۔

میں اس وجد میں جھومتی تھی — اپنی قسمت کا منھ چومتی تھی
ناگہاں اک ذرا آنکھ جھپکی — کڑکڑا کر گری غم کی بجلی
ہائے تقدیر نے رنگ بدلا — پھر یہ دیکھا کہ اس کو نہ دیکھا
اس نے جلوہ دکھایا ہی کیوں تھا — جانے والا پھر آیا ہی کیوں تھا؟
بیٹھے بیٹھے مرا جی جلایا — چھپنے والے نے منہ کیوں دکھایا

اب وہ ہم ہیں نہ وہ ہم نشیں ہے
ہائے، سب ہو کے پھر کچھ نہیں ہے

امجدؔ، ظہور میں ہے سلمیٰ بطون میں ہے — صاحب جمال ادھر ہے اصل جمال ادھر ہے
ہے اک وجود جس کے دو نصف ہو گئے ہیں — آدھا زمیں میں ہے آدھا زمین پر ہے

غم اور ہم

ہم نے اون سے بہت جی لگایا (بقول برکلے کے) شاید اس سے بہت زیادہ جتنا اس دنیا کی کسی چیز سے جی لگانا چاہے مگر کیا کیا جائے ہم اپنے اختیار میں بے اختیار تھے،

اے دل غم دیدہ، غم کا غم نہ کر — مجلس ماتم میں بھی ماتم نہ کر
دل ہے جملہ شاہد غم کے لئے — ہم فقط پیدا ہوئے ہم کے لئے
بندہ اپنے حال میں مجبور ہے — بندگی بیچارگی مشہور ہے
بے سبب کیوں کیا ہے ہم کو کیا غرض — کیوں بڑھائیں اور ہم اپنا مرض
ہم کو تسلیم و رضا سے کام ہے — ہاں اسی منزل میں کچھ آرام ہے
پیچھے پیچھے درد کے دلدار ہے — ایک ہی ٹکر میں بیڑا پار ہے
سوز دل محبوب کو مطلوب ہے — عود کی جا دل جلے تو خوب ہے
آنکھ سے آنسو بہیں رخ زرد ہو — کھا دوا ایسی کہ جس سے درد ہو
پردۂ زحمت میں ہے رحمت نہاں — ہے اسی بدلی میں مہ طلعت نہاں
درد کے پہلو میں راحت دیکھ لے — بعد درد زہ ولادت دیکھ لے

غم اگر دل میں ہے پھر کچھ غم نہیں — اپنی زاری زور و زر سے کم نہیں

چوں خدا خواہد بما یاری کند — میل مارا جانب زاری کند

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد — آنچہ در وہمت نیاید آں دہد (مولوی روم)

زندگی بے درد کی سکرات ہے — درد مل جائے تو پھر کیا بات ہے

دل بنا ہے درد ہی کے واسطے — ہیں بلائیں مرد ہی کے واسطے

ہو گیا اب تو مرا ہدیہ قبول — لے لیا اس نے مری راحت کا پھول

عقل میں دیوانگی کا جوش ہے — اب تو یہ سر بھی وبال دوش ہے

مری چشم جاں کو تن بھی آڑ ہے — وصل میں اک پیرہن بھی آڑ ہے

جا کے سب کچھ درد رہ جائے تو بس — بندہ را اللہ بس، باقی ہوس

حج امجد کی تکمیل

حج امجد کا اکثر حصہ مرحومہ کی زندگی ہی میں لکھا گیا تھا اور بیماری ہی میں ان کو سنایا بھی گیا تھا۔ مرحومہ کی رحلت کے بعد دو مہینے تک مسودہ اسی ناقص حالت میں پڑا رہا۔ تکمیل کا کیا ذکر، مسودہ کو ہاتھ لگاتے ہوئے بھی روح کو اس خیال سے صدمہ ہوتا تھا کہ اب لکھے کون، اور سنے کون؟ کئی مرتبہ مسودے کو آگ میں جھونک دینا چاہا مگر کسی طاقت نے ہر دفعہ روک روک دیا۔ خدا میں تو ہر طرح کی قدرت اور قوت ہے، جس مسودہ کو ہاتھ لگانے کی قسم کھالی تھی اسی کو ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمارے ہی دست و قلم سے ختم کروا کے چھپوا [illegible]

نہیں کہتے گئے اتنی ہی دفعہ یہ آواز کانوں میں آتی تھی۔

کیا غم ہے گر ایک سننے والا نہ رہا لے ہم تری داستان غم سنتے ہیں
بندہ فانی ہوا خدا باقی ہے کہہ جو تجھے کہنا ہے کہ ہم سنتے ہیں

آخر کیا کرتے، انی الا احب الافلین، وانی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا کہتے ہوئے زبردست قدرت اور غیبی طاقت کے آگے سر نیاز خم کر کے حج امجد ختم کرتے ہی بنی۔

ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر

حج امجد کے بعد جمال امجد کا لکھنا اور خواب کی سی مسرت بخش گذشتہ زندگی کو اب بیداری میں تکلیف کی آنکھوں سے دیکھنا اپنی آنکھوں میں سوئیاں چبھونے کے برابر تھا خصوصاً جمالیات جمال سلمیٰ کا قلمبند کرنا اور مرحومہ کے منھ سے جھڑے ہوئے پھولوں کو دل کے ٹکڑوں کی طرح جگہ جگہ سے چُن چُن کر اہل دل کیلئے روحانی گلدستہ بنانا حضرت مسیح کے کانٹوں کے تاج پہننے سے کم تکلیف دہ نہ تھا، ہر فقرہ تیر بن بن کر دل و جگر کو بر مار رہا تھا اور ہر ملفوظ پر اس زندہ جاوید مرنے والی کی یاد آٹھ آٹھ آنسو رلا کر کاغذ کو گنا ہگار مولف کے دامن تر کے مماثل بنارہی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض جگہ ہم نے حقیقت کو بے نقاب کرنیکی کوشش میں اس کو اور بھی ناقابل فہم بنا دیا ہو، اور ایک لطیف چیز کو اپنی خوبی تحریر سے کثیف کر دیا ہو۔

غرض غلط، صحیح جو لکھوایا گیا لکھے اور پھر لکھے نہیں معلوم کیوں لکھے؟ اور اس سے ہم کو کیا حاصل ہوا؟ یا دوسروں کو کیا حاصل ہوگا؟ العلم عند اللہ

رستہ ملتا نہیں مگر چلتا ہوں
آتش کا پتہ نہیں مگر جلتا ہوں

سو رنگ بدل رہا ہوں لاعلمی میں
قالب کی خبر نہیں مگر ڈھلتا ہوں

شکر و صبر

سلمٰی مرحومہ کے جوار رحمت میں داخل ہونے کے بعد ہم بطور ما نعتہ الجمع ہذا العدد اما زوج و اما فرد کہا کرتے تھے کہ دیکھئے اب مرحومہ کی سوت آتی ہے یا ہماری موت آتی ہے؟

لیکن تقدیر نے ہمارے ایک کامل القامت، ناقص العقل (عمرش چو قدش دراز باد) دوست کی حسن تدبیر کے پردے میں اس جملہ مُردودہ کی تردید کر کے فرد زوج کو ہلاکو خاں کی فوج اور سوت کو موت کا مترادف بنا دیا کیا کیا جائے؟ اب تو حکم حاکم (مرگ مفاجات) کی تعمیل میں جان تحلیل ہو ہو کر ایمان کی تکمیل ہو رہی ہے الحمد للہ علیٰ کل حال الایمان شطران شکرٌ و صبرٌ

وہ گھر جو تھا کل تک چمن[1] اب کوئی دیکھئے قبر ہے

پہلے محل شکر تھا اور اب مقام صبر ہے۔

پاتا ہے کوئی چیز کہ پھر کھونا ہے
تقدیر میں ہنسنا ہے کہ پھر رونا ہے

جو کچھ ہوا اب تک آپ نے دیکھ لیا
اب دیکھئے آگے اور کیا ہونا ہے

---

[1] ہمارا مکان محلہ میں چمن کے نام سے مشہور ہے۔

تو من شدی

۱۶ ار رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ کو خواب میں دیکھا کہ ایک سنسان جنگل میں جہاں کوئی آدم ہے نہ آدم زاد جمال سلمیٰ "اپنے شعر"

نہ ہو کوئی ہمرہ یہی ہمرہی ہے ۔۔۔ رہوں بے خبر میں یہی آگہی ہے

کی مصداق بنی ہوئی یکہ و تنہا عالم بے خبری میں روتی ہنستی چلی جا رہی ہیں۔ ہم سامنے جاکر کھڑے ہو گئے مگر انہوں نے ہماری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ آخر ہم نے کہا دیکھو ادھر دیکھو پہچانو کہ میں کون ہوں؟ ہمارے اس کہنے پر پہلے تو بہت دیر تک گھور گھور کر دیکھتی رہیں پھر مسکرا کر کہا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تم؟ وہ تو میں ہوں۔

کاش تو من شدی معلوم کر کے ہم بھی من تو شدم کہہ سکتے۔

یہ قلب پریشاں کبھی یکسو نہ ہوا ۔۔۔ پابند ہوا کا طالب ہو نہ ہوا
تو ہو گیا میں بدل کے قالب اپنا ۔۔۔ مجھ پر افسوس ہے کہ میں تو نہ ہوا
دونوں اک جا مگر ملاقات نہیں ۔۔۔ باہم کوئی گفتگو نہیں بات نہیں
ایسی بھی معیت کہیں دیکھی ہی نہیں ۔۔۔ تو ہے مرے ساتھ میں ترے ساتھ نہیں

وضع الشئی فی محلہ

مرحومہ کے وصال یا جدائی کے بعد یوں تو مرحومہ کو بیسیوں دفعہ ہردم بلبابس دگر نئی آن نئی شان میں دیکھتے رہے اور وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ تسلی اور تسکین دیتی رہیں۔ مگر جمال امجد کا مسودہ ختم کرنے کے بعد ۲۲ محرم ۱۳۸۲ھ کو درگاہ حضرت شاہ خاموش علیہ الرحمہ میں اسی مقام اور اسی تخت پر جس پر مرحومہ نے انتقال فرمایا تھا ہم لیٹے ہوئے مرحومہ کے تصور میں یہ پڑھ رہے تھے

انی علی العہد لم انقض مودتہا ۔۔۔ یا لیت شعری بذاک العہد ما فعلوا

اور اردو تضمین سے اس کی تکمیل بھی اس طرح کرتے جاتے تھے

زیر زمیں وہ چاند میرا چھپ گیا ۔۔۔ افسوس لطف زندگی جاتا رہا
کرتا ہوں میں تو یاد اسے صبح و مسا ۔۔۔ کیا جانے اس کا وہاں نقشہ ہے کیا

انی علی العہد لم انقض مودتہا
یا لیت شعری بذاک العہد ما فعلوا

یہی تضمین اور شعر پڑھتے ہوئے آنکھ لگ گئی۔ پچھلے کی روشنی میں جمال سلمیٰ کو دیکھا۔ غیر مادی روحانی ملاقات میں جو کچھ انہوں نے کہا یا سمجھایا بغیر کسی خارجی تعبیر کے عسیٰ ان تکرہوا شیئاً وہو خیر لکم کی تسکین

ع میں نے اپنی محبت میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ اپنے اقرار پر اسی طرح قائم ہوں کاش مجھے بھی معلوم ہوتا کہ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھی اپنے عہد پر قائم رہا کہ نہیں؟

بخشش تفسیر ہو گئی۔

جس کا ما حصل یہ تھا کہ میری آہ وزاری اور حکایت وشکایت پر جمال سلمیٰ نے کہا کہ

میرے ناقص کام کی تکمیل کیلیے جس طرح اس دنیا میں آپ کا رہنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

اسی طرح آپ کے ناقص اعمال کی تکمیل کیلئے میں آپ کی سامنے والی دنیا میں بھیجدی گئی ہوں۔

میرے نامکمل ادھورے، غیر مرتبط خیالات کو جس حسن و خوبی سے آپنے مسلسل اور مکمل کیا ہے میں اس کی شکر گزار ہوں دیکھیے آپ کی دنیا والے اس سے کیا سبق حاصل کرتے ہیں۔

خدائے رحیم وکریم کے رحم وکرم سے امید ہے کہ اس دنیا میں آنے کے بعد آپکو بھی میری شکر گزاری کا موقع مل سکے اور میں آپ کے بھیجے ہوئے اعمال ناقصہ کی تکمیل کا سبب بن سکوں۔

ان اللہ یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید

جس طرح آپ یہاں ورمیرے کام میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح میں بھی یہاں اور آپ ہی کے کاروبار میں مصروف ہوں خدا کرے ہم دونوں کی سعی مشکور ہو۔

(۲) مہربانی کر کے اپنی دنیا میں اپنے حسنات یا کسی خوبی کو مشہور کرنے کی کوشش کیجیے کیونکہ اس دنیا میں کمال کی تشہیر

اس دنیا میں تنقیص کا باعث ہے۔

دین و دنیا سے کھو دیا مجھ کو — ہوس خام تو کہیں گرڈ بھی
نام نے کام ہی تباہ کیا — شاخ کے ساتھ کھنچ گئی جڑ بھی

ہر چیز کا ایک حق ہوتا ہے یا ادھر حاصل کیجئے یا ادھر ایک مزدوری کی دو اجرتیں نہیں ملا کرتیں

باش اندر دہر مانند صدف — اندرونش گوہر و عریاں برپا
یک طرف دوزد بہ بیند یکطرف — بنگر امجد صنعت خیاط را

عالم ہمہ پرز کار کور مشعلہ دارست

بنت سید نادر الدین

۳۲ ۔ ۱۳

ہم نے مرحومہ کے جسم مثالی یعنی قبر کی تصویر لینے کی کوشش کی تھی جو ہماری تقدیر کی طرح بنکر بگڑ گئی ہم نے بھی یہ سمجھکر کہ زندہ جاوید ہستیاں، اس دنیا سے منتقل ہو کر زمین کی جگہ اہل دل کے دلوں میں مدفون ہوا کرتی ہیں قبر پرستی کو سلام کر کے مرحومہ کے خاص قلمی خط کا نقش لینا مناسب سمجھا جو گلستان سعدی کا مشہور و پر موعظت فقرہ ہے اللّٰھم اغفر لکاتبھا

الیس اللہ بکاف عبدہٗ

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

رباعیات امجد

جب تو دعا مانگے تو اپنے باپ ارب العالمین سے دعا مانگ ۱۲
انجیل متی (باب الدعا)

ایک خواب

جمال امجد کے شائع ہونے کے بعد رمضان ۱۳۴۸ھ کو خواب میں دیکھا کہ جمال سلمیٰ ہمارے پاس بیٹھی ہوئی ہم سے باتیں کر رہی ہیں ہم نے کہا سلمیٰ یہ کیا تماشا ہے ہم نے جمال امجد میں تمہارے انتقال اور موت کی تمام داستان نہایت شرح و بسط سے لکھدی ہے اور تم ہو کہ اب زندوں کی طرح یا زندہ ہو کر ہمارے ساتھ بیٹھی ہوئی ہم سے باتیں کر رہی ہو۔ کیا واقعی تم زندہ ہو۔ سلمیٰ نے کہا زندہ اور بالکل اسی طرح زندہ، موت تو کسی کو بھی نہیں، موت ہے ہی نہیں نہ یہاں ہے نہ وہاں۔

ہم نے کہا جب موت نہیں ہے تو لوگ موت سے ڈرتے کیوں ہیں؟ سلمیٰ نے کہا، لوگ رسی کے سانپ، اور درخت کے بھوت سے بھی ڈرتے ہیں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا خوف صحیح اور ڈر کوئی حقیقت رکھتا ہے خیر مجھے اب زیادہ گفتگو اور بحث کا وقت نہیں ہے، اب میں جاتی ہوں۔ اگر آپ نے جمال امجد میں میرے مرنے کا ذکر کر ہی دیا ہے تو اب کتاب کے آخر میں یہ بھی لکھ دیجئے کہ اس کتاب کے لکھنے اور ختم کرنے کے بعد جمال سلمیٰ پھر ہم سے مل گئیں۔ اس خواب کی تعبیر بھی عجیب طور پر پوری ہوئی کہ اس خواب کے چند مہینوں بعد یعنی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ کو ہمارا

عقد بغیر کسی سعی و کوشش کے قدرتی طور پر ایک ایسی خاتون سے ہو گیا جو شکلاً صورتاً عادتاً انہیں کی مماثل تھیں وہ رامپوری تھیں یہ حیدرآبادی ہیں ہم صورتی اور مشابہت ظاہری بھی اس درجہ ہے کہ بعض دیکھنے والے ابتداءً ہماری نئی بیوی کو دیکھ کر کہہ اٹھے :۔

"ارے یہ تو وہی پرانی جمال سلمیٰ ہے جس کے مرنے کی غلط خبر اڑائی گئی "۔

ان اللہ علی کل شئ قدیر

گیارہواں نوشتہ

ہمارا حلیہ
تعلیم اور اساتذہ
شاعری۔
رباعیات۔
امجد اور کلام امجد
بیعت،
ہمارا ماحول
ایک آخری خواہش
کتاب کا خاتمہ۔

الہام الہیٰ رشدی

پیرا دیدۂ صیاد کمر بستہ ہے
کس طرح نکل سکوں کہ در بستہ ہے
ہم سے کوئی پیر ہم ضعیف و ناتواں
اک طائرِ روح سدرہ پر بستہ ہے

رباعیات امجد

قصہ مختصر

جمال امجد لکھتے وقت بعض احباب پوچھتے تھے کہ اس میں غالباً آپ کے تفصیلی حالات ہوں گے، تصویر ضرور ہوگی۔ اساتذہ کے اسما ہوں گے، کالج کا نقشہ ہوگا، شاعری اور رباعیات پر تبصرہ ہوگا، یہ ہوگا وہ ہوگا، اس لئے ان سوالات کے جواب میں ہم سید احمد حسین، تخلص امجد، ساکن حیدرآباد دکن عمر تخمیناً (۷۲) سال ابن سید رحیم علی مرحوم ابن سید کریم حسین، پیشہ ملازمت، لکھ دیتے ہیں اس بات پر کہ . . . . .

حلیہ ہمارا رنگ گندمی ہے۔ وہ گندم جس کی بدولت بابا آدم جنت سے دنیا میں اور ہمارے بابا دنیا سے جنت میں بھیجے گئے قد دو گز سے دو انچ کم۔ سر بڑا استری کا آدھا نمبر، فراخ پیشانی، بھول آنکھ، کان متوسط نہ بڑے نہ چھوٹے، رخسار کسی قدر دبے ہوئے مختصر سی داڑھی نور و ظلمت کا نمونہ، سینہ چوڑا، کمر سینے سے ۱۵ انچہ کم، جسم موٹا نہ دبلا، مذبذب بین ذالک قویٰ ابتدائی جوانی سے اب تک ایک حال پر بال برابر فرق نہیں، اس کا ثبوت یہ کہ جو پتھر ہم سے اس وقت نہیں اُٹھ سکتا تھا اب بھی اسی طرح نہیں اٹھ سکتا۔

تعلیم اور اساتذہ الف، ب قرآن مجید گھر ہی میں ختم کیا، پھر قدیم مدرسہ نظامیہ میں تخمیناً چھ برس تک روزانہ دال چاول کھانے اور ہفتہ واری گوشت کی ایک ایک بوٹی پر لڑتے ہوئے مولوی اسعد الدین صاحب

سہارنپوری، اور مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری سے ملا جلال تک تعلیم پائی۔ چند روز ہم اور ہمارے ہم سبق مولوی عبداللہ روزانہ مدرسے سے مولا کے پہاڑ (جو شہر سے ۱۰ میل ہے) تک جا کر آغا شوستری صاحب سے شافیہ و نفحتہ الیمن وغیرہ بھی پڑھتے رہے۔ مرزا محبوب علی بیگ صاحب سے کچھ فارسی بھی پڑھی انہی دنوں میں پنجاب کے امتحانوں میں بھی شریک ہوئے اسی زمانے میں سلم الاخلاق کے نام سے اخلاق جلالی کے لامعہ سوم کا ترجمہ کیا۔ منشی فاضل کے جواب مضمون کا پرچہ لاجواب لکھا گیا۔ کئی عنوانوں میں ایک عنوان، دوات و قلم کا مناظرہ بھی تھا، ہم نے اسی مضمون پر قلم اٹھایا۔ تین گھنٹے میں علاوہ نثر کے پچیس پچاس شعر لکھ ڈالے جن میں تین شعر جو زبان قلم سے ادا ہوئے تھے اب تک یاد ہیں۔

منم کہ بالقلم گفت حضرت باری	منم چو طرۂ زلف بتان تاتاری
منم کہ تیغ کہ بہ وائے سر نمی دارم	منم رفیع کہ بر گوش کاتباں باشم
منم کہ چوں الف اللہ ہست قامت من	منم چو سرو کشیدہ بہ بوستان سخن

آخری زمانے میں مولوی سید نادرالدین صاحب سے حمداللہ تک کتابیں پڑھیں۔

شاعری شاعری کا شعور پندرہ سولہ سال کی عمر میں پیدا ہوا واقعہ یہ ہوا کہ مدرسۂ نظامیہ میں کہیں سے شیخ ناسخ کا دیوان ہاتھ لگ گیا کئی دن اسی دیوان کو غالباً بغیر سمجھے ہی پڑھتے رہے۔ پڑھتے پڑھتے کچھ سمجھ کھلی گئی سمجھتے سمجھتے آخر تک ایک شعر ہم نے بھی کہہ ڈالا جو یہ ہے۔

نہیں غم گرچہ دشمن ہو گیا ہے آسماں اپنا
مگر یارب نہ ہو نا مہرباں وہ مہرباں اپنا

پھر اُردو سے فارسی پر جا پڑے مگر فارسی میں سوائے گلستاں کے اور کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی اسی کو پڑھتے رہے۔ پڑھتے پڑھتے آخر ایک فارسی شعر زبان پر آہی گیا جو یہ ہے -

اگر خورشید محشر را نظر بر داغ ما افتد ... بسان سایۂ نصف النہارم پیش پا افتد

ہماری پہلی نظم جو تقریباً بیس بائیس سال کی عمر میں لکھی گئی دنیا و انساں ہے اور پہلی تضمیں ان تات یاریح الصبا پر ہوئی ہے (ملاحظہ ہو ریاض امجد حصہ اول) فارسی کی چند غزلیں غلامی ترکی صاحب کو اور اردو کی چند غزلیں حبیب صاحب کنتوری کو دکھائیں

فی کل واد یہیمیون کے تحت صحرا میں جگر کاٹ کاٹ کر جو غزلیں لکھی گئی تھیں طغیانی میں دریا کے حوالے ہو گئیں اور اچھا بھی ہوا کیونکہ غزل کو ہم ہزل سمجھتے تھے اور اس سے ہم کو کوئی مناسبت بھی نہ تھی رباعیات آخر استاد فطرت نے اپنی طرف کھینچکر ہماری موزونیت کو رباعی کے قالب میں ڈھال دیا اور ہم بغیر کسی کے صلاح و مشورے کے کسی انئے وزن میں دو دو بیت کہتے چلے گئے جو آخر میں جا کر رباعیاں معلوم ہوئیں اور ہمارے قدیم دوست مولوی ظفر یاب خاں صاحب کی تحریک پر سو کی تعداد تک پہنچکر انہیں کے اہتمام سے شمسی پریس آگرہ میں غالباً ۲۳ء یا ۲۴ء میں شائع ہوئیں جن کو مولوی حالی، مولوی

شبلی، مولوی عزیز مرزا مرحوم نے بھی بیحد پسند کیا تھا۔ اس کے بعد کوئی کتاب مستقل طور پر مدتوں تک شائع نہ ہوسکی البتہ مختلف نظمیں رسالۂ مخزن، زمانہ اور نظام المشائخ میں چھپتی رہیں اور ہم اپنی نثر چھپی ہوئی نظم رسالوں سے کاٹ کاٹ کر کتابی صورت بناتے گئے۔ جو ہمارے محترم محسن مولوی سید عبدالغنی صاحب وارثی علیہ الرحمہ کی تحریک پر ریاض امجد حصہ اول کے نام سے بالتصویر شائع کی گئی۔ اس کے بعد ریاض امجد حصہ دوم شائع ہوئی جس میں مرحومہ جمال سلمیٰ کی بھی بعض نظمیں شریک ہو گئی ہیں۔ اس کے بعد مولوی محمد حسن صاحب بلگرامی کی تحریک پر رباعیات امجد حصہ اول کا نمبر آیا اور پھر خرقۂ امجد پھر رباعیات امجد حصہ دوم اور پھر نذر امجد طبع ہوئی ریاض امجد حصہ اول کی بعض نظموں کے سوا باقی جتنی نظمیں اور رباعیاں ہیں مرحومہ جمال سلمیٰ کی سنی اور ان کی پسند کی ہوئی ہیں جس نظم یا رباعی کو انہوں نے پسند نہیں کیا ہم نے اس کو کتاب سے خارج کر دیا۔

اگرچہ ہم مختلف نظمیں تضمین، رباعیاں سب کچھ کہا کرتے تھے مگر ان سب میں رباعیوں ہی نے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ ہوتے ہوتے سید احمد حسین، حضرت امجد ہو کر جواب سرمد یا زندہ سرمد مشہور ہو گئے۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ منزلتہ)

امجد اور کلام امجد خدا کی قدرت ہے کہ امجد سے رباعیات کا

ظہور ہوا لیکن دنیا میں امجد سے زیادہ رباعیات امجد ہی مقبول ہوگئیں کاغذی تصویر نے اصلی صورت پر پردہ ڈال دیا۔ دیکھنے والے ہم کو رباعیات امجد کا مصنف معلوم کرکے نہایت حیرت سے دیکھتے اور ہماری صورت اور کلام میں کوئی مطابقت نہیں پاتے ہیں شاید رباعی کی طرح ہماری وضع اور لباس میں بھی کوئی خاص موزونیت تلاش کرتے ہیں یا ہماری کتابوں کی طباعت اور کتابت کی طرح ہماری صورت میں بھی کسی دلفریب نظارے کے طالب رہتے ہیں شوق دید میں آنے والے اصحاب ہماری کتاب ہستی کو کسی سنہری روپہلی جلد سے مجلد نہ پاکر لنگکے زیر لنگکے بالا نام بڑا درشن تھوڑے" کہتے ہوئے مُنہ پھیر خفا ہوکر چلے جاتے ہیں۔

ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ تصنیفات امجد سنہری قیمتی جلدوں میں مجلد ہوکر جوہر آئینہ کی طرح آئینہ کی الماریوں میں چمکتی دمکتی نظر آتی ہیں اور حضرت امجد ہیں کہ ان کی حقیقت عریاں اور تبہ حالی کی وجہ سے کوئی ان کو صفِ نعال میں بھی جگہ دینے کا روادار نہیں ہوتا۔ عدم سے وجود میں لانے والا نظر انداز ہوکر مطرود ہوجائے اور معدوم موجود ہوکر معبود ہوجائے یا للعجب یا للعجب

زندہ برہنہ جسم ہے میلا کچیلا خستہ تن — مُردے کو ہے غسل و کفن یا للعجب یا للعجب
ظلمت میں پنہاں نور ہے روحانیت مستور ہے — تن تن کے چلتا ہے بدن یا للعجب یا للعجب

بیعت | بیعت میں ہمارا سلسلہ حضرت شمس الدین فیض دہلوی علیہ الرحمۃ

سے ملتا ہے اور یہ بھی بچپن کی بات ہے۔ جوانی میں زن مرید ہوئے اب نہ وہ جوانی ہے نہ وہ پیر ہے نہ عبادت ہے نہ ذکر ہے اب تو صرف جلد اور ایمان پر مرنے کی فکر ہے۔

اصلی صحت کے دن ختم ہو گئے۔ اب تو دائم المرض اور بیمار ہیں اور زیغ قلب میں گرفتار۔

ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا

سب علم کو رد کر دیا عرفاں دیکر — فارغ کیا سب کتب سے قرآں دیکر

لے لی مری جان و دل کی راحت تونے — اب جان بھی لے لے لیکن ایماں دیکر

ہمارا ماحول سچ تو یہ ہے کہ بچپن سے جوانی تک ہم اپنی ماں صوفیہ غریق رحمت کے زیر تربیت رہے اور جوانی سے اس عمر تک اپنی مرحومہ سلمٰی کے منت پذیر رہے۔ بیداری میں انہیں دونوں سے گہرا تعلق رہا اب خواب میں بھی یہی دونوں ہستیاں نظر آتی ہیں مگر کبھی ایک ہو کر کبھی دو ہو کر۔

ایک آخری خواہش دنیا میں دونوں آنکھیں کھولکر انہیں دونوں کی آنکھیں دیکھیں اور پھر اس دنیا سے آنکھیں بند کر کے انھیں دونوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ لاالہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ

خدا اور رسول خدا ملکر آئیں — مری دونوں آنکھوں کے مقصد آئیں

رہے دونوں رخ فضل شامل تمہارا ہو — نہ رہ جائے خالی کوئی دل کا پہلو

مری کوئی کروٹ نہ بیکار جائے — مری آخری آہٹ نہ بیکار جائے

ہو پیش نظر ہر نظر اک تجلی — اُدہر اک تجلی ادہر اک تجلی
نہ بگڑے الٰہی کوئی کام میرا — مبارک ہو آغاز و انجام میرا

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃً و فی الاخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النار

۹ شہر ربیع الاول ۱۳۴۸ھ

صابر منزل حیدرآباد دکن

کتاب کا خاتمہ

دنیاست ہمہ سراب آثار غلط — ایں نقش و نگار ہست صد بار غلط
مطلب مطلب زکارگاہ عالم — کایں نسخۂ خوش خط است بسیار غلط

کسی کو بیٹھے بٹھائے دردسری کرکے دردسر مول لینا ہو تو تصنیف یا تالیف کی تکلیف گوارا کرے دماغ پکا پکا کر دن کو رات، رات کو دن کرکے کتاب لکھے۔ جوئیں چننے والی مشاطاؤں کے خوف سے الجھے ہوئے دقائق کی زلف گرہ گیر کو غور و خوض سے سلجھاتا رہے، یہ صحیح وہ غلط، یہ غلط وہ صحیح، لکھے اور پھر مٹائے، ہٹائے اور پھر لکھے، لکھ لے، لکھ لے، پوچھ لے پوچھ لے یہ لکھوں تو کیسا وہ لکھوں تو کیسا کے مخمصے میں مدتوں پھنسا رہے۔ بڑی ہمت کرکے بدقت تمام مسودے کی ظلمات سے باہر نکلے تو اب تبیض کے لئے خوش نویس تلاش کرے۔ خوش نویس کا دوسرا نام غلط نویس مشہور ہے پھر امجد کو ابجد اور خر موسی کو خر عیسیٰ لکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے پھر از سر نو کتاب کی تصحیح کرے مبیضے کو مسودہ بنائے۔

ایک زمانے کے بعد تبیض اور تسوید کی مصیبتوں سے چھوٹے تو اب سنگین دل، پریس دیوتا کے آستانے پر جبہ سائی کرے۔ کتاب بغل میں دبائے "مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے کی صدا لگاتے ہوئے پریس پریس پھرے کسی پریس کا تو یہ حال ہے کہ کتاب آج

دے دیجئے اور کل لے لیجئے یعنے فردائے قیامت)

کہیں کاتب اچھے نہیں کہیں کاتب اچھے تو ہیں مگر کراماً کاتبین کی طرح نہیں جو چاہتے ہیں لکھ دیتے ہیں۔

کہیں سنگ ساز ناتراشیدہ ہیں حاصل یہ ہے کہ کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے۔ کتاب لکھئے صاف کرائیے پیشگی رقم دیجئے صاحبان مطبع کی خدمت میں حاضر ہو کر روزانہ روستایانہ سلام کیا کیجئے۔

کبھی معلوم ہوتا ہے کہ کاتب صاحب تشریف نہیں لائے کبھی پریس مین بیمار ہو جاتے ہیں۔ کبھی پریس بگڑ جاتا ہے کبھی کچھ ہوتا ہے کبھی کچھ ہوتا ہے خون کے گھونٹ پیو اُف نہ کرو۔ کر کیا سکتے ہیں جب تک پریس میں کتاب ہے پتھر کے نیچے ہاتھ ہے سنگ آمد و سخت آمد

آخر روتے جھینکتے کتاب تمام ہوئی یا مصنف صاحب کی ترکی تمام ہوئی۔

بہت کچھ صحت کی گئی کاپیاں دیکھی گئیں۔ پروف میں بہت غور کیا مگر اب کتاب جو دیکھتے ہیں آنکھوں میں خون اتر آتا ہے کہیں املا غلط کہیں انشاء غلط کہیں متن غائب کہیں حاشیہ ندارد۔

تصنیف کی اشاعت کے لئے تاک میں لگے ہوئے کتاب کے کیڑوں کا طاعونی جراثیم کی طرح ایسا تاک کر حملہ ہوتا ہے کوئی غریب گمنام مصنف اس سے بچ نہیں سکتا اور فیاض ناظرین کی دراز دستیوں

سے جو انعام اور صلہ ملتا ہے چار و ناچار لن یصیبنا الا ما کتب
اللہ لنا کہہ کر قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔

پھر کتب فروشی کا مسئلہ پیش آتا ہے جس کے لئے سبزی فروش
کی طرح مختلف طرزوں مختلف آوازوں (اشتہاروں) من قماش
فروش دل صد پارۂ خویشم" کہہ کہہ کر ہانک لگانی پڑتی ہے، الی
آخرہ،

ہماری تصنیف کو بھی ان مسلمہ اصول سے تحریف کرنے کی کوئی وقعت
نہیں ہوسکتی۔

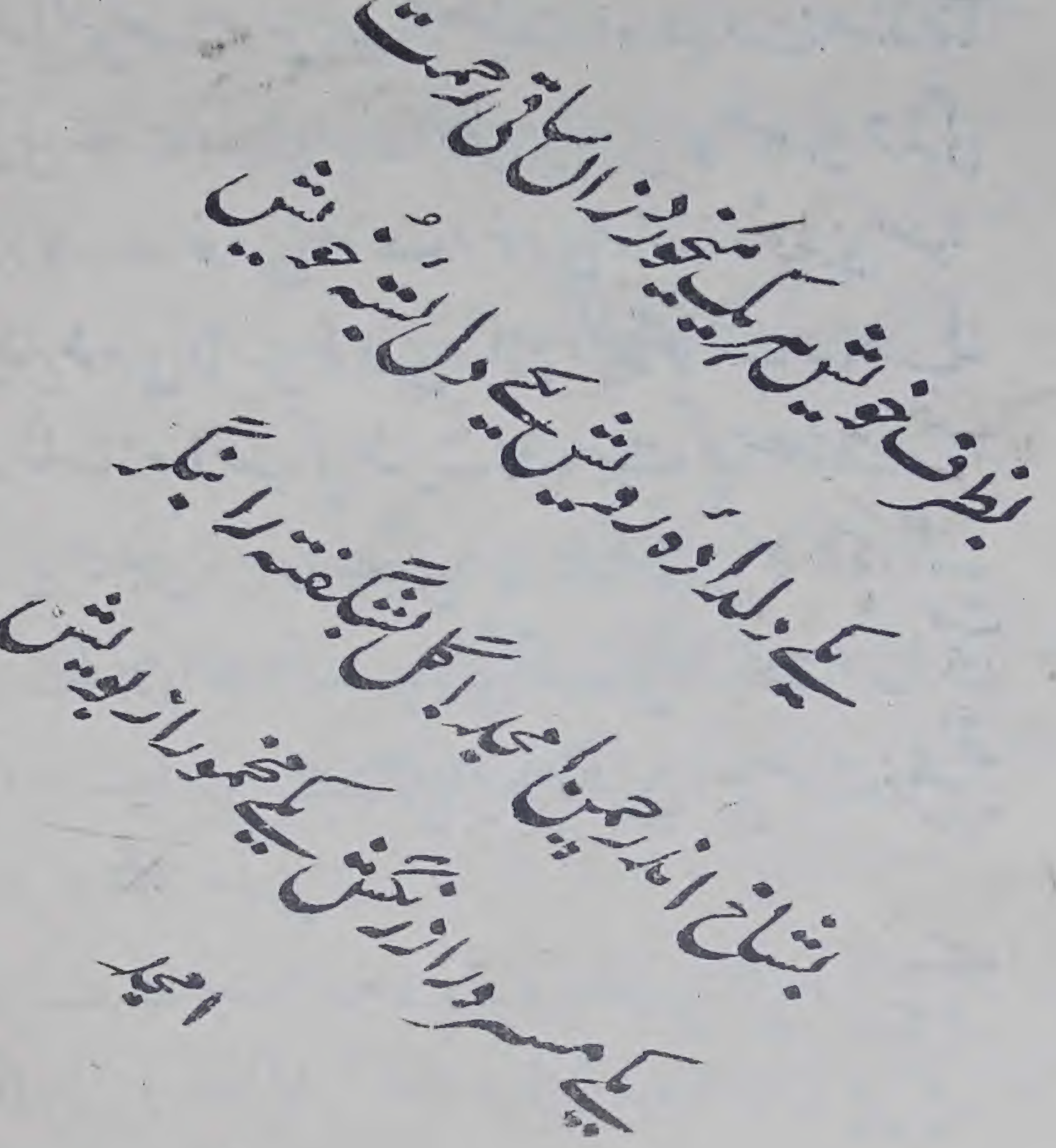
خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ تصنیف اور طباعت مصنف صاحب
کے اختلاج کی شدت اور ہموم کے ماحول میں ہوئی ہو، مفلوج زندگی
یارے نہ مددگارے، خود ہی مصنف، خود ہی مولف، خود ہی مسود
خود ہی مبیض خود ہی قاری خود ہی سامع، کچھ کاتب صاحب کی
کتابت کچھ سنگساز صاحب کی عنایت اور بہت کچھ مصنف صاحب
کے ہتیلی (غیر مبیض) مسودے کی وجہ سے غلطیوں کا انبار لگ
گیا ممکن ہے کہ ان اغلاط سے ہماری کتاب کی اشاعت، عدم اشاعت
کے مماثل ہوجائے امید ہے کہ صحیح النظر ناظرین انکی صحت فرمالیں گے
والسلام علی من اتبع الہدی ۱ تھ ع

مسودے کے تحت رسم خط پر تو گویا خط ہی کھینچ دیا گیا یائے
معروف و مجہول، ہائے مخلوط التلفظ وغیرہ مخلوط التلفظ میں ہمہ

اوست کے تحت کوئی فرق امتیازی باقی نہیں رہا۔

بہر حال اچھے برے، الٹے سیدھے غلط سلط۔ کچھ اپنی خوشی کچھ دوستوں کے اصرار سے ایک مرتبہ اودبار کر چھپ تو گئے، ظہور کے سرور نے بطون کی جڑیں کمزور کردیں، غلط بیں عیب چیں احباب کی تفریح کے لئے بھی بہت کچھ اسباب قدرتی طور پر فراہم ہو گیا اور کیوں نہ ہوتا؟

بابِ کریم کی طرح تقدیر کا رخانہ بے در بھی کسی کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتا جو چاہے آئے اور جو چاہے لے جائے



رباعی

گلدستۂ عرفاں ہے جمال امجد
سرچشمۂ حیواں ہے جمال امجد
امجد اس وقت ثانی سعدی ہیں
اردو کی گلستاں ہے جمال امجد

واجد حسین لکھنوی وکیل ہائیکورٹ مرحوم
تمام شد ۱۳۴۳

جمال امجد

علمی جہالت

مانند نفس زبان چاٹنے کی اداکاری
یہ علم لئے والا کبھی بکتا ہوا

اپنی ہار کر دلیل سے ایسے امجد
ثابت یہ ہوا کہ کبھی نہ بتا ہوا
اب

تصانیف امجد

ریاض امجد حصہ اول و دوم حافظ شیراز کے صوفیانہ کلام کی دلکش تضمین، ہندی دوہوں کی درد بھری تضمین حمد و نعت کا لطف، دعا و مناجات کا ذوق حاصل کرنا ہو تو ان حصوں کو ضرور ملاحظہ کیجیے ... قیمت فی حصہ عـہ علاوہ محصول

رباعیات امجد حصہ اول و دوم رباعیات کے لئے امجد کا نام ہی کافی ہے قیمت فی حصہ عـہ

خرقہ امجد سی پیوند ایمان کی سرد مہری کے وقت اوڑھنے بچھانے کے کام آتا ہے اس کا مطالعہ انسان کو انسان اور مسلمان کو مسلمان بناتا ہے قیمت عـہ علاوہ محصول

نذر امجد ہجرت نبوی کے حالات۔ وصل و فراق کے کیفیات بوڑھوں، عورتوں بچوں سب کیلئے دلکش و دلچسپ ہے ...... قیمت ۶ر علاوہ محصول

حج امجد یہ کتاب حج و زیارت اور حجازی تاثرات کا دلپسند مرقع ہے قیمت (ہے)

جمال امجد بقول رسالہ معارف اس کتاب سے ذوق ادب کی تشفی اور کاہش دل کی تسکین ہوتی ہے ...... قیمت (للعہ) علاوہ محصول

میاں بیوی کی کہانی اس کتاب میں بیوی نے اپنی ہی مثال پیش کر کے اپنے میاں کو امجد کی زبانی عبدیت کا سبق پڑھایا مع اضافہ حکایات ... ۸ر علاوہ محصول

حکایات امجد اس کتاب میں روزمرہ زندگی کے واقعات سے نتیجہ خیز نتائج پیدا کئے گئے ہیں قیمت عـہ علاوہ محصول

گلستان امجد گلستان حضرت سعدی کا اردو ترجمہ جس میں مناسب حال قطعات اور رباعیات سے جنت الفردوس کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے قیمت (ہے) علاوہ محصول

پیام امجد قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں طول طویل مباحث سے قطع نظر کر کے مختصر طور پر اہم اور مشکل مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ۔عہ